

# مزاراتِ حرمین

یعنی

مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے مشہور مزارات و مقابر کی

جامع و مفصل تاریخ

از

علی شبیر

سررشتہ دار انتظامی ایٹیکورٹ حیدرآباد دکن

مصنف نظم شبیر مترجم سفرنامہ بکھارٹ سیاح عرب و مؤلف محاکمہ  
قلعات ابن یمن و سعدی تاریخ حجر اسود و حجاز کے فرنگی سیاح و تاریخ  
غلاف کعبہ وغیرہ وغیرہ

باہتمام و نگرانی سید علی رضا

مطبع انوار الاسلام کوٹلہ اکبر جاہ حیدرآباد دکن مین چھپی

۱۳۳۸ھ  
۱۳۳۸-۱۳۳۹ھ

۱۳۳۸ھ

# فہرست مضامین کتاب مزارات عربین

صفحہ نمبر	عنوان مضمون	صفحہ نمبر	عنوان مضمون	صفحہ نمبر
۱۳	۲۔ جنت المظلی میں اس گنہگار کا گذر۔	۱۰	۲ الف	۱ دیا چھ شکر۔
۱۶	۳۔ مقبرہ اجداد رسولؐ۔	۱۱	ج	۲ دیا چھ شکایت۔
۱۷	الف۔ قبر حضرت عبدالمناف۔	۱۲		۳ عطائے عبا کے مطلق ہر نجی سلطان
۱۸	ب۔ قبر حضرت عبدالطلب۔	۱۳		ابن سعود کے مستحق خاص مولوی سید اسماعیل
۱۹	ج۔ قبر حضرت ابی طالب۔	۱۴	ط	غزوہ کی نیم سرکاری۔
۲۰	۴۔ مزار حضرت آمنہؓ	۱۵		۴ ہر نجی سلطان ابن سعود بادشاہ حجاز کا فرمان
۲۵	۵۔ مزار ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ	۱۶	ی	اس فقیر کے نام۔
۲۹	۶۔ قبر حضرت قاسم ابن رسول اللہؐ	۱۷	ل	۵ ترجمہ فرمان ہر نجی سلطان ابن سعود۔
۳۰	۷۔ مقبرہ آل ابوبکرؓ	۱۸	م	۶ ماخذ تالیف
۳۱	الف۔ قبر عبدالرحمن بن ابوبکرؓ	۱۹		۷ الف۔ وہ کتابیں جن سے تالیف میں
۳۲	ب۔ قبر ابوقحافہؓ	۲۰	ن	خاص مرد لکھی۔
۳۳	ج۔ قبر عبداللہ بن زبیرؓ	۲۱		۸ ب۔ وہ کتابیں جن کا اس تالیف میں
۳۴	د۔ قبر اسمانہ بنت ابوبکرؓ	۲۲	س	کہیں کہیں حوالہ دیا گیا ہے۔
۳۶	۸۔ قبر عبداللہ بن عمرؓ	۲۳		باب اول
۳۹	۹۔ معالیٰ کے بعض دوسرے مزار۔	۲۴		مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان
۴۰	۱۰۔ معالیٰ میں قبروں کے لیے زمین۔	۲۵		فصل اول
۴۳	۱۱۔ مزارات معالیٰ کی صحت و عدم صحت۔	۲۶		جنت امسلی
				۱۔ معالیٰ کی اجمالی کیفیت۔



۴۳	۸۔ مزار اقدس امیر معاویہ کے زمانہ میں۔	۴۳	فقہ اہل مکرم
۴۴	۹۔ مزار اقدس عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں	۴۴	کے کے بعض دوسری قبرستان
۴۵	۱۰۔ مزار اقدس ولید بن عبد الملک کے عہد میں۔	۴۵	۱۔ قبرستان منیٰ۔
۴۶	۱۱۔ حجرہ مزار اقدس میں ایک داخلی۔	۴۸	الف۔ مسجد خیف۔
۴۹	۱۲۔ حجرہ مزار اقدس میں ایک اور داخلی۔	۴۹	ب۔ غار مرسلات۔
۵۰	۱۳۔ مسجد نبوی کی پہلی آتشزدگی اور مزار اقدس۔	۵۰	ج۔ مسجد نحر۔
۵۱	۱۴۔ مزار اقدس سے متعلق اجسام کی کوشش۔	۵۱	د۔ مقام کبش۔
۵۲	الف۔ شیمان حلب کا ارادہ۔	۵۲	۲۔ قبرستان شبیکہ۔
۵۳	ب۔ حاکم بامر اللہ کا خط۔	۵۳	۳۔ قبرستان شہداء۔
۵۴	ج۔ آپین کے عیسائیوں کا منصوبہ اور	۵۴	۴۔ مقبرہ ام المومنین حضرت میمونہؓ۔
۵۵	خندق الرصاص۔	۵۵	۵۔ مقبرہ مہاجرین۔
۵۶	د۔ تمام کے عیسائیوں کا ارادہ۔	۵۶	باب دوم
۵۷	۱۵۔ مزار اقدس کی تعمیر سلطان قائد یے کے	۵۷	مدینے کے مزارات
۵۸	زمانہ میں۔	۵۸	فصل اول
۵۹	۱۶۔ مسجد نبوی میں دوسری آتش زدگی	۵۹	مزار اقدس سرور کائنات
۶۰	اور مزار اقدس۔	۶۰	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۶۱	۱۷۔ مزار اقدس پر گنبد اور قبہ مختصراً۔	۶۱	۱۔ حجرہ مزار اقدس کی اجمالی حالت۔
۶۲	۱۸۔ مزار اقدس کی جالی۔	۶۲	۲۔ حجرہ شریفین آنحضرت صلیم کے زمانہ میں
۶۳	۱۹۔ مزار اقدس کے اطراف گیری	۶۳	۳۔ مزار اقدس آنحضرت صلیم کے بعد۔
۶۴	۲۰۔ علامت مواجدہ شریفہ۔	۶۴	۴۔ مزار اقدس حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں
۶۵	الف۔ قندیل۔	۶۵	۵۔ مزار اقدس حضرت عمرؓ کے زمانہ میں۔
۶۶	ب۔ مسافر قضا۔	۶۶	۶۔ حجرہ مزار اقدس میں قبر بنی وضع ہیبت
۶۷	ج۔ صندوق مسند۔	۶۷	۷۔ حجرہ مزار شریف میں چوتھی قبر کی جگہ۔

۲۰۰	۸۳	۱۱۵	۶۲	۵۔ کوکب الدری۔
		۱۱۶	۶۵	۶۔ شبکہ نبی۔
		۱۱۷	۶۶	۲۱۔ مزار شریف کے سامنے جازے
		۱۱۷	۶۷	۲۲۔ مزار اقدس کے تحفے اور ہدیے
		۱۱۹	۶۸	۲۳۔ مزار اقدس کے خزانہ میں تغلب و تضرع
۲۰۵	۸۴	۱۲۵	۶۹	۲۴۔ مزار اقدس میں روشنی۔
۲۰۸	۸۵	۱۲۹	۷۰	۲۵۔ مزار اقدس کا غلاف۔
۲۰۹	۸۶	۱۳۲	۷۱	۲۶۔ جالی کے اندر کے پردے۔
۲۱۵	۸۷	۱۳۳	۷۲	۲۷۔ جالی کے اندر چھوٹے چھوٹے گچے اور پتھر۔
۲۲۲	۸۸	۱۳۳	۷۳	۲۸۔ حجرہ شریف کی کنجی اور بچے۔
۲۲۳	۸۹	۱۳۴	۷۴	۲۹۔ مزار اقدس کا غسل۔
۲۲۴	۹۰	۱۳۵	۷۵	۳۰۔ حجرہ کی دیواروں سے عطریات۔
۲۲۵	۹۱	۱۳۵	۷۶	۳۱۔ مزار اقدس کے خدام و انعامات۔
۲۲۶	۹۲	۱۳۶	۷۷	۳۲۔ حضرت شفیع المذنبین کی خدمت میں۔
۲۲۷	۹۳	۱۳۷	۷۸	۳۳۔ سلام و زیارت۔
۲۲۸	۹۴	۱۳۸	۷۹	۳۴۔ مزار اقدس کی نسبت عیسائیوں۔
۲۲۹	۹۵	۱۳۹	۸۰	۳۵۔ شبہات۔
۲۳۰	۹۶	۱۴۰	۸۱	۳۶۔ کپتان برٹن اور پادری زدیمر۔
۲۳۱	۹۷	۱۴۱	۸۲	۳۷۔ کپتان برٹن صاحب کی سوانح عمری۔
۲۳۲	۹۸	۱۴۲	۸۳	۳۸۔ کپتان برٹن صاحب کے اعتراضات اور۔
۲۳۳	۹۹	۱۴۳	۸۴	۳۹۔ ان کا جواب۔
۲۳۴	۱۰۰	۱۴۴	۸۵	۴۰۔ ان کا جواب۔
۲۳۵	۱۰۱	۱۴۵	۸۶	۴۱۔ ان کا جواب۔
۲۳۶	۱۰۲	۱۴۶	۸۷	۴۲۔ ان کا جواب۔
۲۳۷	۱۰۳	۱۴۷	۸۸	۴۳۔ ان کا جواب۔
۲۳۸	۱۰۴	۱۴۸	۸۹	۴۴۔ ان کا جواب۔
۲۳۹	۱۰۵	۱۴۹	۹۰	۴۵۔ ان کا جواب۔
۲۴۰	۱۰۶	۱۵۰	۹۱	۴۶۔ ان کا جواب۔
۲۴۱	۱۰۷	۱۵۱	۹۲	۴۷۔ ان کا جواب۔
۲۴۲	۱۰۸	۱۵۲	۹۳	۴۸۔ ان کا جواب۔
۲۴۳	۱۰۹	۱۵۳	۹۴	۴۹۔ ان کا جواب۔
۲۴۴	۱۱۰	۱۵۴	۹۵	۵۰۔ ان کا جواب۔
۲۴۵	۱۱۱	۱۵۵	۹۶	۵۱۔ ان کا جواب۔
۲۴۶	۱۱۲	۱۵۶	۹۷	۵۲۔ ان کا جواب۔
۲۴۷	۱۱۳	۱۵۷	۹۸	۵۳۔ ان کا جواب۔
۲۴۸	۱۱۴	۱۵۸	۹۹	۵۴۔ ان کا جواب۔
۲۴۹	۱۱۵	۱۵۹	۱۰۰	۵۵۔ ان کا جواب۔
۲۵۰	۱۱۶	۱۶۰	۱۰۱	۵۶۔ ان کا جواب۔
۲۵۱	۱۱۷	۱۶۱	۱۰۲	۵۷۔ ان کا جواب۔
۲۵۲	۱۱۸	۱۶۲	۱۰۳	۵۸۔ ان کا جواب۔
۲۵۳	۱۱۹	۱۶۳	۱۰۴	۵۹۔ ان کا جواب۔
۲۵۴	۱۲۰	۱۶۴	۱۰۵	۶۰۔ ان کا جواب۔
۲۵۵	۱۲۱	۱۶۵	۱۰۶	۶۱۔ ان کا جواب۔
۲۵۶	۱۲۲	۱۶۶	۱۰۷	۶۲۔ ان کا جواب۔
۲۵۷	۱۲۳	۱۶۷	۱۰۸	۶۳۔ ان کا جواب۔
۲۵۸	۱۲۴	۱۶۸	۱۰۹	۶۴۔ ان کا جواب۔
۲۵۹	۱۲۵	۱۶۹	۱۱۰	۶۵۔ ان کا جواب۔
۲۶۰	۱۲۶	۱۷۰	۱۱۱	۶۶۔ ان کا جواب۔
۲۶۱	۱۲۷	۱۷۱	۱۱۲	۶۷۔ ان کا جواب۔
۲۶۲	۱۲۸	۱۷۲	۱۱۳	۶۸۔ ان کا جواب۔
۲۶۳	۱۲۹	۱۷۳	۱۱۴	۶۹۔ ان کا جواب۔
۲۶۴	۱۳۰	۱۷۴	۱۱۵	۷۰۔ ان کا جواب۔
۲۶۵	۱۳۱	۱۷۵	۱۱۶	۷۱۔ ان کا جواب۔
۲۶۶	۱۳۲	۱۷۶	۱۱۷	۷۲۔ ان کا جواب۔
۲۶۷	۱۳۳	۱۷۷	۱۱۸	۷۳۔ ان کا جواب۔
۲۶۸	۱۳۴	۱۷۸	۱۱۹	۷۴۔ ان کا جواب۔
۲۶۹	۱۳۵	۱۷۹	۱۲۰	۷۵۔ ان کا جواب۔
۲۷۰	۱۳۶	۱۸۰	۱۲۱	۷۶۔ ان کا جواب۔
۲۷۱	۱۳۷	۱۸۱	۱۲۲	۷۷۔ ان کا جواب۔
۲۷۲	۱۳۸	۱۸۲	۱۲۳	۷۸۔ ان کا جواب۔
۲۷۳	۱۳۹	۱۸۳	۱۲۴	۷۹۔ ان کا جواب۔
۲۷۴	۱۴۰	۱۸۴	۱۲۵	۸۰۔ ان کا جواب۔
۲۷۵	۱۴۱	۱۸۵	۱۲۶	۸۱۔ ان کا جواب۔
۲۷۶	۱۴۲	۱۸۶	۱۲۷	۸۲۔ ان کا جواب۔
۲۷۷	۱۴۳	۱۸۷	۱۲۸	۸۳۔ ان کا جواب۔
۲۷۸	۱۴۴	۱۸۸	۱۲۹	۸۴۔ ان کا جواب۔
۲۷۹	۱۴۵	۱۸۹	۱۳۰	۸۵۔ ان کا جواب۔
۲۸۰	۱۴۶	۱۹۰	۱۳۱	۸۶۔ ان کا جواب۔
۲۸۱	۱۴۷	۱۹۱	۱۳۲	۸۷۔ ان کا جواب۔
۲۸۲	۱۴۸	۱۹۲	۱۳۳	۸۸۔ ان کا جواب۔
۲۸۳	۱۴۹	۱۹۳	۱۳۴	۸۹۔ ان کا جواب۔
۲۸۴	۱۵۰	۱۹۴	۱۳۵	۹۰۔ ان کا جواب۔
۲۸۵	۱۵۱	۱۹۵	۱۳۶	۹۱۔ ان کا جواب۔
۲۸۶	۱۵۲	۱۹۶	۱۳۷	۹۲۔ ان کا جواب۔
۲۸۷	۱۵۳	۱۹۷	۱۳۸	۹۳۔ ان کا جواب۔
۲۸۸	۱۵۴	۱۹۸	۱۳۹	۹۴۔ ان کا جواب۔
۲۸۹	۱۵۵	۱۹۹	۱۴۰	۹۵۔ ان کا جواب۔
۲۹۰	۱۵۶	۲۰۰	۱۴۱	۹۶۔ ان کا جواب۔
۲۹۱	۱۵۷	۲۰۱	۱۴۲	۹۷۔ ان کا جواب۔
۲۹۲	۱۵۸	۲۰۲	۱۴۳	۹۸۔ ان کا جواب۔
۲۹۳	۱۵۹	۲۰۳	۱۴۴	۹۹۔ ان کا جواب۔
۲۹۴	۱۶۰	۲۰۴	۱۴۵	۱۰۰۔ ان کا جواب۔
۲۹۵	۱۶۱	۲۰۵	۱۴۶	۱۰۱۔ ان کا جواب۔
۲۹۶	۱۶۲	۲۰۶	۱۴۷	۱۰۲۔ ان کا جواب۔
۲۹۷	۱۶۳	۲۰۷	۱۴۸	۱۰۳۔ ان کا جواب۔
۲۹۸	۱۶۴	۲۰۸	۱۴۹	۱۰۴۔ ان کا جواب۔
۲۹۹	۱۶۵	۲۰۹	۱۵۰	۱۰۵۔ ان کا جواب۔
۳۰۰	۱۶۶	۲۱۰	۱۵۱	۱۰۶۔ ان کا جواب۔
۳۰۱	۱۶۷	۲۱۱	۱۵۲	۱۰۷۔ ان کا جواب۔
۳۰۲	۱۶۸	۲۱۲	۱۵۳	۱۰۸۔ ان کا جواب۔
۳۰۳	۱۶۹	۲۱۳	۱۵۴	۱۰۹۔ ان کا جواب۔
۳۰۴	۱۷۰	۲۱۴	۱۵۵	۱۱۰۔ ان کا جواب۔
۳۰۵	۱۷۱	۲۱۵	۱۵۶	۱۱۱۔ ان کا جواب۔
۳۰۶	۱۷۲	۲۱۶	۱۵۷	۱۱۲۔ ان کا جواب۔
۳۰۷	۱۷۳	۲۱۷	۱۵۸	۱۱۳۔ ان کا جواب۔
۳۰۸	۱۷۴	۲۱۸	۱۵۹	۱۱۴۔ ان کا جواب۔
۳۰۹	۱۷۵	۲۱۹	۱۶۰	۱۱۵۔ ان کا جواب۔
۳۱۰	۱۷۶	۲۲۰	۱۶۱	۱۱۶۔ ان کا جواب۔
۳۱۱	۱۷۷	۲۲۱	۱۶۲	۱۱۷۔ ان کا جواب۔
۳۱۲	۱۷۸	۲۲۲	۱۶۳	۱۱۸۔ ان کا جواب۔
۳۱۳	۱۷۹	۲۲۳	۱۶۴	۱۱۹۔ ان کا جواب۔
۳۱۴	۱۸۰	۲۲۴	۱۶۵	۱۲۰۔ ان کا جواب۔
۳۱۵	۱۸۱	۲۲۵	۱۶۶	۱۲۱۔ ان کا جواب۔
۳۱۶	۱۸۲	۲۲۶	۱۶۷	۱۲۲۔ ان کا جواب۔
۳۱۷	۱۸۳	۲۲۷	۱۶۸	۱۲۳۔ ان کا جواب۔
۳۱۸	۱۸۴	۲۲۸	۱۶۹	۱۲۴۔ ان کا جواب۔
۳۱۹	۱۸۵	۲۲۹	۱۷۰	۱۲۵۔ ان کا جواب۔
۳۲۰	۱۸۶	۲۳۰	۱۷۱	۱۲۶۔ ان کا جواب۔
۳۲۱	۱۸۷	۲۳۱	۱۷۲	۱۲۷۔ ان کا جواب۔
۳۲۲	۱۸۸	۲۳۲	۱۷۳	۱۲۸۔ ان کا جواب۔
۳۲۳	۱۸۹	۲۳۳	۱۷۴	۱۲۹۔ ان کا جواب۔
۳۲۴	۱۹۰	۲۳۴	۱۷۵	۱۳۰۔ ان کا جواب۔
۳۲۵	۱۹۱	۲۳۵	۱۷۶	۱۳۱۔ ان کا جواب۔
۳۲۶	۱۹۲	۲۳۶	۱۷۷	۱۳۲۔ ان کا جواب۔
۳۲۷	۱۹۳	۲۳۷	۱۷۸	۱۳۳۔ ان کا جواب۔
۳۲۸	۱۹۴	۲۳۸	۱۷۹	۱۳۴۔ ان کا جواب۔
۳۲۹	۱۹۵	۲۳۹	۱۸۰	۱۳۵۔ ان کا جواب۔
۳۳۰	۱۹۶	۲۴۰	۱۸۱	۱۳۶۔ ان کا جواب۔
۳۳۱	۱۹۷	۲۴۱	۱۸۲	۱۳۷۔ ان کا جواب۔
۳۳۲	۱۹۸	۲۴۲	۱۸۳	۱۳۸۔ ان کا جواب۔
۳۳۳	۱۹۹	۲۴۳	۱۸۴	۱۳۹۔ ان کا جواب۔
۳۳۴	۲۰۰	۲۴۴	۱۸۵	۱۴۰۔ ان کا جواب۔
۳۳۵	۲۰۱	۲۴۵	۱۸۶	۱۴۱۔ ان کا جواب۔
۳۳۶	۲۰۲	۲۴۶	۱۸۷	۱۴۲۔ ان کا جواب۔
۳۳۷	۲۰۳	۲۴۷	۱۸۸	۱۴۳۔ ان کا جواب۔
۳۳۸	۲۰۴	۲۴۸	۱۸۹	۱۴۴۔ ان کا جواب۔
۳۳۹	۲۰۵	۲۴۹	۱۹۰	۱۴۵۔ ان کا جواب۔
۳۴۰	۲۰۶	۲۵۰	۱۹۱	۱۴۶۔ ان کا جواب۔
۳۴۱	۲۰۷	۲۵۱	۱۹۲	۱۴۷۔ ان کا جواب۔
۳۴۲	۲۰۸	۲۵۲	۱۹۳	۱۴۸۔ ان کا جواب۔
۳۴۳	۲۰۹	۲۵۳	۱۹۴	۱۴۹۔ ان کا جواب۔
۳۴۴	۲۱۰	۲۵۴	۱۹۵	۱۵۰۔ ان کا جواب۔
۳۴۵	۲۱۱	۲۵۵	۱۹۶	۱۵۱۔ ان کا جواب۔
۳۴۶	۲۱۲	۲۵۶	۱۹۷	۱۵۲۔ ان کا جواب۔
۳۴۷	۲۱۳	۲۵۷	۱۹۸	۱۵۳۔ ان کا جواب۔
۳۴۸	۲۱۴	۲۵۸	۱۹۹	۱۵۴۔ ان کا جواب۔
۳۴۹	۲۱۵	۲۵۹	۲۰۰	۱۵۵۔ ان کا جواب۔
۳۵۰	۲۱۶	۲۶۰	۲۰۱	۱۵۶۔ ان کا جواب۔
۳۵۱	۲۱۷	۲۶۱	۲۰۲	۱۵۷۔ ان کا جواب۔
۳۵۲	۲۱۸	۲۶۲	۲۰۳	۱۵۸۔ ان کا جواب۔
۳۵۳	۲۱۹	۲۶۳	۲۰۴	۱۵۹۔ ان کا جواب۔
۳۵۴	۲۲۰	۲۶۴	۲۰۵	۱۶۰۔ ان کا جواب۔
۳۵۵	۲۲۱	۲۶۵	۲۰۶	۱۶۱۔ ان کا جواب۔
۳۵۶	۲۲۲	۲۶۶	۲۰۷	۱۶۲۔ ان کا جواب۔
۳۵۷	۲۲۳	۲۶۷	۲۰۸	۱۶۳۔ ان کا جواب۔
۳۵۸	۲۲۴	۲۶۸	۲۰۹	۱۶۴۔ ان کا جواب۔
۳۵۹	۲۲۵	۲۶۹	۲۱۰	۱۶۵۔ ان کا جواب۔
۳۶۰	۲۲۶	۲۷۰	۲۱۱	۱۶۶۔ ان کا جواب۔
۳۶۱	۲۲۷	۲۷۱	۲۱۲	۱۶۷۔ ان کا جواب۔
۳۶۲	۲۲۸	۲۷۲	۲۱۳	۱۶۸۔ ان کا جواب۔
۳۶۳	۲۲۹	۲۷۳	۲۱۴	۱۶۹۔ ان کا جواب۔
۳۶۴	۲۳۰	۲۷۴	۲۱۵	۱۷۰۔ ان کا جواب۔
۳۶۵	۲۳۱	۲۷۵	۲۱۶	۱۷۱۔ ان کا جواب۔
۳۶۶	۲۳۲	۲۷۶	۲۱۷	۱۷۲۔ ان کا جواب۔
۳۶۷	۲۳۳	۲۷۷	۲۱۸	۱۷۳۔ ان کا جواب۔
۳۶۸	۲۳۴	۲۷۸	۲۱۹	۱۷۴۔ ان کا جواب۔
۳۶۹	۲۳۵	۲۷۹	۲۲۰	۱۷۵۔ ان کا جواب۔
۳۷۰	۲۳۶	۲۸۰	۲۲۱	۱۷۶۔ ان کا جواب۔
۳۷۱	۲۳۷	۲۸۱	۲۲۲	۱۷۷۔ ان کا جواب۔
۳۷۲	۲۳۸	۲۸۲	۲۲۳	۱۷۸۔ ان کا جواب۔
۳۷۳	۲۳۹	۲۸۳	۲۲۴	۱۷۹۔ ان کا جواب۔
۳۷۴	۲۴۰	۲۸۴	۲۲۵	۱۸۰۔ ان کا جواب۔
۳۷۵	۲۴۱	۲۸۵	۲۲۶	۱۸۱۔ ان کا جواب۔
۳۷۶	۲۴۲	۲۸۶	۲۲۷	۱۸۲۔ ان کا جواب۔
۳۷۷	۲۴۳	۲۸۷	۲۲۸	۱۸۳۔ ان کا جواب۔
۳۷۸	۲۴۴	۲۸۸	۲۲۹	۱۸۴۔ ان کا جواب۔
۳۷۹	۲۴۵	۲۸۹	۲۳۰	۱۸۵۔ ان کا جواب۔
۳۸۰	۲۴۶	۲۹۰	۲۳۱	۱۸۶۔ ان کا جواب۔
۳۸۱	۲۴۷	۲۹۱	۲۳۲	۱۸۷۔ ان کا جواب۔
۳۸۲	۲۴۸	۲۹۲	۲۳۳	۱۸۸۔ ان کا جواب۔
۳۸۳	۲۴۹	۲۹۳	۲۳۴	۱۸۹۔ ان کا جواب۔
۳۸۴	۲۵۰	۲۹۴	۲۳۵	۱۹۰۔ ان کا جواب۔
۳۸۵	۲۵۱	۲۹۵	۲۳۶	۱۹۱۔ ان کا جواب۔
۳۸۶	۲۵۲			

۲۵۴	۲۰۔ بقیع میں سب سے پہلی کسی زیارت کی جائے	۱۲۶	۲۳۲	۹۔ مقبرہ ایزد ارج البقیع	۱۰۱
۲۵۵	۲۱۔ مزارات جنت البقیع کی عدم صحت۔	۱۲۷	۲۳۷	۱۰۔ مقبرہ عقیل ابن ابی طالب۔	۱۰۲
۲۶۱	۲۲۔ کیفیت زیارت قبور۔	۱۲۸	۲۳۸	۱۱۔ مقبرہ عقیل بن ابی طالب۔	۱۰۳
۲۶۵	۲۳۔ منہدم شدہ قبول کی ترسیم کے متعلق تجویز کی جائے	۱۲۹	۲۳۹	۱۲۔ قبر ابو سفیان بن حارث۔	۱۰۵
	<b>فصل سوم</b>		۲۳۸	۱۳۔ قبر عبداللہ بن جعفر طیار۔	۱۰۶
	<b>مدینہ کے بعض دوسری قبرستان</b>		۲۳۹	۱۴۔ جناح شہیدان۔	۱۰۷
۲۶۹	۱۔ مقبرہ نجات رسول اللہ (ص) و عائشہ (ر)	۱۳۰	۲۴۰	۱۵۔ مقبرہ امام مالک۔	۱۰۸
۲۷۱	۲۔ مقبرہ حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام	۱۳۱	۲۴۱	۱۶۔ مقبرہ نافع۔	۱۰۹
	۳۔ مقبرہ حضرت عبداللہ والد ماجد حضرت صلح	۱۳۲	۲۴۲	۱۷۔ مقبرہ ابو شحمہ بن عمر۔	۱۱۰
۲۷۵	۴۔ مقبرہ حضرت مالک بن سنان۔	۱۳۳	۲۴۳	۱۸۔ مقبرہ سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ۔	۱۱۱
۲۷۶	۵۔ مقبرہ شہداء کے اُحد۔	۱۳۴	۲۴۴	۱۹۔ قبر سعد بن زارہ۔	۱۱۲
۲۷۷	الف۔ جبل اُحد۔	۱۳۵	۲۴۵	۲۰۔ قبر عثمان بن مظعون۔	۱۱۳
۲۷۸	ب۔ قبہ یاروں۔	۱۳۶	۲۴۶	۲۱۔ قبر رقیہ بنت رسول اللہ۔	۱۱۴
۲۷۹	ج۔ جنگ اُحد۔	۱۳۷	۲۴۷	۲۲۔ قبر خنیس بن حذافہ۔	۱۱۵
۲۸۰	د۔ شہداء کے اُحد کے نام۔	۱۳۸	۲۴۸	۲۳۔ قبر فاطمہ بنت اسد۔	۱۱۶
۲۸۱	ه۔ شہداء کے اُحد کا لفظ دُفن۔	۱۳۹	۲۴۹	۲۴۔ قبر ابراہیم ابن رسول اللہ۔	۱۱۷
۲۸۳	و۔ شہداء کے اُحد کے اجسام کی نشانی۔	۱۴۰	۲۵۰	۲۵۔ قبر عبدالرحمن بن عوف۔	۱۱۸
۲۸۴	ز۔ مزار حضرت حمزہ۔	۱۴۱	۲۵۱	۲۶۔ قبر عبداللہ بن مسعود۔	۱۱۹
۲۸۵	ح۔ گنج شہیدان اور بعض دوسری قبریں	۱۴۲	۲۵۲	۲۷۔ قبر سعد ابن ابی وقاص۔	۱۲۰
۲۸۶	ط۔ شہداء کے اُحد کی زیارت و سلام۔	۱۴۳	۲۵۳	۲۸۔ مقبرہ علیہ سعد بن۔	۱۲۱
۲۸۷	ی۔ حضرت حمزہ کا مخرج۔	۱۴۴	۲۵۴	۲۹۔ مقبرہ ابی سعید الخدری۔	۱۲۲
۲۸۸	۴۔ مقبرہ محمد نفس زکیہ۔	۱۴۵	۲۵۵	۳۰۔ مقبرہ سعد بن معاذ۔	۱۲۳
۲۸۹	۵۔ مقبرہ حضرت عثمان ابن عفان علیہ السلام	۱۴۶	۲۵۶	۳۱۔ مقبرہ جناب فاطمہ بنت اسد۔	۱۲۴
۲۹۰	۶۔ مقبرہ حضرت عثمان ابن عفان علیہ السلام	۱۴۷	۲۵۷	۳۲۔ مقبرہ حضرت عثمان ابن عفان علیہ السلام	۱۲۵



CHECKED 1086

# دیا چکر

خدا کا ہزار ہزار شکر جس نے حرمین الشریفین کی محبت میرے دل میں ودیعت فرمائی جس نے مجھ کو ایک ایسی آتش شوق بخشی جو نہ حرمین کی دید سے بچھی اور نہ حسرت دید سے۔ جس نے دو دو جنتیں میری تفریح کیلئے عنایت کیں۔ کبھی جنت المعلیٰ کی داویلوں میں گشت لگاتا ہوں اور کبھی جنت البقیع کے زاویوں کی سیر کرتا ہوں۔ میرے ہمراہیوں کے چ و زیارت ختم ہو گئے مگر میرا یہ مبارک سفر ابھی تک طے نہیں ہوا۔ میرا جسم خاکی یہاں ہے لیکن میرا پیکر روحانی مکہ و مدینہ کی گلیوں میں چکر لگا رہا ہے۔ میں اپنے مضافین سفر حج اور تار و بیخ مزارات حرمین کی بدولت ابھی تک حجاز ہی میں ہوں اور اس اعتبار سے میرا یہ کہنا مبالغ نہیں ہے۔

جو میں ہوں محو طواف کعبہ تو دل ہے مصروف سیر طیبہ

یہ دو دو ہاتھوں سے لوٹتا ہوں جنا بعالیٰ ثواب کیسا

اللہ کے شکر کیساتھ حضرت ظل اللہ کا شکر یہ بھی مجھ پر واجب ہے جسکی بزل و عطا پر حرمین کے در و دیوار صدائے شکر سے گونج رہے ہیں جس کے دریا کسے سخا کی لہر میں ہندوستان سے نکلا اگر ایک طرف عراق و مشہد تک پہنچی ہیں تو دوسری طرف حجاز و بیت المقدس تک۔ جس کے وظیفہ خواہ سلطان المعظم مغرول خلیفۃ المسلمین اور ان کی ملکہ سے لگا کر حجاز کے عام ستمچین تک ہیں۔ جسکی خدمات مذہبی کی گواہی ساکنین یثرب و طحی۔ آستانہ رسول اللہ و در بیت اللہ دیر دیتے ہیں۔ جسکی دستگیری سے ہر سال حاجیوں کے قافلے حج و زیارت سے

۱۰۔ سلطان عبد المجید خاں کو سرکار آصفی سے تقریباً چار سو روپیہ مایانہ اور ان کی ملکہ کو ایک ہزار

سالانہ وظیفہ عطا ہوتا ہے۔

## ب

مشرف ہوتے ہیں۔ جو عازمین بیت اللہ و بیت الرسول کو چھ چھ مہینے کی رخصت اور چھ مہینے کی پیشگی تنخواہیں مرحمت فرماتا ہے۔ جسکی عنایات بے غایات سفر حجاز میں ہر جگہ چھپے سایہ فگن رہیں گے میں مجھے آرام ملا تو اُسی کی رباط میں۔ مدینے میں ٹھہرا تو اُسی کو ساغر خانی میں۔ بیت اللہ میں دھوپ سے بچا تو اُسی کی سبیل میں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے آقائے ولی نعمت۔ حامی دین و ملت۔ بادشاہ اسلام۔ عاشق رسول۔ محبت اہلبیت علیہ السلام حضرت بندگان عالی آصفیاء نظام الملک سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخاں بہادر خسر و دکن خلد اللہ ملکھم و سلطنتھم کو مع شانہ ارکان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال سلامت رکھے۔

والبتہ و امن دولت آصفیہ

(ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) علی شبیر

سررشتہ دار انتظامی ہائیکورٹ

حیدرآباد دکن

۱۔ کہ سفر میں علاقہ حیدرآباد کے کئی رباط ہیں جن میں حیدرآبادی حجاج ملا کسی کرایہ کے ٹھہر سکتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک رباط حسین بی صاحب مرحوم ہے۔ میں نے کئی سالوں کے بعد دیگرے دو مکان کرایہ پر لیے تھے مگر کہیں آرام نہ ملا تو کرایہ سے دست بردار ہو کر بالآخر حضرت حسین بی صاحب کی رباط میں مقیم ہوا۔

۲۔ مدینہ منورہ میں بھی ہماری ریاست کے کئی رباط ہیں۔ یہاں بھی میں حضرت حسین بی صاحب مرحوم کے رباط میں فرودش ہوا تھا۔

۳۔ بیت اللہ کے باب الزیادہ سے متصل حرم سے ملحق ایک حجرہ ہے۔ اس کا ایک دروازہ حرم میں کھلتا ہے۔ اس میں سے

کعبہ و حرم سب دکھائی دیتا ہے۔ یہ حجرہ حرم کا جزو سمجھا جاتا ہے اور اس کی نماز مثل حرم کی نماز کے ہوتی ہے۔ یہ مقام نہایت

ٹھنڈا ہے۔ دوپہر کے کئی گھنٹے عموماً میں یہیں گزارا کرتا تھا۔ اس حجرے میں حضرت بندگان مالی کی طرف سے آب زمزم کی

سبیل ہے۔ حملج خصوصاً ظہر و عصر کی نماز کے بعد یہاں آکر سیراب ہوتے ہیں۔ اس سبیل کے دار و دروازہ حاجی حاکم

احمد علیخاں صاحب ہیں۔ میں نے ان کو بہت سی خوبیوں سے متصف پایا۔ سبیل کے اخراجات علاقہ فرخام مبارک

ادا ہوتے ہیں۔ ضرورت اسکی ہے کہ اس سبیل کو ہماری ریاست ابد مدت کی عظمت و شان کے لحاظ سے وسیع پیمانہ پر قائم کیا

جائے۔ امید ہے کہ خدام باگاہ اس بارہ میں حضرت اقدس اعلیٰ کی توجہ مبذول کرائیگی۔



# دیباچہ شکایت

اشھدان لا الہ الا اللہ

(ۛ)

عقل کی بات کوئی سمجھنے کی ہے شاید  
جنتی جتنے ہیں سب ہم سے خفا بیٹھیں

سفر حجاز گزشتہ حج کے متعلق میرے بعض مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں جو زیادہ تر تاریخی واقعات اور میرے شہادت پر مشتمل ہیں۔ ان مضامین میں حکومت نجد کے عدل و انصاف اور امن و امان کا اظہار کر دینا اور خدا و رسول کے پڑوسیوں کی حالت زار دکھا دینا مجھے اسیلے واجب تھا کہ عازمین حج کہیں ان سبے بنیاد افواہوں سے جو حجاز کی بدامنی و غیرہ کی نسبت ملک میں پھیلی ہوئی تھیں متاثر ہو کر سفر حج کا ارادہ فسخ نہ کر دیں۔ اور مسلمان اپنے مقدس شہر دہل کے رہنے والوں سے بچنے نہ لیں۔ اسکے سوانہ تو ان مضمونوں میں وہابیوں کے عقائد کے متعلق میں نے کوئی بات کہی اور نہ شیعہ سنیوں کے خلاف مذہب کوئی حرف زبان سے نکالا۔ پھر بھی اُمت مرہومہ کے بہت سے افراد مجھے وہابیہ خیالات کا اشاعت کرنے والا اور وہابی مذہب کا داعی کہنے لگے۔ میرے لیے وہابی کا لقب اگرچہ بالکل ناموزوں ہے تاہم میں اسکا برا نہیں مانتا۔ مگر میرے وہابی دوستوں کو یہ بات ناگوار گزر رہی ہے کہ مجھ جیسے شخص کو



کے گروہ میں شریک کیا جا رہا ہے۔

میرے دیباچی ثابت کرنے کیلئے یہ چار دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) میں نے ایسے وقت میں جبکہ حجاز پر وہابیوں کی حکومت ہے مسلمانوں کو حج و زیارت کی ترغیب دی۔

(ب) میں نے اپنے مضمونوں میں نہ کہیں نہر مجبھی سلطان ابن سعود پر تبرا ٹپھا۔ نہ اہل نجد کو گالیاں دیں بلکہ نجدی حکومت کے انتظام کی تعریف کی۔

(ج) سلطان ابن سعود نے مجھے خلعت عنایت فرمایا۔

(د) سلطان نے میری اسلامی خدمات پر بذریعہ فرمان اظہار مسرت فرمایا۔

الزام اول کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حجاز پر نجدی حکومت قائم ہے اُس وقت تک

نہ حج واجب ہے نہ زیارت مستحب۔ بیت اللہ و بیت الرسول کو دوسری سے سلام اس کا شافی جواب میرا رسالہ ”مدینے والوں کا ایک پیغام“ ہے۔

امردوم کی نسبت عرض ہے کہ اس فقیر کی عادت رہی ہے کہ اپنی تالیفات میں قطع نظر

اہل اسلام کے غیر مسلم بزرگوں اور پیشواؤں کا ذکر بھی ادب و تعظیم سے کرتا ہے۔ مضامین

شائع شدہ میرے سفر نامے کے اجزا ہیں اور تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں اس سفر نامے کو

سفر نامہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ مناظرہ کی کتاب بنانا نہیں چاہتا۔ اگر میں طریقہ وہابیہ کی تائید

یا تردید میں کچھ لکھتا یا اہل نجد کو برا بھلا کہتا تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی دوسرا فزلق اُسکا

جواب دیتا اور پھر جواب الجواب کی نوبت آتی۔ یہاں تک کہ ادھر سے رد الجواب لکھی جاتی

ادھر سے حد الجواب اور پھر نہ معلوم یہ سلسلہ کہاں جا کر ختم ہوتا۔ علاوہ ازیں کسی کو کافر و ملعون

قرار دینا ان بزرگوں کا منصب ہے جلی شان میں یہ وارد ہوا ہے۔

کافر بنا کر امت کو چھانٹ ڈالا

حالی

اسلام ہے فقیہ و مجتہد بہت تمھارا

میں بے بضاعت نہ اتنی لیاقت رکھتا ہوں نہ اتنی جرأت۔ میں اتحاد اسلامی کا متمنی ہوں

اور مسلمانوں میں اختلافات بڑھانا گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں۔

دین میں رخصت  
نہ ضرور ملے  
تو نہ ملے  
زواہ نورہ  
یہ سارا

ب

امر سوم و چہارم کی حقیقت یہ ہے کہ ۱۳۴۵ھ میں جب میں مکہ معظمہ میں تھا تو ایک مرتبہ جلالتہ الملک نیر مجیشی سلطان ابن سعود کے دربار میں بھی باریاب ہوا تھا۔ سلطان نے میری ان خدمات کا ذکر سنا تھا جو میں نے بذریعہ نظم و نثر و لکچر و تقریر ہندوستان میں انجام دی تھیں۔ نیر میری تالیفات تاریخ حجر اسود۔ برکھاریٹ کے سفرنامہ حجاز کا ترجمہ۔ حجاز کے فرنگی سیاح اور تاریخ غلات کتبہ وغیرہ کی کیفیت اُنکو معلوم ہوئی تھی۔ اسی بنا پر سلطان نے اپنے انڈین سکریٹری مولانا سید اسماعیل غزنوی کے ذریعہ سے طلانی کام کی ایک اونی جب مجھے عنایت فرمائی جو سکریٹری صاحب محمود نے بذریعہ نیم سرکاری میرے پاس پہنچا دی۔ اسکے بعد جب میں حیدرآباد واپس آ گیا تو یہاں سلطان کا فرمان مجھے ملا۔

۱۔ ان خدمات کے ضمن میں دو چیزوں کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ ایک انجمن اصلاح خیالات حیدرآباد۔ دوسری انجمن ہدایت الاسلام دہلی۔ (۱۹۵۶ء میں اس فقیر اور اس کے ہم خیال بعض احباب نے مسلمانوں کے تمدنی اصلاح کی غرض سے بمقام بازار عیسیٰ میاں واقع حیدرآباد دکن "انجمن اصلاح خیالات" قائم کی تھی۔ یہ درویش اس انجمن کا سب سے پہلا پریسیڈنٹ اور ممبر انتظامی تھا بحکمہ تعلیمات نے ہائی اسکول ریزیڈنسی اس کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ہر جمعہ کو اسکے جلسے ہوا کرتے تھے جن میں تقریریں کی جاتی تھیں۔ لکچر دیے جاتے تھے اور مضامین انجمن و نثر پڑھے جاتے تھے یہ گنہگار ان جلسوں میں خاص طور پر حصہ لیتا تھا۔ انجمن مذکور کوئی پانچ سال تک اپنا کام کرتی رہی۔

(۲) انجمن ہدایت الاسلام سنہ ۱۹۵۶ء میں بمقام دہلی داگرہ قائم ہوئی تھی۔ اس کا اہم مقصد تحفظ اسلام اور دیہاتی مسلمانوں کو آریہ ہونے سے روکنا تھا۔ انجمن مذکور کی دعوت پر اس فقیر نے ماہ مئی ۱۹۵۶ء میں اراکین و واعظین انجمن کے ایک وفد کے ساتھ مضافات آگرہ میں دورہ کیا اور بمقام صالح نگر۔ ساندھن و فوج پور بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں دور دور کے دیہاتی جمع ہوئے تھے اُن کو سمجھانے کے خیال سے اس فقیر نے بزبان بھاشا لمبی چوڑی تقریریں کی تھیں۔ نیز آگرہ کے مختلف محلوں میں بھی انجمن کی طرف سے جلسے ہوئے و عطا منعقد ہوئے تھے اُن میں بھی یہ گنہگار اظہار خیالات کرتا رہا۔ اس فقیر کی تقریروں کے اثرات و نتائج کا ذکر اخبار مفید عام آگرہ مبلوۃ ۲۰ جون ۱۹۵۶ء میں کسی قدر تفصیل کیساتھ شائع ہوا ہے۔

۳۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ سلطان کے حکم سے اس کتاب کا ترجمہ عربی میں ہوا ہے۔

(سکرٹری صاحب معز کی نیم سرکاری اور فرمان کی نقول علیحدہ درج کیجاتی ہیں۔  
 سلطان ابن سعود کی قدر شناسی کیساتھ یہاں کے مسلمانوں کی ناقدری بھی قابلِ داد  
 جنھوں نے میری اس خطا پر کہ میں نے عہدِ نجدی میں حج و زیارت کی ترغیب دی مجھکو  
 وہابی سمجھ لیا۔ سبحان اللہ۔

من چہ می گفتم و یاد راں چہ خواہم دادند  
 جرعه آب نہ دادند و شرابم دادند  
 عاشق گنبد خضرا و وہابی ہنہات  
 طرفہ قوی است کہ اس طرفہ مخاطبم دادند  
 منت۔ اس راہزناں را کہ زراہ احساں  
 مال من جہلہ بیرونند و حسابم دادند

ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک چونکہ اس وقت مسائل حجاز میں سب سے  
 زیادہ اہم مسئلہ حجاز ہے کہ مزارات و مقابر کا ہے جن کے قبوں کے انہدام پر یہاں کو  
 بہت سے مسلمان حکومتِ نجد سے بیزار ہو گئے ہیں اور ہر شخص ان مزاروں کے  
 حالات معلوم کرنے کا شائق نظر آتا ہے اس لیے میں نے یہ ضروری سمجھا کہ بغرض انکشاف  
 حقیقت و اظہار واقعات مزارات حرمین کی ایک جامع و مفصل تاریخ مسلمانوں کو  
 سامنے پیش کر دوں۔

۱۔ یہ میری ایک غزل ہے جس کے باقی اشعار یہ ہیں۔

جلوہ کعبہ و دیدار حرم نبوی  
 نعمتے بود کہ در عالم خواہم دادند  
 ساحل بحرِ جہاں را ہم طوفانِ دیم  
 چشم دادند و لے چشمِ جہاںم دادند  
 بسکہ بگریم ختم از صحبت و اعظمِ شہیر  
 سبق و عظم ہم از چنگِ رہا ہم دادند



اس تالیف میں اگرچہ واقعات و روایات کو تفصیل کے ساتھ عرض کر دیا ہے مگر ایک کھڑکائی وہ یہ کہ میں نے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی کہ وہابی پختہ تجربوں کو کیوں ناپسند کرتے ہیں اور قبول کو منہدم کرنے سے ان کی کیا غرض ہے۔ جو صاحب اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ کسی وہابی سے دریافت کر لیں یا اپنے پیر و مرشد و قبلہ و کبیر سے۔

میں نے عرض کر دیتا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس کتاب میں گو طر فدار می و تعصب سے مطلق کام نہیں لیا ہے اور اس تالیف سے میرا مقصد کسی کی دلجوئی یا دل شکنی ہرگز نہیں ہے تاہم مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ناراض دوست اس کے مطالعہ کے وقت بھی

۱۵۔ میں نے اس مضمون کو زیر عنوان ”ماخذ تالیف“ آئندہ صفحات میں درج کیا ہے اور ماخذات کی فہرست میں نام مولف و سنہ تالیف اور بعض جگہ مقام طبع و نام مطبع بھی درج کیا ہے۔ اسکے متعلق اگر ناظرین کوئی امر معلوم کرنا چاہیں تو براہ کرم کتاب مطبوعہ کے سنہ طبع و مقام طبع کو بھی ملحوظ رکھیں۔

ح

قیافہ شناسی کے حسب ذیل اصول کو ضرور ملحوظ رکھیں گے۔

صوفی ہوٹل میں اگر جائے شرابی سمجھو  
گوشت کا نام لے بنیا تو کیا بی سمجھو

جن کی الماری میں رکھی ہوئی دیکھو انجیل  
اُن مسلمانوں کو کفارِ کتابی سمجھو

عہدِ نجدی میں جو دی جج و زیارت کی صلاح  
پیرزادہ بھی اگر ہے تو وہابی سمجھو (شبیر)

پیرزادہ آج ہے ہر دین سے (ازلیقہ ۳۲۶)  
مگر وہاں ضرور ہیں فقیر الی اللہ

علی شبیر

سررشتہ دار انتظامی  
ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

۱۴۹۶ھ

ط

عطاءے عبا کے متعلق مجبڑی سلطان ابن سعود کے مقہر خاص  
عالیجناب حاجی مولوی سید اسماعیل صاحب غزنوی مدرسہ کی نیکاری

مولوگرام  
بخط عربی و انگریزی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم محترم جناب حاجی مولوی علی شبیر صاحب بالقابہ  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جلالتہ الملک عبدالعزیز آل سعود ملک الحجاز والنجد و طحا تہانے  
آپ کیلئے ایک عربی چٹہ جو ان کے اپنے ملک کا بنا ہوا ہے عنایت فرمایا ہے  
کہ ان کی طرف سے آپ کے پاس بطور برادرانہ تعلقات کے یادگار رہے۔  
میں اسکو پیش کر نیکا فخر حاصل کرتا ہوں۔ ان کا دستخطی عنایت نامہ دوسری  
ڈاک میں انشاء اللہ آپ کو پہنچ جائیگا۔

آپ کا

اسماعیل غزنوی کان اللہ  
محرم الحرام ۱۳۴۶ھ ہجری



سی

نہر مجبئی جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز ابن عبدالرحمن آل فیصل  
ابن سعود بادشاہ حجاز کا فرمان اس فقیر کے نام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ وَارْتَقٰی

عدد (۶۰۶) فی ۱۲۲ھ

مِنْ عَبْدُ الْعَزِیزِ اِبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلْفِیصل  
اِلٰی حَضْرَتِ جَنَابِ الْاَجَلِ الْمُحْتَرَمِ الشَّیخِ عَلٰی شَیْرِ  
سَرِیْسْتَه دار انتظامی عدالت عالیہ حیدرآباد دکن شہیر حفظہ اللہ  
بَعْدَ السَّلَامِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتِہُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتِہُ۔ ثُمَّ الدَّاعِی  
لِتَحْرِیْرَہٗ۔ قَدْ بَلَّغْنَا نَصْرَکُمْ لِلْحَقِّ وَرَغَبْتُمْ فِی صَلَاحِ الْمُسْلِمِیْنَ  
وَاعْلَآءِ کَلِمَةِ الدِّیْنِ وَسَرَرْنَا مِنْ ذٰلِکَ غَایَۃً

وَنَرْجُو اللَّهَ أَنْ يُوفِّقَنَا وَإِيَّاكُمْ لِمَا فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا سَلَامٌ  
وَالْمُسْلِمِينَ وَيَنْصُرَ دِينَهُ وَكِتَابَهُ وَلِعَلِّي كَلِمَتُهُ  
وَيَجْعَلَنَا وَإِيَّاكُمْ مِنْ الْأَنْصَارِ. وَعَنْ أَخْبَارِ طَرَفِنَا فِيهِ  
مِنْ فَضْلِ اللَّهِ سَالِكِيهِ وَلَمْ أَحِدٌ مَا يَجِبُ الذِّكْرُ إِلَّا  
كَرَامَ الْخَيْرِ وَالْعَافِيَةِ. هَذَا مَا لَزِمَ بَيَانَهُ  
وَاللَّهُ يَحْفَظُكُمْ وَالسَّلَامُ.

٢٢ ربيع (١) سنة ١٣٢٦

مهر سلطان ابن سمیع

مُحَاقَّ خَيْرٍ وَسُرُورٍ أَنْشَاءَ اللَّهُ  
ثُمَّ حَسِبَ دَاعِيَ الْوَدَادِ وَعَقْدِ سِرِّ الْإِطِّ وَحُسْنِ الذِّكْرِ  
يَصِلُكُمْ مَعَ الشَّيْخِ إِبْرَاهِيمَ الْغَزَلَوِيِّ لِيُشَتَّ مِنْ الْمَلْبُوسِ  
الْعَزَنِيِّ الْجَيِّدِ. أَنْشَاءَ اللَّهُ مَلْبُوسُ الْعَافِيَةِ.

ل

# ترجمہ فرمان شہزادی سلطان عبدالعزیز ابن عبدالرحمن آل فیصل ابن سعود بادشاہ حجاز و نجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المملکۃ النجاشیۃ والنجد طحقاتہا

عدد (۶۰۶) سلسلہ

منجانب عبدالعزیز ابن عبدالرحمن آل فیصل  
بخدمت جناب شیخ بزرگ و محترم علی شہیر  
سررشتہ دار انتظامی عدالت عالیہ حیدرآباد دکن شہیر  
اللہ تعالیٰ آپکو اپنی حفاظت میں رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ باعث تحریر ہذا یہ کہ ہر کوئی معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ آپکو  
حق کی تائید مسلمانوں کی بھلائی اور کلمہ دین کے بلند کرنے کا بڑا خیال ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو اور ہر کوئی ایسے  
کاموں کی توفیق عطا فرمائے گا جن میں اسلام کی فلاح اور مسلمانوں کی بہتری ہو۔ اللہ اپنی دین اور کتاب کی مدد فرما  
اپنے کلمے کو بلند کرے اور آپ اور ہر کوئی اپنے دین کی نصرت کرنے والوں میں شامل فرمائے۔

بفضلہ تعالیٰ ہم خیریت میں ہیں۔ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو آفتوں سے محفوظ رکھے۔  
خیر و خوبی آپ کے شامل حال ہو۔

مہر سلطان  
بطور یادگار محبت و رابطہ اتحاد و ذکر غیر ایک عہدہ عباسی عربی بذریعہ شیخ اسماعیل غزنوی آپ کے  
پاس پہنچائی گی جو انشاء اللہ آپ کی واسطے لباسِ عافیت ہوگی۔

سلسلہ۔ موروثہ سلطان حجاز چونکہ امیر سعود کے فرزند فیصل کی اولاد میں ہیں سو جو سواں آل فیصل کہتے ہیں اور سعود کی نسبت وہ ابن سعود یا آل سعود کہلاتے ہیں۔

# ماخذ تالیف

(۵۰)

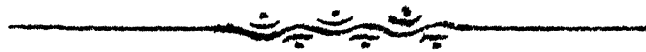
کتاب مزارات حرمین کی تالیف میں اگرچہ مجھے سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی لیکن یہاں چند کتابوں کے نام جن سے بطور خاص مدد لگی یا جن کا اس تالیف میں کچھ حوالہ دیا گیا ہے تحریر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنے مکرم دوست حاجی مولوی عبدالمحیط خاں صاحب منشی فاضل مددگار مہتمم کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے بعض نایاب کتابوں کے دیکھنے کا مجھے موقع مل گیا

## (الف) وہ کتابیں جن سے تالیف میں خاص مدد لی گئی

- (۱) اخبار مکہ للآثرقی - عزلی - تالیف ابی الولید محمد بن عبد اللہ الاندلسی مطبوعہ لہنرک واقع جرمنی ۱۸۵۸ء - یہ کتاب تواریخ مکہ معظمہ میں سب سے زیادہ قدیم ہے - گو صحیح طور پر اس کا سن تالیف معلوم نہیں ہوتا مگر غالباً یہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں تالیف ہوئی ہے۔
- (۲) خلاصہ شفاء الغرام باخبار بلد الحرام - عزلی - مؤلفہ تقی الدین محمد بن احمد الفاسی تالیف ۱۲۹۹ھ ہجری مطبوعہ لہنرک واقع جرمنی ۱۸۵۸ء۔
- (۳) خلاصہ تاریخ مکہ - عزلی - مؤلفہ ابی عبد اللہ محمد بن اسحاق الفاکہی تالیف ۱۲۹۹ھ ہجری مطبوعہ لہنرک جرمنی ۱۸۵۹ء۔
- (۴) الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام - عزلی - مؤلفہ قطب الدین مکی تالیف ۱۲۹۵ھ ہجری مطبوعہ مطبع عامرۃ العثمانیہ قاہرہ۔
- (۵) جامع اللطیف فی فضل مکہ واہلہا وبنائ البیت الشریف - عزلی - مؤلفہ جمال الدین محمد جبار اللہ بن محمد نور الدین ابن ظہیرہ - تالیف ۱۲۹۹ھ ہجری مطبوعہ ۱۲۹۹ھ



- مطبع دارالخيار الكتب مصر۔
- (۶) وفاء الوفا باخبار دارالمصطفى۔ عربی۔ مؤلفہ سید نور الدین علی سمہودی تالیف ۱۸۸۸ء ہجری  
مطبوعہ مطبع الاداب والموید مصر۔ تواریخ مدینہ منورہ میں یہ کتاب سب سے زیادہ مستند و  
اورد و ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
- (۷) خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفى۔ عربی۔ تالیف سید سمہودی۔ مطبوعہ مطبع المیرۃ الکائنہ  
مکہ۔ یہ کتاب وفاء الوفا کا خلاصہ ہے جو بجا اصلاح و ترمیم و اضافہ سید موصوف نے ۱۲۹۳ھ  
میں مرتب کیا۔ اس کا حجم بھی کوئی پانسو صفحے ہے۔
- (۸) جذب القلوب الی دیار المحبوب۔ فارسی۔ مؤلفہ مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی  
تالیف ۱۲۸۸ء ہجری
- (۹) نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین۔ عربی۔ مؤلفہ سید جعفر ابن سید اسماعیل  
المصری البرزنجی مفتی شافعیہ مدنیہ۔ مرتبہ ۱۲۸۷ھ و مرتبہ ۱۲۹۲ھ مطبوعہ مطبعہ جمالہ مصر۔
- (۱۰) احیاء العلوم۔ عربی۔ مؤلفہ ایام محمد غزالی۔ تالیف ۱۲۸۷ھ مطبوعہ مصر۔ یہ اخلاق کی کتاب  
ہے جس میں ایک باب مدینہ منورہ کی زیارت کے متعلق ہے۔
- (۱۱) سفرنامہ محمد ابن جیسر اندلسی۔ عربی۔ تالیف ۱۲۵۸ھ مطبوعہ گولکن واقع جرنی ۱۸۵۸ء
- (۱۲) سفرنامہ برکھارٹ۔ انگریزی۔ تالیف ۱۸۱۴ء۔ یورپ کے مشہور سیاح عرب براہیم  
ابن عبد اللہ عرف برکھارٹ کا سفرنامہ حجاز۔ اس کا ترجمہ اردو میں اس فقیر نے کیا ہے۔  
جس کی ایک جلد حیدرآباد کے مطبع تاج پریس میں شائع ہوئی ہے۔
- (۱۳) سفرنامہ برٹن۔ انگریزی۔ تالیف ۱۸۵۳ء۔ انگلستان کے مشہور سیاح کپتان برٹن کا  
سفرنامہ حجاز جو دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- (۱۴) السکینہ باخبار مدینہ۔ مؤلفہ مولوی صبغۃ اللہ صاحب مترجم عدالت خفیہ مدراس  
تالیف ۱۳۲۹ھ۔



## (ب) وہ کتابیں جنکا اس تالیف میں کہیں کہیں حوالہ دیا گیا ہے

(۱) مرآة الحرمين - عربی - تالیف ۱۳۲۵ھ مطبوعہ دارالکتب مصریہ قاہرہ - یہ کتاب جنرل ابراہیم رفعت پاشا مصری کا سفرنامہ ہے جو دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

(۲) سفرنامہ بن بطوطہ - تالیف ۱۳۲۶ھ - (عربی - اردو)

(۳) صبح الاغشی فی فن النشا - عربی - مطبوعہ مصر - تالیف ۱۳۱۲ھ - مولفہ ابی العباس

احمد القلقشنندی - یہ کتاب (۱۴) ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے - اسکی جلد چارم میں مدینہ منورہ کے کچھ حالات درج ہیں۔

(۴) روزنامہ سیاحت - آرنیل خواجہ غلام الثقلین مرحوم تالیف ۱۳۲۹ھ - اس میں مدینہ منورہ کے حالات بھی ہیں۔

(۵) سفر حرمین - اردو - خان بہادہ حاجی عبدالرحیم صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمنٹرنگو کا سفرنامہ - تالیف ۱۳۲۹ھ۔

(۶) رفیق الحجاج - اردو - سفرنامہ ڈاکٹر نور حسین صاحب صاحب تالیف ۱۳۲۵ھ۔

(۷) وکیل الغربا - اردو - سفرنامہ جج سید وزیر حسین صاحب راجی بریلی تالیف ۱۳۰۲ھ۔

(۸) کلید باب الحج - مولفہ حاجی سید انور علی تالیف ۱۳۸۱ھ۔

(۹) سیاحت حرمین - اردو - سفرنامہ حاجی دلدار علی صاحب وکیل حیدرآبادی تالیف ۱۳۱۰ھ ہجری۔

(۱۰) سفرنامہ حجاز - مرزا عرفان علی بیگ صاحب ڈپٹی کلکٹر بستی تالیف ۱۳۱۱ھ۔

(۱۱) مرآة العرب - اردو - سفرنامہ نادر علی صاحب وکیل میرٹھ تالیف ۱۳۱۲ھ۔

(۱۲) الہاد الی السبیل الرشاد - سفرنامہ جج قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری

تالیف ۱۳۲۲ھ۔

(۱۳) صراط الحمید - سفرنامہ الحاج مولوی محمد الیاس صاحب برنی - ایم اے پروفیسر

- جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔  
 (۱۴) مقصود المؤمنین فی بیان فضائل بلد الامین۔ مؤلفہ محمد اکرام الدین صاحب  
 تالیف ۱۳۱۲ھ۔  
 (۱۵) سفرنامہ حمزین۔ مؤلفہ مولوی محی الدین حسین صاحب ساکن دیلور تالیف ۱۳۲۲ھ۔  
 (۱۶) مروج الذهب۔ عربی۔ مطبوعہ مصر مؤلفہ علی بن حسین سعودی تالیف ۱۳۲۶ھ۔  
 (۱۷) مسئلہ حجاز۔ یعنی رپورٹ وفد خلافت کمیٹی ۱۹۲۶ء مرتبہ مولوی محمد علی صاحب مولوی  
 شوکت علی صاحب و مسٹر شعیب وغیرہ۔  
 (۱۸) حیات القلوب۔ فارسی۔ حالات حضور سرور عالم مؤلفہ ملا باقر صاحب مجلسی۔  
 (۱۹) تاریخ ابن خلکان۔  
 (۲۰) تاریخ ابوالفدا۔  
 (۲۱) تاریخ ابن خلدون۔  
 (۲۲) تاریخ ابن اثیر۔  
 (۲۳) تاریخ الخلفاء۔ مؤلفہ جلال الدین سیوطی۔  
 (۲۴) کریڈل آف اسلام۔ (گہوارہ اسلام) مؤلفہ پادری زید میر صاحب تالیف ۱۳۹۸ھ۔  
 (۲۵) نسخ التواریخ۔

# مزاراتِ حرمین

## بابِ اَوَّل

(\*)

مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان

فَضِّلُ اَوَّل

جَنَّتِ مُعَلّٰی

(۱) مُعَلّٰی کی اجمالی حالت

مُعَلّٰی کے معنی بلند کے ہیں۔ شہرِ مکہ معظمہ کا وہ حصہ جو بیت اللہ سے شمال کی طرف واقع ہے اور جس میں بیت اللہ سے لگا کر کوئی پون کوس تک بتدریج چڑھاؤ ہوتا چلا گیا ہے۔ اگلے



زمانہ میں اس سب کو معلیٰ کہتے تھے۔ ازرقی نے معلیٰ کے جو حدود بیان کیے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ اس سطح مرتفع کی حد مشرق میں جبل ابوقبیس تک اور جنوب میں جبل قیقان تک چلی گئی ہے اور ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں جس قدر علاقہ ہے وہ سب معلیٰ میں داخل ہے۔ اس کے برعکس مکہ معظمہ کا نشیبی حصہ مسفلہ کہلاتا ہے۔ (اخبار مکہ عربی مطبوعہ جرمنی ص ۴۷)

حج کے بعد جب طوائف زیارت کے لیے میں منی سے گدھے پر مکہ معظمہ آیا تو میں نے اچھی طرح محسوس کیا کہ میرا گدھا تھوڑی دور تک معمولی چال سے چلتا رہا لیکن جنت المعلیٰ کے

سلسلہ۔ ابوقبیس مکہ معظمہ کے جنوب میں شہر کے اندر ایک پہاڑ ہے۔ بیت اللہ کے بابِ مفاہے نکل کر ٹکڑے عبور کرتے ہی اس کی چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ بیت اللہ سے چوٹی تک کوئی ایک میل ہو گا۔ چڑھنے کا راستہ صاف نہیں ہے۔ اچھلتے کودتے اوپر بیٹھتے ہیں۔ تاہم اس پہاڑ پر آبادی ہے۔ جا بجا مکان بنے ہوئے ہیں اور گھوڑے اونٹ وغیرہ بھی یہاں آہی جاتے ہیں۔ چائے اور پانی وغیرہ کی مختصر دکانیں بھی دو تین ہیں بعض بڑے بڑے مکانات بھی یہاں دیکھنے میں آئے۔ چنانچہ افزلیہ کے مشہور شیخ سنوسی جو ۱۳۲۵ھ میں حج کو آئے تھے وہ اسی پہاڑ پر ایک مکان میں اپنے ہمراہیوں سمیت مقیم تھے۔ میں نے بھی ان سے ملاقات کی تھی۔ جس کمرے میں وہ مجھ سے ملے بیت وسیع تھا۔ رئیس الشیبین حضرت شیخ عبدالکریم سے بھی میری پہلی ملاقات اسی پہاڑ پر ہوئی تھی ان کا مکان بھی اچھا خاصہ تھا۔ ابوقبیس پر ایک مسجد بھی ہے جس میں کئی سو آدمی نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ بعض تاملاری حاجوں کو میں نے دیکھا کہ وہ یہاں پتھروں میں جا بجا ٹھہر گئے تھے۔ اس پہاڑ سے شہر اور بیت اللہ کا منظر نہایت دلکش معلوم ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ کی چھت بھی یہاں سے پوری نظر آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ معجزہ شفق القمر اسی پہاڑ پر ہوا تھا جس کی یادگار میں یہاں ایک قبة بنا ہوا تھا جو اہل نجد نے توڑ دیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس پہاڑ پر بہت سے نبیوں کی قبریں ہیں۔

سلسلہ۔ بیت اللہ سے جنت المعلیٰ کو جاتے وقت جو پہاڑی سلسلہ بائیں جانب نظر آتا ہے اُسے جبل قیقان کہتے ہیں۔ یہ کچھ زیادہ بلند نہیں ہے آبادی اس میں بھی بکثرت ہے۔ محلہ معلیٰ اور حجون اسی میں واقع ہے۔

سلسلہ۔ کعبے کے گرد پھرنے کو طواف کہتے ہیں۔ ہر طواف میں سات پلکے کئے جاتے ہیں۔ ہر پلکے کی دعا علیحدہ ہے۔ طواف کی پانچ قسمیں ہیں۔ مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے بعد جو طواف کیا جاتا ہے اُسے (بقیہ مضمون بر صفحہ ۴)

قریب پہنچ کر کچھ اپنے اڈے پر پہنچنے کی خوشی میں اور کچھ آثار کی وجہ سے بگڑٹ دوڑنے لگا۔  
مکہ معظمہ کا مشہور قبرستان جنت المعلیٰ اسی بلند حصے میں واقع ہے اور اب معلیٰ کا لفظ  
مخصوص اسی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی سبب سے یہاں کی آبادی کو بھی محلہ معلیٰ  
کہنے لگے ہیں۔ قبرستان معلیٰ بیت اللہ سے کوئی ڈیڑھ میل ہے۔ پیدل چلیں تو آدھ گھنٹے میں  
پہنچ جاتے ہیں۔ حرم سے معلیٰ تک مسلسل آبادی چلی گئی ہے اور سڑک کے دونوں طرف  
دکانات و مکانات ہیں۔ جنت المعلیٰ کی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

(بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گزشتہ)

طواف القدوم کہتے ہیں۔ دوسرا طواف الزیارت ہے۔ حاجی عرفات سے واپس ہو کر منیٰ میں دس گیارہ بار  
ذیکر تہی دن قیام کرتے ہیں ان تاریخوں میں سے کسی دن منیٰ سے مکہ آکر یہ طواف کیا جاتا ہے۔ دس ذیکر کو  
افضل ہے۔ تیسرا طواف تکمیل مناسک عمرہ کے لئے کیا جاتا ہے اسے طواف عمرہ کہتے ہیں۔ چوتھا طواف نفل ہے  
جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب چاہیں اور جتنی بار چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسروں کی طرف سے  
بھی یہ طواف کر دیا جاتا ہے۔ پانچواں طواف وداع ہے جو مکہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے اس کا  
نام طواف صدر بھی ہے۔

سکھ۔ منیٰ مکہ معظمہ سے ڈیڑھ کوس ہے۔ پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے۔ یہاں ایک گلی میں دورویہ کچھ مکان  
دو منزلہ بنے ہوئے ہیں جو صرف زمانہ حج میں آباد ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کی ضروری اشیاء کا بازار لگ جاتا  
ہے۔ عرفات جاتے وقت آٹھویں ذیکر کو ایک رات منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے اس کے بعد عرفات سے واپس  
ہو کر تین دن ٹھہرتے ہیں قربانی۔ رمی الجمرات (شیاطین پر کنکریاں مارنا) اور حجامت وغیرہ مناسک یہاں ادا  
کیے جاتے ہیں۔

لہ۔ حجاز کے گدھے بہت خوبصورت ہوتے ہیں اور ایسے سدھے ہوئے کہ ان کے ساتھ مالک کے رہنے کی  
ضرورت نہیں ہوتی۔ گدھے والا کرایہ پہلے لیکر سواری کو ٹھکاندینا ہے اور ایک قبی مار کر گدھے کو بڑھا دیتا ہے۔  
گدھا آگے کی منزل پر یا اپنے آٹھے پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے۔ گدھے والے کی عہدیت یا کوئی اور شخص سواری سے کہہ دیتا ہے اب  
یہاں سے پیدل چلے جاؤ۔ نئے میں شب بنی عامر کے پاس گدھوں کا اڈا ہے منیٰ کے سواریہ ہیں اترتے ہیں۔ حجاز میں  
پرزین بہت اچھا کس دیا جاتا ہے مگر نہ لگام ہوتی ہے اور نہ رکاب۔ صرف ایک رسی گردن میں (بقیہ مضمون صفحہ ۴)

یہاں سے  
اکر باہر سرحدوں  
اور مکہ و مدینہ  
سیدہ زکریا

۱۴۶ھ

سب مقبروں میں اچھا مقبرہ اہل مکہ کا ہے اس میں جو دفن ہوا اُس کو نجات ملی۔

(اجتہاد مکہ والا اعلام باعلام بیت السدا احرام)

مقبرہ معلیٰ زمانہ جاہلیت سے اس وقت تک اہل مکہ کا قبرستان چلا آ رہا ہے۔ اس کی لمبائی کوئی پانسو گز۔ چوڑائی دو سو گز اور دور کوئی ایک میل ہے۔ زمانہ قدیم میں اس کے کئی حصے تھے جن کے نام یہاں کی وادیوں۔ کوہستانی نشیب و فراز اور دوسری خصوصیات کی وجہ سے جدا جدا تھے اور شعب بنی ہاشم۔ شعب ابی ذب۔ شعب اصفیٰ ثنینہ الاذخر و حایط غرمان وغیرہ کے نام سے موسوم تھے، ان مقامات پر مختلف خاندانوں کی ہڑواریں تھیں۔

جنت المعلیٰ کا قدیمی نام صرف معلیٰ یا مقبرہ معلیٰ ہے۔ مورخین مکہ اسی نام سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ابن جریر و ابن بطوطہ نے اس کو جبانہ معلیٰ لکھا ہے۔ جبانہ کے معنی میدان یا جنگل کے ہیں

(بقیہ مضمون ماشیہ ص ۲)

بندھی ہوتی ہے۔ سوار اُسے پکڑ لیتا ہے اور جب موڑنا چاہتا ہے تو گدھے کی گردن پر آہستہ سے ٹمچی مارتا ہے۔ معلیٰ سے تھوڑی دور ادھر شریعت مکہ کا ایک عالیشان محل ہے جو اب سلطان ابن سعود کے قبضے میں ہے رات کو اس میں برقی روشنی ہوتی ہے اور لوگوں کے بھی بڑے بڑے مکان یہاں ہیں۔ معلیٰ سے متصل ایک بہت بڑا چائے خانہ ہے جس کے وسیع میدان میں مسافروں کے آرام کے لئے سینکڑوں چارپائیاں پڑی رہتی ہیں۔ گرمی کے دنوں میں رات کے وقت یہ مقام ایک نعمت ہے۔ آدھ آنہ کی پانی کی صراحی یا ددانے کی چائے لے کر چارپائی پر یہاں گھنٹوں بیٹھ سکتے ہیں۔ آٹھ آنے میں ایک چارپائی سونے کے لئے اور دو صراحی پانی وغیرہ وغیرہ کے لئے مل جاتا ہے۔ موسم گرما میں جو حاجی بند مکانوں کی برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ اس چاد خانے کو اپنا ٹھکانا بنالیں۔

۱۔ معلیٰ کا وہ حصہ جہاں کفار قریش کے مظالم سے تنگ آکر آنحضرت اور بنی ہاشم کچھ دنوں کے لئے جا رہے تھے۔ ۲۔ ابی ذب قبیلہ بنی سوات کا کوئی شخص یہاں رہتا تھا۔ جنگ صفین کے مشہور حکم ابو موسیٰ اشعری نے بھی زندوں سے بنیرا ہو کر مُردوں کے پڑوس میں یہاں مکان بنا لیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ اب میں ایسی قوم کے پاس آ رہا ہوں جو میرے فیصلہ پر ناراض نہ ہوگی۔ ۳۔ ثنینہ ٹیلے کو کہتے ہیں۔ اذخر و شبودار گھاس۔ اذخر اس کی جمع ہے۔ ۴۔ حایط غرمان۔ کھجور کے درختوں کی باڑ ۵

مراد اس سے گورستان لی جاتی ہے۔ زمانہ حال کے بعض مصری سیاحوں نے بھی جباؤ معلیٰ کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اہل ہند اس کو جنت المعلیٰ کہتے ہیں اور یہ لقب غالباً چودھویں صدی ہجری کی ایجاد معلوم ہوتا ہے۔ عام اہل مکہ اسے ”جنت المالا“ کہتے ہیں۔ میں نے بعض پڑھے لکھوں کو بھی یہی کہتے سنا اور جب اُن سے کہا کہ اس کا صحیح نام جنت المعلیٰ ہے تو جواب دیا کہ وہ کوئی دوسرا قبرستان ہو گا یہ تو جنت المالا ہی ہے۔

معلیٰ کے مدفونین میں بہت سے صحابہ و تابعین و متبع تابعین و علما و صلحا وغیرہ ہیں مگر ان کے مزارات یا تو بالکل ہی لاپتہ ہیں یا بجز معدودے چند کے سب شتبہ۔

۳۲۳ھ تک جنت المعلیٰ میں صرف چار پانچ قبے تھے جو حضرت عبدالمنان و حضرت عبدالطلب و حضرت ابی طالب و حضرت آمنہ و حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مزاروں پر بنے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت قاسم ابن رسول و حضرت تحافہ والد حضرت ابو بکر و حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر و حضرت اسمانہ ابوبکر و حضرت عبداللہ ابن زبیر و حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہم کی قبریں ہیں جو مدت سے زیارت گاہ چلی آرہی ہیں اور ہر حاجی ان کی زیارت کرتا ہے۔

معلیٰ میں بعض امرا اور متول اشخاص کی قبریں بھی ہیں جن کے گرد لکڑی کے کٹھر۔ یا پختہ چار دیواریاں کھچی ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ میں عموماً مستطیل شکل کی قبریں بناتے ہیں جن میں پتھر کی دو بڑی سلیں لمبائی میں اور دو چھوٹی سرھانے پائینتی جمادیتے ہیں اور ایک چھوٹا سا پتھر سرھانے کھڑا کر دیتے ہیں۔ قبروں کی اونچائی تقریباً ایک بالشت ہوتی ہے۔ بعض ترکوں اور مصریوں کی بلند و بالا پختہ قبریں دوسری وضع کی بھی ہوتی ہیں۔ کتبے کا ردواج کم ہے۔

بتاریخ ۱۲۱۰ھ محرم ۱۲۱۰ھ مطابق مئی ۱۸۰۳ء جب مکہ پر پہلی مرتبہ دہائیوں کا قبضہ بکسر دگی اس عہد

۱۔ وہابی مذہب کے بانی محمد ابن عبدالوہاب نجد میں بمقام عینہ ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے انھوں نے مذہبی تعلیم جنبلی طریق پر اپنے باپ سے پائی اس کے بعد حج کو گئے اور مدینہ منورہ میں حدیث کی تکمیل کی۔ وہ تعلیم قبور اور اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنے کو شرک و تبرہ پستی و پیر پرستی سے تعبیر کرتے تھے اس نے علاوہ اور بھی بعض باتیں مسلمانوں میں اُن کو ایسی نظر آئیں جن کو وہ خلاف شرع سمجھتے تھے۔ شیخ نے ان رسوم کا قلع قمع کرنا چاہا۔ اُن کے اہل وطن اُن کے دشمن ہو گئے آخر بڑی جدوجہد کے بعد محمد بن سعود امیر نجد ان کا مقصد ہو گیا (تغیر نہ)۔



ابن عبد العزیز امیر نجد ہوا تو یہاں کی قبروں کے گنبد اور اونچی اونچی قبریں منہدم کر دی گئیں۔

(بقیہ مضمون صفحہ گزشتہ)۔ اور ۱۱۵۰ھ میں امیر نجد نے کتاب و سنت کی تلقین کے لئے اطراف و اکناف عرب میں اس مذہب کے داعی روانہ کئے۔ بعض جگہ اُن کی دعوت قبول کی گئی اور بعض مقامات پر خصوصاً حجاز میں اُن کی تحفیر کے فتوے دیے گئے اور عبد الوہاب کی مناسبت سے محمد بن عبد الوہاب کے پیروں کو دہائی مشہور کیا گیا جب ان لوگوں کو مخالفین طرح طرح کی ایذاؤں دینے لگے اور ان کے لئے حج کا داخلہ بھی ممنوع قرار دیا تو ۱۱۵۹ھ میں شیخ نے اپنے مقتدرین کو حکم دیا کہ

”جو لوگ افعال جاہلیت سے باز نہ آئیں اعلیٰ کلمۃ الحق میں رکاوٹ پیدا کریں اور اہل حق کو ایذا پہنچائیں تو ان سے مقابلہ و مقاتلہ کرو۔“

اس فتوے کے ساتھ ہی محمد بن مسعود امیر نجد نے جنگ شروع کر دی۔ بالآخر عرب کے مختلف علاقوں احسا، عمان، تہامہ، عسیر وغیرہ پر اُس کا تسلط ہو گیا۔ اور اُس کے عقیدے کے مطابق خالص توحید رائج ہو گئی۔ ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ میں محمد بن عبد الوہاب کا انتقال بمقام درعیہ (۹۲ برس کی عمر میں) ہو گیا اور انھوں نے چار لڑکے اور کئی پوتے اپنی یادگار چھوڑے۔ محمد بن عبد الوہاب کی تصنیفات میں کتاب التوحید بہت مشہور کتاب ہے۔

محمد بن مسعود نے لڑھکھڑا کر اُس پاس کے قبائل کو زیر کیا۔ ۱۱۹۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا عبد العزیز اول اس کا جانشین ہوا اُس نے بحرین وغیرہ پر قبضہ کیا اور اُس کے لڑکے مسعود نے ۱۲۱۶ھ کو کربلا فتح کر کے امام حسین علیہ السلام کے روضے کا گنبد ڈھایا۔ ۱۲۱۷ھ میں طائف فتح کیا۔ ۱۲۱۸ھ کو مکہ فتح کر کے یہاں کے مزارات کے قبے منہدم کر دیے۔ ۱۲۱۹ھ میں مدینہ پر قبضہ کیا اور جنت البقیع کے قبے مسمار کر دیے۔ ۱۲۲۱ھ میں مسعود نے محل مصری کو جلا دیا اور اس کے بعد کئی سال تک مصر سے خلافت کعبہ نہ آسکا سلطنت ترکی اُس وقت فرنگیوں کے زرخ میں گھری ہوئی تھی۔ اس طرف متوجہ نہ ہو سکی۔ آخر ۱۲۲۶ھ میں دہلیوں کے خلافت ہم بھینجے کی تیاری کی گئی اور محمد علی پاشا نے جو اُس وقت باغیالی کی طرف سے مصر کا والی تھا۔ ۱۲۲۷ھ میں اپنے فرزند طوسون پاشا کی ماتحتی میں بری و بحری دونوں روناہ کیں۔ اس کے بعد ۱۲۲۸ھ میں خود محمد علی پاشا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ مختلف لڑائیوں میں بڑے بڑے معرکے ہوئے جس میں کبھی دہلیوں کو اور کبھی ترکوں کو فتح حاصل ہوئی۔ پہنچ ۱۲۲۸ھ میں مسعود کا انتقال ہو گیا اور اُس کا لڑکا عبد اللہ جانشین ہوا (بقیہ برص)

چودہ پندرہ برس بعد ترکوں نے حجاز پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا اور حسب حکم سلطان محمود خاں تقریباً ۱۲۲۲ء میں محمد علی پاشا والی مصر نے سمار شدہ قبوں کو حسب سابق از سر نو تعمیر کرائے (بقیہ مضمون صفحہ گزشتہ)

آخر محمد علی پاشا کے فریب و فیاضی نے عربوں کو اپنی طرف ملا لیا۔ عبداللہ قید کر کے قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ وہاں اُس کو پچاسی دی گئی اور اب وہابیوں کی قوت میں زوال آگیا یہاں تک کہ ۱۲۳۲ء میں ترکوں نے حجاز پر کامل تسلط حاصل کر لیا۔ اس کے بعد پاشا مصر چلا گیا اور اپنے بڑے لڑکے ابراہیم پاشا کو حجاز روانہ کیا کہ وہ وہابیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ یہ فتح کرتا ہوا وہابیوں کے پایۂ تخت درعیہ تک پہنچ گیا اور اس خوشنما شہر کو دھاکر ٹی کا دھیر کر دیا۔ عبداللہ ابن سود کو قید کر کے قاہرہ بھیجا وہاں سے اس کو قسطنطنیہ روانہ کیا گیا اور پچاسی دی گئی ابراہیم پاشا ابوجیکہ مسلح کے بعد وزیر میں داخل ہوا تھا۔ پھر بھی جبر و ظلم میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ وہابی علماء کے اُس نے دانت تک اکھڑا دیے۔ اس ضرب سے وہابی سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ صرف علاقہ نجد میں اُن کی برائے نام حکومت رہ گئی اور سمولی رئیس کے بعد دیگرے وہاں حکمراں ہوتے رہے۔ سو برس کے بعد زمانہ نے پھر پلٹا کھایا۔ یورپ کی جنگ عظیم کے بعد امیر نجد سلطان عبدالعزیز ثانی ابن عبدالرحمن آل سعود نے جو ابن سود کے نام سے مشہور ہیں اپنی بے مثل تدبیر و شجاعت سے تمام نجد پر تسلط حاصل کر لیا اور کافی قوت بہم پہنچا کر شریف مکہ حسین کو جس نے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ۱۲۴۲ء میں مختلف مقامات پر شکست دے کر حجاز سے بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ انھوں نے بھی حسب عادت قدیم مکہ و مدینہ کے مزاروں کے گنبد دھادیے ہیں۔ ہندوستان میں بھی بہت سے مسلمان وہابیہ خیالات کے ہیں اور متعصب اہل سنت اور وہابیوں میں بہت ہی تھوڑا فرق ہے۔ یہاں وہابیہ تحریک کے بانی مولوی محمد اسماعیل شہید اور سید احمد صاحب بریلوی سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے ۱۸۲۵ء میں سکھوں سے پنجاب میں جہاد کر کے پشاور فتح کر لیا تھا اور آخر دونوں میدان جنگ میں مارے گئے۔ ہندوستان کے وہابی غیر مقلد ہیں۔ نجد کے وہابی جنہی طریق کے پابند ہیں۔ یہ لوگ اپنے تئیں جہاد اہل حدیث یا محمدی کہتے ہیں اور دوسروں کو بدعتی و قبر پرست سمجھتے ہیں۔ وہابیوں کے تفصیلی حالات اس فقیر کی تاریخ وہابیہ میں درج کئے گئے ہیں جو زیر طبع ہے۔

۱۷۔ سلطان محمود خاں ثانی کا عہد سلطنت ۱۲۲۲ء سے ۱۲۵۵ء تک ہے ان کے زمانہ کا سب سے بڑا واقعہ جنگ وہابیہ ۱۲۵۵ء۔ محمد علی پاشا موجودہ خاندان خدیوہ مصر کا بانی ۱۸۶۹ء میں قصبہ قوالا واقع رومیلیا (بقیہ مضمون برصغیر)

قبروں پر غلاف ڈالے اور بعض قبروں کے کتبے جو اہل نجد نے اکھاڑ دیے تھے اور جو ابھی تک ٹوٹے نہ تھے ان کو دوبارہ نصب کر دیا۔ اُس وقت کی حجت العلّٰی کی حالت ایک مشہور و معروف فرنگی سیاح حجاز برکھارٹ کے سفر نامے سے درج کی جاتی ہے۔ جو ۱۸۳۲ء م ۱۲۲۲ھ میں مسلمانوں کا بھیس بنا کر ابراہیم ابن عبداللہ کے نام سے حجاز گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صوبہ البانیہ میں پیدا ہوا تھا۔ اولاً یہ ترکی فوج میں بھرتی ہوا۔ پھر ۱۸۹۹ء میں فرانسیسیوں کے مقابلہ میں اپنے سپاہیوں کا دستہ اکٹھا کر کے مصر میں سلطان کی طرف سے لڑکراؤ شجاعت دی۔ بڑھتے بڑھتے ۱۸۰۵ء میں مصر کا گورنر ہو گیا۔ ادا ۱۸۱۱ء میں دہائیوں کے مقابلہ کے لئے اپنے لڑکے طوسون پاشا کو حجاز روانہ کیا۔ محمد علی بڑا بہادر و مدبر تھا مگر اس کے ساتھ ہی انتہا کا فرتی و چالباؤ شخص بھی تھا اس نے مملوک سلاطین مصر کے پسماندہ اُمراء و سلا کو جو ہمیشہ ترکی سلطنت کو دق کیا کرتے تھے تلخی یکم مارچ ۱۸۱۱ء انتظام مصر و معاملات حجاز اور وہاں سے دہائیوں کے اخراج کے متعلق مشورہ کے جیلہ سے قلعہ قاہرہ میں بلا کر سب کا قتل عام کر دیا چار سو تیس آدمیوں میں سے صرف ایک مملوک امین بے اپنے گھوڑے کو قلعہ کی عالیشان دیواروں کو پھانڈ کر گولیوں کے بوچھاڑ میں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ مگر کے انتظام سے فارغ ہو کر ۱۸۱۲ء میں اس نے حجاز پر خود چڑھائی کی اور اپنی زیرپاشی و سیاسی چالوں سے ۱۸۱۶ء میں فتوحات حجاز مکمل کر دیں۔ اس کے بعد اپنے لڑکے ابراہیم پاشا کو بھیجا کہ دہائیوں کا رہا سہا نام بھی مٹا دے۔ محمد علی پاشا کا سب سے بڑا کا زامہ یا سیاہ نا وہ سرکشی و مترد ہے جو اُس نے اپنے دلی نمت سلطان ترکی سے کی۔ ۱۸۲۱ء میں اس کے لڑکے ابراہیم پاشا نے ملک شام پر حملہ کیا اور ترکوں کو شکست دے کر شام فتح کر لیا۔ اس وقت دول یورپ تیج میں کود پڑیں اور دونوں میں صلح کر کے بعض شرائط کی بنا پر مصر کی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محمد علی اور اُس کے ورثا کی واسطے مخصوص کر دی۔ چنانچہ موجودہ خدیو بھی اسی خاندان کے ایک رکن ہیں ۱۸۲۸ء میں محمد علی پاشا نے بوجہ ضعف و ناتوانی عہدت استعفاء کر لی۔ اور ابراہیم پاشا کو خدیو مقرر کیا۔ ۲۰ اگست ۱۸۳۹ء میں محمد علی پاشا کا انتقال ہوا۔

محمد علی پاشا کی تصویر میرے پاس موجود ہے۔ عجیب نورانی صورت کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری شکل و شمائل کو دیکھ کر بے اختیار دل چاہتا ہے کہ اس تقدس مآب شیخ المشائخ کے ہاتھ چوم لو۔ مگر یہ ہاتھ بہت سے بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ اسی عبا قبائیں فولاد کا دل (بقیہ مضمون بر صلح)

جہاز نجدیوں کے ہاتھ سے مکمل کر ترکوں کے قبضے میں آچکا تھا اور خاص خاص قبروں کے گنبدوں کی تیاری ہو رہی تھی وہ کہتا ہے :-

”میں نے اس وسیع قبرستان میں پھر کر بہت سی قبریں دیکھیں جن پر کوئی کہتے تھے گبران میں کوئی بھی چھٹی صدی ہجری سے قبل کا نہ تھا۔ اور ان میں بھی دعائیں زیادہ تھیں۔ مثنوی کا نام و تاریخ دفات کچھ نہ تھی بعض بزرگوں کی قبروں پر یہاں گنبد بنے ہوئے تھے جو وہابیوں نے توڑ ڈالے۔ یہ لوگ زیارت قبور کو ایک قسم کی جنت پرستی سمجھتے ہیں اس لیے قبروں کو توڑ پھوڑ کر اپنی لغت کا ثبوت دینا مگر یہ متعجب مسلمان قبر کے اندرونی حصے کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتے اور مردوں کی ہڈیوں کی بے حرمتی نہیں کرتے۔ اگرچہ وہابیوں کی دست بردوسے یہ قبرستان زیادہ دیران ہو گیا ہے مگر میرا خیال ہے کہ نکلے والے بھی اپنے عزیزوں اور دوستوں کی قبروں کی کچھ زیادہ خبر گیری نہیں کرتے“

(سفرنامہ برکھارٹ مترجمہ خاکسار علی شبیر مطبوعہ تلچ پریس حیدرآباد ۱۲۵۷ھ)  
۱۲۶۹ء میں انگلستان کا نہایت مشہور سیاح کپتان برٹن عہد الشد خاں کے نام سے لکے گیا تھا جنت المعلیٰ کی اُس وقت کی حالت بھی ملاحظہ ہو :-

”ایک بھٹی چار دیواری اور ایک حقیر دروازہ اسے محصور کیے ہوئے ہے اس قبرستان کے اندر چند معمولی سفید تپتے ہیں جو سب حال کی تمپہ ہیں۔ باقی آٹھ میں کچھ چار دیواریاں ہیں جو بعض لوگوں کی ہڑواڑیں ہیں۔ ان کے علاوہ کئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چھپا ہوا ہے۔ یہ وہ قبیۃ القلب مدبر ہے کہ ملکوں کے قتل عام کا حکم دے کہ دسترخوان پر بیٹھا ہے۔ یہ وہ مستقل مزاج بہادر ہے کہ پانچ ہزار وہابیوں کے سر اس کے اطراف جمع ہیں اور یہ مڑے سے قالین پر بیٹھا تختہ پی رہا ہے۔ یہ وہ ستم ظریف فاتح ہے کہ اپنے قیدیوں کو قتل کرنے سے قبل اُن کیساتھ اس طرح کھیلتا ہے جیسے بی لکچ ہے سے چھلیاں کھیلتی ہو۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری تک قبروں پر کتے نصب کر نیکارواج یا تو بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ ۱۲۷۰ء۔ کپتان برٹن کے تفصیلی حالات اس کتاب کے باب دوم فصل اول میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔



بے ڈول قبروں کے کھنڈر بے ترتیبی کے ساتھ ہر طرف ہیں جن کے پنج میں کہیں  
کہیں مرجھائے ہوئے گھی کوار کے درخت نظر آ رہے ہیں۔“

(سفرنامہ برٹن انگریزی جلد دوم ص ۲۳۸)

مرزا عرفان علی بیگ صاحب ڈپٹی کلکٹر اپنے سفرنامہ حجاز تالیف ۱۳۱۲ء میں اس قبرستان  
کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:-

یہاں بالعموم قبروں پر سنگ بالین و سنگ پائین دونوں نصب کرتے ہیں ترکوں  
کی قبروں پر سنگ بالین جو نصب ہے اُن کے سروں پر ترکی ٹوپی یا عمامہ کی  
صورتیں گڑھی ہوئی ہیں۔ اہل عرب کو ایسی صورت گری پر تشدد سے  
اعترض ہے۔“ (سفرنامہ حجاز ص ۱۴۳)

بخدی حکومت کے تخمیناً سو برس بعد پھر انسانی ہاتھ نے کچھ دست درازی کی۔ یہ ہاتھ اہل نجد  
کا نہ تھا۔ بلکہ آل رسول شریف مکہ سید عون الرفیق پاشا کا ہاتھ تھا جن کو بعض لوگ کہتے ہیں  
کہ شیعہ تھے۔ رحلۃ الحجاز یہ خدیو عباس حلمی پاشا تالیف ۱۳۲۲ء میں اس واقعہ کی کیفیت یہ  
درج ہے:-

” اسی قراقہ (قبرستان) میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی قبر ہے جس پر ایک قبہ  
بھی تھا لیکن شریف عون الرفیق نے اور بہت سی چیزوں کے ساتھ اسے بھی  
منہدم کر دیا اور اب تک اس کی تعمیر نہیں ہوئی..... انہوں نے حضرت آمنہ اور  
حضرت خدیجہ کی قبر کے تیسے بھی گرا دیئے چاہے تھے لیکن ابھی وہ منصوبہ پورا  
نہیں ہونے پایا تھا کہ خود ان کی حکومت کو زوال آ گیا۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی  
ولادت گاہ میں جو ایک چکی رکھی ہوئی تھی اور جس کی نسبت اہل عرب کا خیال ہے  
کہ وہ اپنی زندگی میں اسی سے آٹا پیسا کرتی تھیں۔ شریف کے حکم سے اس کو بھی

کو منہدم کر دیا  
اور اسے چھوڑ  
دیا

۱۵۔ عون الرفیق ۱۲۹۹ء میں شریف مکہ مقرر ہوئے اور ۱۳۲۲ء وقت وفات تک شریف رہے۔

۱۶۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو بکر کی دکان بزازی بھی جو کہ معظمہ میں زیارت گاہ تھی  
منہدم کرادی۔

ہٹا دیا گیا۔“

(تاریخ حرین مرتبہ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی صفحہ ۴۴ و ۶۹)

۱۲۹ھ میں خان بہادر حاجی عبدالرحیم صاحب بنگلوری نے اس قبرستان کی زیارت کی تھی یہ زمانہ سلطان عبدالحمید خاں اور شریف عون الرفیق کا تھا۔ حاجی صاحب موصوت نے یہاں کی صفائی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے مسلمان اُسے پڑھیں اور شرمائیں۔

”رستے میں ایرانی۔ ترکی۔ بخاری۔ ڈیرے لگائے ہوئے تھے جن کی وجہ سے قبرستان کے نزدیک بہت غلامت اور بدبو پھیل گئی تھی۔ گورنمنٹ اور شریف صاحب کو ادھر ضرور توجہ کرنی چاہیے۔ ایسے پاک و منزه مقام پر جہاں ام المومنین خدیجہ الکبریٰ اور حضرت آمنہ آرام کر رہی ہیں ایسی غلامت کا رستے میں ہونا کہاں تک زیبا ہے“

(سفرنامہ حرین صفحہ ۱۸۸)

حاجی صاحب موصوت کا یہ فقرہ بھی قابل ملاحظہ ہے:

یہ قبرستان بہت بڑا تھا مگر اس میں چنہ مکانات زیر تعمیر ہیں۔ نہ معلوم کس مصلحت اور کس وجہ سے اب محنت المصلیٰ میں مکانات تعمیر کیے جا رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ یہ قبرستان بہت ہی مختصر رہ جائے گا۔

(سفر حرین صفحہ ۱۸۹)

ایسی مثالیں ہندوستان کے اکثر قبرستانوں میں پائی جاتی ہیں مگر مصلیٰ اور دوسرے قبرستانوں میں فرق ہے ایسی جگہ مکان بنانے والوں کی ناعاقبت اندیشی پر میر کا وہ شعر صادق آتا ہے۔

جو لوگ آسمان نے یاں خاک کر ڈالے  
بے عبرتوں نے لیکر خاک اُن کی گھر بنائے

سابقہ نجدی تسلط حجاز سے تقریباً ایک سو برس بعد زمانے نے پھر پٹیا کھایا اور ۱۳۳۳ھ میں حجاز دوبارہ الی نجد کے زیرِ نگیں آگیا۔ انھوں نے حسب عادت قدیم یہاں کے چاروں باپوں قبوں کو اور چونے گچی کی اُن بلند قبروں کو جو اُن کی فقہ کی اصطلاح میں ”مشریف“ کہی

تعریف میں آسکتی تھیں ڈھا دیا اور کتبائے دلوح و تقویٰ منہدم کر دیئے۔ اس بارہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ سلطان ابن سعود نے تحفظ و احترام قبور کے متعلق جو وعدے کیے تھے اُن کا ایفاء کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کی جانب سے نایافت گیمٹی سنڈین صاحبوں کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا اُن کے احتجاج پر کوئی توجہ نہ کی یہ حجاز کے وہابیوں کو اس بارہ میں جب بیٹے قائل معقول کیا تو اُنھوں نے یہ جواب دیا:-

(۱) ”سلطان کے وعدے کتاب و سنت کے تابع تھے اس کے خلاف وعدہ کرنے کے وہ مجاز نہیں ہیں۔ قوم نے اسی شرط کے ساتھ اُن کو بادشاہ تسلیم کیا ہے۔“

(۲) ”ریوٹر کے بعض تاروں کو بھی سلطان ابن سعود کا وعدہ سمجھ لیا گیا حالانکہ وہ کسی افترا پھرواز کے تار تھے۔“

(۳) ”جس حد تک شرع نے قبروں کے تحفظ و احترام کی اجازت دی ہے اُس کا لحاظ کیا گیا۔ کسی میت کی توہین نہیں کی گئی۔ کسی مُردے کی ہڈیاں قبر سے نہیں نکالی گئیں۔“

(۴) ”گنبدوں کا قیام شریعت کے فتوے پر منحصر تھا۔ علمائے اسلام کا فتویٰ اس کے خلاف ہوا اس لیے وہ منہدم کر دیے گئے۔ اور چونکہ کچھ قبروں کا ثواب بھی زیادہ ہے اس لیے کچھ قبریں بنوا دی گئیں۔ سلام و زیارت و فاتحہ کی ہر شخص کو عام اجازت ہے۔“

(۵) ”ہندوستان سے جو نمائندے موثر اسلامی میں شرکت کی غرض سے یہاں آئے تھے وہ تمام فرقہ پائے اسلام کے نمائندے نہ تھے تاہم اُن کے مطالبات سنے گئے مگر مشکل یہ ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کے مقابلے میں نید و عمر و بجز کے قول کی سند نہیں لیجا سکتی۔“

میں اس جھگڑے کو اب مولویوں اور قوم کے لیڈروں کے حوالہ کرتا ہوں۔

قبرستان معلیٰ میں بعض بزرگوں کی قبریں جو زمین سے صرف بالشت بھر اونچی تھیں اور جن کے حاشیے میں پتھر کی سلیں رکھی ہوئی تھیں اُن کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ وہابیوں کے نقطہ نظر میں اُن کی شکل شرعی قبروں کی صورت سے ملتی جلتی تھی۔ بعض قبروں کے گرد جواھا

۱۔ ان واقعات کی توضیح کے لیے ملاحظہ ہو مسئلہ حجاز یعنی دفع خلافت کبھی کی رپورٹ مبلوعدہ خلافت پریس سنٹی۔

۲۔ یہ مسئلہ میں عام اجازت تھی مسئلہ میں جو لوگ حج گئے اُن میں سے بعض کو جنت معلیٰ میں سلام و فاتحہ کی اجازت ملی بعض کو نہ ملی۔

”حضرت ابن کونہ حوزہ اسلامیہ“ عبد العزیز بن عبد الرحمن بن عبد الوہاب۔ ابن کونہ حوزہ اسلامیہ

کھینچے ہوئے تھے ان کو بھی سمجھا دیا۔ البتہ ان چار دیواریوں میں جو پختہ اونچی قبریں تھیں ان کو  
سما کر دیا اور کہیں کسی بگڑے والی دیواری نے ایسی چار دیواریاں بھی ڈھالیں مگر یہاں کے مدفونین  
کی قبروں نے وہ تین مدارج طے نہیں کیے جو جنت البقیع میں طے کرنے پڑے۔ وہ یہ کہ:-

(۱) یہاں کی قبریں نہ زمین سے بالکل ہمار کی گئیں۔

(۲) نہ ان پر علامت قبر کے طور پر تختے نصب کیے گئے۔

(۳) اور نہ یہاں از سر نو خام چھوڑے بنا کر ان کے گرد معمولی پتھروں کی بندش لگائی۔

اس کی وجہ مجھ سے وہابیوں اور اہل مدینہ نے یہ بیان کی کہ بقیع کے مزارات اور خصوصاً

قبور اہل بیت علیہم السلام کی بعض لوگ غیر معمولی تعظیم کرتے تھے اس لیے یہاں زیادہ سنگی کا  
برتناؤ کیا گیا۔ مدفونین معلیٰ کے ساتھ لوگوں کو اتنی عقیدت نہ تھی اس وجہ سے وہاں نرمی سے  
کام لیا۔

میں نے جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی قبروں میں جو فرق پایا وہ یہ ہے کہ:-

(۱) بقیع میں کسی قبر کے گرد احاطہ یا چار دیواری پہلے بھی نہ تھی اب بھی نہیں ہے

معلیٰ میں بعض ہڑواڑوں کے احاطے اب بھی چھپے ہوئے ہیں۔

(۲) بقیع میں کسی قبر کے آڑو بازو سلیس ہیں یہاں صرف پتھروں کے ٹکڑوں کی بندش

ہے معلیٰ میں سلیس موجود ہیں۔

(۳) بقیع میں کسی قبر کے سرہانے گھی گوار نہ پہلے تھا اب ہے۔ معلیٰ میں بعض

بزرگوں کے سرہانے گھی گوار کھڑا بیچ خوانی کر رہا ہے۔

زیارت معلیٰ کی نسبت ۱۳۴۲ھ میں اہل نجد نے زیادہ تشدد سے کام لیا تھا۔ حج سے قبل

جن حاجیوں نے زیارت کرنا چاہی ان کو سپاہیوں نے روک دیا کہ تم کو فاتحہ پڑھنی نہیں آتی

تم قبروں کو پوجنے لگتے ہو۔ چند روز بعد زیارت کی اجازت مل گئی اور حج کے بعد جو لوگ معلیٰ گئے

انہوں نے سلام و فاتحہ پڑھی۔ مگر سپاہی ان پر نظر رکھتے تھے کہ کہیں یہ سجدہ تو نہیں کرتے۔ اور

قبروں کے پاؤں تو نہیں پڑ رہے ہیں۔

۱۳۴۵ھ میں جب یہ گمنگار حج کو گیا ہے اُس وقت کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی تھی



اور سلام و دیارت و فاتحہ کی عام اجازت تھی۔ میں خود زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے دیکھا کہ اکثر حاجیوں کو ان کے مطوف سلام پڑھا رہے تھے۔ بعض حاجی خود کتاب میں دیکھ کر یا زبانِ سلام پڑھ رہے تھے۔ انتظام و نگرانی کے لیے دروازے پر سپاہیوں کا پہرا تھا۔ میں نے کسی سپاہی کو سختی کرتے یا کسی حاجی کو قبروں کی غیر معمولی تعظیم کرتے نہیں دیکھا۔ تاہم اس سال بھی بعض حاجی و ہابیوں کے سابقہ طرزِ عمل کے خوف سے احتیاطاً یا بخدی سپاہیوں کے ایما سے علی کے اندر نہیں گئے۔ باہر سے ہی فاتحہ پڑھ کر واپس ہو گئے۔ میرے مکرم دوست اکملج پروفیسر مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے کو بھی یہی واقعہ پیش آیا اور بخدی سپاہیوں نے ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت وہابی یہاں ڈیرے ڈالے پڑے ہیں کہیں ان سے ٹکرا نہ ہو جائے مناسب ہے کہ ان کے چلے جانے کے بعد آپ یہاں آکر فاتحہ پڑھیں۔ (صراطِ امید ص ۲۶۶)

قبرستان کی تعظیم وہابی تو کیا کریں گے عام اہل عرب بھی نہیں کرتے۔ گورستان میں خیمے لگا کر اسے اپنا قیام گاہ بنا لیتے ہیں۔ جوتے پہنے بے تحلف قبروں کو کھندلتے پھرتے ہیں۔ دھرموں کے حاجی بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ میں نے جنتِ اہل میں ہندوستانی حاجیوں کی بھی بہت سی بے عزتیاں دیکھیں۔

## (۲) جنتِ المثلیٰ میں اس گنہگار کا گزر

(۴۰)

۳۴۵ھ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے زیارتِ جنتِ المثلیٰ کی توفیق دی مگر افسوس ہے کہ علالت کی وجہ سے اکیس روز کے قیام مکہ میں صرف دو مرتبہ وہاں کے خفنگانِ خجّاب احت کی خدمت میں سلام عرض کر سکا۔ پہلی مرتبہ ۲۷ ذیقعدہ کو صبح کے وقت اور دوسری مرتبہ ۵ بیجہ کو بعد نمازِ مغرب۔ اس قبرستان میں جس اطمینانِ قلبی کی مجھے ضرورت تھی وہ حاجیوں کی کثرت اور دائروں کے شور و غل کی وجہ سے دن میں نصیب نہ ہوا۔ البتہ رات کے وقت جب میں قندیل کی دھیمی بوشی میں ایک مطوف کے پیچھے پیچھے علی کی مختلف گھاٹیوں میں سے گزر رہا تھا اس وقت

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انوار الہی و تجلیات ربانی میرے قلب پر نازل ہو رہی ہیں۔ میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ بہت سے بزرگوں کی زیارت پڑھی اور سلام و فاتحہ کے بعد رخصت ہوا۔ دن کے وقت میں نے دیکھا کہ اس قبرستان کے گرد اب بھی ایک ٹوٹی پھوٹی چار دیواری کھچی ہوئی ہے۔ چھ میٹر حیاں چڑھ کر ہم اس کے دروازے میں داخل ہوئے جس میں کوڑنڈ تھے۔ میٹر پیوں کے ادھر اُدھر دو کھم کھم تھے یہاں ہم نے جس وقت کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ اے قبر میں بسنے والو تم پر سلام (ہمارے جسم میں سردی پیدا ہو گئی اور ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے ہم نے قدم بڑھایا اب ہم کوئی پانسو گز لمبے دو سو گز چوڑے ایک ناہوار قطعہ زمین پر پہنچ گئے جس میں جا بجا لمبے۔ اینٹ پتھر اور مٹی کے انبار لگے ہیں۔ چاروں طرف کچی قبروں کے ڈھیر اور نیم سخت قبروں کے کھنڈ و ٹکڑے چوتھے دکھائی دے رہے ہیں۔ قبول کے حالیہ انہدام نے اس کی ویرانی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ پتھر کے قدرتی ٹولوں کے ساتھ ٹوٹے ہوئے گنبدوں کے ٹیلے مختلف جگہ بن گئے ہیں۔ کتبوں کے پتھر خس و خاشاک میں دیے نظر آتے ہیں۔ جناح وزائیں کے گروہ کے گروہ سلام و فاتحہ پڑھتے گشت کر رہے ہیں۔ یہاں کی اُداسی کو ان کی کثرت نے رمل چہل سے بدل دیا ہے پھر بھی سناٹا غالب ہے۔ دنیا کے بکھڑوں سے دل یہاں دور بھاگ رہا ہے۔ نئی قبریں ہمارے لیے کوچ کا نثارہ بجا رہی ہیں یہ وہی لوگ تھے جو ہماری طرح حج کے لیے آئے تھے اور اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے۔ خوش نصیب ہیں۔ کہ گھر سے جنت کی سیر کے لیے نکلے تھے مگر جنت پر قبضہ ہی کر لیا۔ اس وقت ہمارے ساتھ بھی بعض حاجی معالی کی زیارت کو آئے ہیں مگر اپنے پاؤں سے نہیں بلکہ چار کے کندھوں پر۔ دوسروں کی سواریاں معالی کے دروازے پر چھوٹ گئیں ان کی سواریاں اندر تک آئی ہیں۔ جا بجا تالوت رکھے ہوئے ہیں قبریں کھڑی ہیں۔

مسلمانوں کا گورستان معالی ہو یا بقیع اس کی نسبت یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ وہ عیسائیوں کے قبرستانوں کی طرح سیرگاہ ہو گا۔ معالی عبرت کدہ ہے عبرت کی درس گاہ ہے۔ یہ دنیا سے دل لگانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اسے دیکھ کر انسان کو اپنا اصلی ٹھکانا یاد آتا ہے۔ آدمی اپنی حقیقت پہچاننے لگتا ہے اور خدا کو منہ دکھانے اور شہر خموشاں میں بسنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

کسی شاعر نے گورِ غریباں کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔  
 خشک گل۔ افسردہ سبز و شمع چپ۔ بالیں اُداس  
 دل بھرا آیا عالم گورِ غریباں دیکھ کر  
 مگر یہاں سوکھے ہوئے پھول اور مرجھایا ہوا سبزہ بھی نہیں ہے۔ یہاں نہ کوئی چراغِ ان  
 ہے نہ بجھا ہوا چراغِ جنتِ المعالیٰ ان تمام تکلفات سے بری ہے۔ اس کی رونق اُن  
 جو انان بہشت سے ہے جو اس کی خاک میں سوراہے ہیں۔ اس کی آرائش وہ جواہرِ پیا  
 ہیں جو یہاں کے خزانے میں مدفون ہیں۔ اس کی زینت اسلام کے اُن جگمگاتے ستاروں سے  
 ہے جن کی وجہ سے یہاں کی زمین آسمان پر فخر کرتی ہے۔ میری آنکھیں یہاں ظاہری زیبائش  
 تلاش کر رہی ہیں میرا دل مجھے ملامت کر رہا ہے کہ:-

اے کوتاہ ہیں!! تو یہاں تبتے۔ چوتڑے۔ لوح۔ کتبے۔ غلاف کیا ڈھونڈ رہا ہے؟  
 کسی اور جگہ عالیشان روضے میں پاؤں پھیلانے سے یہاں گل در گل ہو جانا بہتر ہے  
 اوظاہر پرست! اگر تو چاہتا ہے کہ تیری قبر پر مولسری کے پھول کا اینہ برسے تو  
 کہیں اور جا کے مر۔ تو نے گائے کا کیوں رخ کیا؟ - اللہ!!

### (۳) مقبرہ اجداد رسول

(۴)

جنتِ المعالیٰ کے جس حصے میں حضرت عبدالمنان و حضرت عبدالطلب و حضرت ابی طالب  
 کی قبریں ہیں اُس کو میں نے "مقبرہ اجداد رسول" کے نام سے موسوم کیا ہے تاکہ اس قبرستان  
 کی مقدس ہڑواڑوں میں خلطِ بحث نہ ہو جائے۔ یہ مقبرہ جبلِ حجون کے دامن میں حضرت خدیجہ  
 کی قبر سے آگے ہے۔ آنحضرت کے اجداد کے حالات تاریخوں میں تفصیل سے مرقوم ہیں یہاں  
 بقدر ضرورت اُن کا تذکرہ اور اُن کی قبروں کی تاریخی حالت درج کرتا ہوں۔

## الف۔ قبر حضرت عبد مناف۔

آنحضرت ان کی پانچویں پشت میں ہیں یعنی آنحضرت کے جد امجد حضرت عبد المطلب تھے اُن کے والد ہاشم اور اُن کے والد عبد مناف۔ ان کا اصلی نام مغیرہ تھا اور کنیت ابو عبد منہی۔ قریش ان کو حسن و جمال کی وجہ سے قمر کہا کرتے تھے۔

مورخین مکہ اُن کی قبر کے متعلق کچھ نہیں لکھتے ابن جبر و ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر ناموں میں مدینہ منورہ کے مہض میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ فرنگی سیاح برکھارٹ جو تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں مکہ منکّر گیا تھا اور مشہور و معروف سیاح برٹن جس نے ۱۶۹۹ء میں مکہ کا سفر کیا تھا دونوں ان کی قبر کی نشاندہی نہیں کرتے البتہ چودہویں صدی ہجری کے ہندوستانی سیاحان حجاز علی میں ان کی قبر کا وجود بتاتے ہیں ۱۲۱۹ء میں حاجی عبد الرحیم صاحب بنگلوری نے حج کیا تھا وہ اپنے سفر نامہ میں حضرت عبد مناف اور حضرت عبد المطلب کی قبر ایک ہی قبۃ کے اندر تحریر کرتے ہیں۔ مگر مولوی قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری اپنے سفر نامہ حجاز "الہاد" میں ان کی قبر ایک علیحدہ قبۃ میں بیان کی ہے۔ اور اس کی صحت کے متعلق یہ فرماتے ہیں:۔

"اس قبر کی اصلیت کی نسبت کچھ نہیں کہا جاسکتا" (الہاد ص ۱۱۱)

۱۲۴۲ء میں اہل نجد نے مکہ فتح کرنے کے بعد دوسرے قبوں کے ساتھ حضرت عبد مناف کا قبۃ بھی توڑ ڈالا۔ ۱۲۴۵ء میں اس گنہگار نے ایک قبر کی زیارت کی جو زمین سے بالشت بھر اونچی تھی اس کے چاروں طرف پتھر کی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ کتبہ وغیرہ کچھ نہ تھا۔ اہل مکہ نے کہا کہ یہ مزار حضرت عبد مناف کا ہے۔

## ب۔ قبر حضرت عبد المطلب۔

حضرت عبد المطلب آنحضرت کے دادا تھے۔ حضور سرور عالم کے والد امجد حضرت عبد اللہ کا انتقال آنحضرت کی ولادت سے قبل ہو چکا تھا۔ حضرت عبد المطلب نے آنحضرت کا نام محمد رکھا اور ولادت کے ساتویں روز قربانی کر کے قریش کی دعوت کی۔ آنحضرت کی عمر جس وقت چھ سال کی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے بھی رحلت فرمائی اور اب آنحضرت کی پرورش بالکلیہ حضرت عبد المطلب کے ذمہ ہو گئی یہاں تک کہ جب آنحضرت کا سن شریفینہ ۱۰ء ایک روایت یہ ہے کہ اُس وقت آنحضرت اٹھائیس دن کے تھے ایک روایت ہے کہ دو مہینے کے تھے۔



اٹھ برس کا تھا۔ اس بزرگ کا سایہ بھی آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

حضرت عبدالمطلب تجارت کیا کرتے تھے قریش کے سردار اور کعبے کے متولی بھی تھے چاہ زمزم کا انکشاف اور حجر اسود کی برآمدگی انھیں کے زمانہ تولیت میں ہوئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی۔ مورخین مکہ ان کی قبر کے متعلق بالکل خاموش ہیں قدیم سیاحوں نے بھی اس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ البتہ زمانہ حال کے سیاح جنت المعلیٰ کے مزارات میں اس کا بھی شمار کرتے ہیں۔ ۳۲۹ھ میں حاجی عبدالرحیم صاحب بنگلوری نے ان کی قبر اور حضرت عبدمنات کی قبر ایک ہی قبۃ میں بیان کی ہے مگر قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری ان کا قبۃ علیحدہ بتاتے ہیں۔ اس قبر کی نسبت بھی قاضی صاحب مدوح کا وہی فقرہ ہے کہ:-  
”اس کی اصلیت کی نسبت کچھ نہیں کہا جاسکتا“

۳۲۴ھ میں یہ قبۃ بھی منہدم ہو چکا ہے۔ میں نے ۳۲۵ھ میں جبل جحون کے دامن میں ایک قبر کی زیارت کی۔ جو حضرت عبدالمطلب کے نام سے منسوب تھی۔ اس پر کوئی کتبہ نہ تھا پتھر کی چار سلیس چار طرف رکھی ہوئی تھیں۔

۱۔ بعض روایتوں میں حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت آنحضرت کا سن دس سال بیان کیا گیا ہے۔  
۲۔ اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ جب بنو بکر نے جو ادلاء اسماعیل سے تھے۔ مکہ کے حکمراں قبیلہ جرہم کو یہاں سے نکال دیا تو جرہم کے رئیس عمرو بن حارث نے اس خیال سے کہ کعبے کی بیش قیمت چیزیں دشمنوں کے ہاتھ نہ پڑیں اور جب کبھی کعبے پر دوبارہ ان کا قبضہ ہو جائے تو وہ انھیں کوئل جائیں۔ حجر اسود کو کعبے سے اکھاڑ کر اور بہت سے ہتھیار جو مختلف لوگوں نے کعبے پر چڑھائے تھے اور شاہان فارس کے چڑھائے ہوئے دو طلائی پہرے یہ سب چیزیں چاہ زمزم میں چھپا دیں اور مٹی وغیرہ ڈال کر کوئے کوڑین کی برابر کر دیا۔ یہاں تک کہ رات گزر گئی اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کعبے کے پاس کوئی کنواں بھی اس طرح دبا پڑا ہے۔ جب آنحضرت کے ظہور کا زمانہ قریب ہوا تو حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص ان سے چاہ زمزم کھودنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ چونکہ ان کو زمزم کا علم نہ تھا۔ بڑی حیرت ہوئی۔ آخر تین مرتبہ جب یہی خواب دیکھا اور زمزم کا مقام اور جگہ بصراحت خواب میں دکھائی دی تو کنواں کھود کر حجر اسود اس میں سے نکال کر کعبے میں نصب کیا۔

## ج۔ قبر حضرت ابی طالب۔

حضرت ابی طالب آنحضرت کے شفیق چچا اور حضرت علی کے والد ماجد ہیں۔ ان کا نام عبد مناف تھا ان کے بڑے فرزند طالب کی وجہ سے ان کی کنیت ابی طالب مشہور ہے حضرت عبد المطلب نے مرتے وقت آنحضرت کی پرورش کے لیے بطور خاص ان سے وصیت کی تھی جس کو انہوں نے بڑی خوبی سے پورا کیا۔ آنحضرت آٹھ سال کی عمر سے تقریباً پچاس سال کی عمر تک انکی نپون کفالت ہے اور حضرت ابی طالب مدت العمر آنحضرت کے ساتھ بڑی شفقت کرتے رہے۔ ہر بات میں اپنے بچوں سے زیادہ ان کی خبر گیری کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ آنحضرت کی عمر نو سال تھی حضرت ابی طالب نے بغرض تجارت شام جانے کا ارادہ کیا آنحضرت بھی ان کے ساتھ چلنے کے لیے کہنے لگے۔ مہربان چچا کا دل بھرا آیا اور مصوم بھتیجے کی فرمائش پوری کی۔ آنحضرت کو ان سے بڑی تعویت تھی اور چونکہ یہ بہت با اثر شخص تھے اس لیے ان کی زندگی تک کفار کی بہت نہیں بڑی کہ کھلم کھلا آنحضرت کو ایذا دیں۔ کئی مرتبہ قریش مکہ نے حضرت ابی طالب کو مختلف قسم کی ترغیب و تحریص اور دھمکی دی اور طرح طرح سے دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دیں مگر شفیق چچا نے جیتے جی اپنی محبت میں کوئی کمی نہیں کی۔ ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی آنحضرت پر شفقت کرنے میں کوئی قصہ اٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ منجملہ اور وجوہ کے حضرت ابی طالب کی محبت کا بھی اثر تھا کہ حضرت سرور کائنات ان کے فرزند حضرت علی کے ساتھ بے انتہا محبت فرماتے تھے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ حضرت ابی طالب کے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کا قائل نہیں ہے مگر ان کے بعض اشعار سے جو تاریخ ابوالفدا میں درج ہیں اور نیز اس خطبہ سے جو انہوں نے آنحضرت کے عقد خدیجہ الکبریٰ کے وقت پڑھا تھا ثابت ہوتا ہے کہ یہ مومن تھے۔ نیز بعض اور روایتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم وقت مرگ ایمان لے آئے تھے اور کلمہ شہادت ان کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابی طالب نے کچھ اوپر اسی برس کی عمر میں ہجرت سے تین سال قبل یا بروایت مشہور ہجرت سے ایک برس پیشتر ماہ شوال میں بمقام مکہ منکرہ انتقال فرمایا۔ حضرت ابی طالب کی قبر کا ذکر مورخین مکہ مطلق نہیں کرتے۔ ازرقی۔ قاسمی۔ فامی۔

۱۔ حضرت ابی طالب کے چار فرزند تھے (۱) طالب (۲) جعفر لیار (۳) عقیل (۴) علی۔ ۲۔ ان کا ذکر نوین بیچ کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

قطب الدین اور ابن ظہیر وغیرہ سب شوش ہیں۔ ابن جبیر و ابن بطوطہ بھی ان کا نام تک نہیں لیتے البتہ فرنگی سیاح  
برکھارٹ نے جو ۱۳۲۲ء میں لکھا تھا اپنے سفر نامے میں ان کی قبر کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

”شریف کے مکان سے آگے ملے کے سرے پر حضرت ابی طالب کا مزار  
ہے۔ وہاہیوں نے اُس عمارت کو جو ان کی قبر پر بنی ہوئی تھی دھا کر ٹی کا ڈھیر کر دیا،  
محمد علی پاشا نے بھی اس کو دوبارہ بنوانا مناسب نہ سمجھا۔ یہ قبر اب بنائی بھی نہ  
جائیگی۔ مکے والے حضرت ابی طالب کو اپنے شہر کا سرپرست سمجھتے ہیں اور مکے  
میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو خدا کی قسم توڑ ڈالنا ایک بات سمجھتے ہیں مگر حضرت  
ابی طالب کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں۔ یہ لوگ پردیسیوں کو دھوکا  
دینے کے لئے بات بات پر بیت اللہ اور کعبے کی قسم کھالتے ہیں مگر ابی طالب  
کی قسم سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر بھپکار ہو جائے گی۔ دھوکا دھڑی کے موقوف  
پر بھی یہ قسم شاذ و نادر ہی سننے میں آتی ہے۔“

(سفر نامہ برکھارٹ مترجمہ خالسا رشید ۹۷۲۶ء مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد دکن)

میں نے بھی مکہ معظمہ میں بعض لوگوں سے سنا کہ عوام حضرت ابی طالب کی درگاہ سے  
بڑا عقیدہ رکھتے تھے ان کی قبر پر فقیہیں ملنتے تھے اور قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اگرچہ برکھارٹ  
نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کا قبہ بنوایا بھی نہ جائیگا مگر قبہ تیار کر دیا گیا تھا۔ یہ نہیں معلوم  
کہ کب بنا اور کس نے بنوایا۔ چودھویں صدی کے سیاحان حجاز ان کی قبر و قبہ کا ذکر کرتے ہیں  
۱۳۲۲ء میں اہل نجد نے پھر اس قبہ کو منہدم کر دیا۔ ۱۳۲۵ء میں جب یہ مکہ گار جنت الملی  
میں حاضر ہوا تو جبل حجون کے دامن میں ایک کچی قبر دیکھی جو اس بزرگ کے نام سے موسوم تھی۔

## (۴) مزار حضرت آمنہ

حضرت آمنہ بنت وہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا میکہ مدینے میں تھا

اور یہ سال کے سال اپنے عزیزوں سے ملنے اور اپنے شوہر حضرت عبداللہ کی قبر کی زیارت کے واسطے بمقام ابواجو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے تشریف لیجا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جبکہ آنحضرت چھ برس کے تھے وہ حضرت عبدالطلب و حضرت ابی طالب کے ساتھ حب عادت مدینہ گئیں اور اس دفعہ آنحضرت کو بھی اپنے بھائیوں سے لانے کے لیے اپنے ہمراہ لے گئیں۔ اتفاقاً بقضائے الہی ابوا میں انھوں نے رحلت فرمائی اور وہیں دفن کی گئیں۔

اگرچہ تمام مورخ اس پر متفق ہیں اور صحیح روایتوں سے بھی یہی ثابت ہے کہ حضرت آمنہ کا انتقال ابوا میں ہوا ہے مگر بعض اہل مکہ کا زمانہ قدیم سے یہ خیال بھی چلا آ رہا ہے کہ ان کا مزار جنت المعلیٰ میں ہے۔ چنانچہ ازرتی نے اپنی تاریخ اخبار مکہ میں جو تقریباً دوسری صدی ہجری کی تالیف ہے۔ حضرت آمنہ کی قبر کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے :-

” بعض مکہ والوں کا زعم ہے کہ حضرت آمنہ بنت وہب والدہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اسی مقبرہ (معلیٰ) میں ہے۔“

اس بحث میں ازرتی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس پر اہل مکہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ کی قبر جنت المعلیٰ ہی میں ہے۔ خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے :-

” ایک روز آنحضرت چند صحابہ کے ساتھ معلیٰ کے قبرستان میں تشریف لے گئے

اور بہت سی قبروں سے گزرتے ہوئے معلیٰ کے آخری کنارے تک پہنچ کر ایک

قبر کے پاس بیٹھ گئے اور دیر تک طلب نجات فرماتے رہے۔ اس کے بعد آواز

سے رونے لگے اس پر تمام صحابہ بھی رونے لگے۔ آنحضرت صحابہ کی طرف متوجہ

ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے ابدیدہ ہوئے

آنحضرت نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا میرے رونے کی وجہ سے تم بھی روئے

اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ قبر آمنہ بنت وہب کی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس

۱۔ حضرت ابی طالب آنحضرت کے حقیقی چچا تھے ان کے علاوہ حضرت عبدالطلب کے اور بھی آٹھ

فرزند تھے جو آنحضرت کے والد کے حقیقی بھائی نہ تھے۔

۲۔ آنحضرت کے کوئی حقیقی اموں نہ تھے۔ حضرت آمنہ کے رشتے کے بھائی مدینہ میں رہا کرتے تھے۔



قبر کی زیارت کیلئے اجازت چاہی اس کی مجھے اجازت مل گئی اس کے بعد میں نے آمنہ کے لیے طلب مغفرت کی اجازت چاہی مگر اس کی اجازت نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِابْنِی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِی الْاَرْحَامِ  
یعنی نبی اور مسلمانوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کیلئے خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں دعائے مغفرت کریں۔

(اخبار مکہ از رقی عربی مطبوعہ جرمنی ص ۳۳۳)

اس کے بعد ایک دوسری جگہ از رقی لکھتا ہے:-

"بعض کے والوں کا یہ زعم ہے کہ حضرت آمنہ بنت وہب والدہ رسول اللہ کی قبر شوب ابی دُب (واقع جنت العلای) میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دار نابنہ میں ہے اور بعض مدنی کہتے ہیں کہ ان کی قبر ابوا میں ہے اور کئی حدیثیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کی قبر ابوا میں ہے۔"

(اخبار مکہ عربی مطبوعہ جرمنی صفحہ ۳۸۱ و ۳۸۲)

از رقی نے یہ نہیں لکھا کہ اُس کے زمانہ میں حضرت آمنہ کی قبر کی علامت معلیٰ میں موجود تھی یا نہ تھی۔ خیر۔ بیان مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر تین جگہ خیال کی جاتی ہے۔

(الف) قبرستان معلیٰ میں = (کے میں)

(ب) دار نابنہ میں = (مدینہ میں)

(ج) ابوا میں = (مکہ و مدینہ کے درمیان)

دار نابنہ یا نابنہ کا مکان مدینہ منورہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخ ابوالفدا جلد دوم میں ہے کہ نابنہ قبیلہ بنی نجار کا کوئی شخص تھا۔ اس مکان میں آنحضرت کے والد کا مدفن بھی خیال کیا جاتا

۱۔ یہ فقیر حضرت خاتم النبیین کے والدین کو اس آیت کا مصداق نہیں سمجھا دے مومن تھے۔ اب بھی حضرت آمنہ کی قبر کے متعلق حدیث اس کا ضعیف ہونا دوسری روایتوں سے ظاہر ہے۔

تاریخ کمال ابن اثیر جلد ششم میں حضرت عبداللہ کے مدفن کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ دار النابتہ الصغریٰ اور ایک مقام پر دار النابتہ الجعدی تحریر ہے۔ خلاصہ یہ کہ نابتہ کوئی خاتون تھیں جن کا مکان مدینہ منورہ میں تھا۔

مقام ابوا کے وقوع میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مورخ اس کو مدینہ سے (۲۳) میل بتاتے ہیں۔ بعض بلا الثقیں فاصلہ مکہ و مدینہ کے درمیان لکھتے ہیں۔ سید سمہودی مدینہ کے قرب و جوار میں اس کی نشاندہی کرتے ہیں (وفاء الوفا عربی جلد دوم ص ۲۲) ابن اثیر مولف تاریخ کمال اس کو اُحد کے قریب بتاتا ہے جو مدینہ سے جانب شمال تین میل پر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔  
جب قریش نے مدینہ پر چڑھائی کر کے اُحد کے فوج میں ڈیرے ڈالے تو انھوں نے چاہا کہ حضرت آمنہ کی قبر کو ذکر لاش نکال ڈالیں۔ لیکن کسی نے اُن سے کہا کہ تمہارے تمہاری عورتوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہیں کی۔ تم کو بھی عورتوں کی پردہ پوشی لازم ہے اس کہنے سے وہ لوگ اپنے ارادہ سے باز رہے۔

(تاریخ کمال ابن اثیر جلد ششم)

جنرل ابراہیم رفعت پاشا مراۃ المحرمین میں لکھتے ہیں کہ ابوا رابع سے جانب مدینہ تیرہ میل کے فاصلہ پر ہے (مراۃ المحرمین عربی جلد اول ص ۱۲) اس حساب سے ابوا مدینہ منورہ سے (۱۴۴) میل دور ہوا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت آمنہ کا مزار مقام ابوا میں سب بتاتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے قبر شریف دیکھی اور وہ اس ہیئت اور اس شکل کی تھی۔ اب رہی قبر حضرت آمنہ واقع جنت المعلیٰ اس کا ذکر ابن جبیر نے سنہ ۵۹۹ھ میں اور ابن بطوطہ نے سنہ ۷۲۶ھ میں کچھ نہیں کیا۔ مگر محفلہ کے مورخین فاسی سنہ ۸۱۸ھ فاکھی (سنہ ۹۰۰ھ ہجری) نے

سنہ ۸۱۸ھ رابع بحر احمر کا مشہور بندر گاہ اور قافلہ حجاج کی سب سے بڑی منزل ہے۔ جدے سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں سے مدینہ (۱۶۰) میل ہے۔ رابع میں ایک قلعہ ہے کچھ فوج رہتی ہے۔ پچاس راسخ مکان پختہ و نیم پختہ ہیں۔ عربوں کی کچھ جموں پٹریاں بھی ہیں۔ بازار میں ہر قسم کی ضروریات مل جاتی ہیں۔ بہت بڑا چائے خانہ ہے جس میں بہت سی چارپائیاں مسافروں کے لیے پڑی ہیں۔ موضع رابع سے بندر گاہ تین چار میل ہے۔

قطب الدین کی (۵۰۰ھ ہجری) اور ابن ظہیرہ (۹۱۰ھ ہجری) بھی اس قبر کی نسبت کچھ نہیں لکھتے اس لیے معلوم نہیں ہوتا کہ اُس زمانہ میں موجود تھی یا نہ تھی۔  
تیرھویں صدی کے فرنگی سیاح حجاز برکھارٹ نے ۳۲۲ھ ہجری میں مزار حضرت آمنہ واقع  
معلیٰ کی یہ کیفیت لکھی ہے:-

”مغربی سلسلہ کوہی کے نشیب میں حضرت خدیجہ کی قبر سے تھوڑی دور حضرت آمنہ  
کی قبر ہے۔ اس پر سنگ مرمر کی عمدہ لوح نصب ہے اور خط کوفی میں کتبہ کندہ  
ہے۔ وہاں لوگوں نے اس لوح کو بھی توڑ کر دھڑکڑے کر دیے تھے اور اُن ٹکڑوں کو  
بھی یہاں سے علیحدہ کر دیا تھا۔“

(سفرنامہ برکھارٹ مترجمہ خاکسار شبیر مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد دکن ص ۱۲۵)  
۲۶۹ھ ہجری میں انگلستان کا مشہور سیاح کپتان برٹن مکہ معظمہ گیا تھا اُس نے بھی حضرت  
آمنہ کی قبر اور اس کے قے کا ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے:-

حضرت خدیجہ کی قبر سے ذرا آگے بڑھ کر ہم ایک دوسرے قے پر پہنچے جو سید آمنہ  
کی قبر سمجھی جاتی ہے۔ یہاں ایک نہایت بد شکل بطنی عورت دروازے پر آئی  
اور ہم سے فاتحہ کے لیے کہا۔ جب تک ہم فاتحہ پڑھتے رہے وہ ہماری صورت  
گھورتی رہی۔ اس کے بعد اُس نے ہمارے منہ پر گلاب چھڑکا۔ اس عورت کی زبانی  
مجھے معلوم ہوا کہ یہ قبر بلا شرکت غیرے صرف ایک عورت کی جائیداد ہے۔ وہ ہر روز  
یہاں جھاڑو دینے آتی ہے اور چڑھاوا لیکر چلی جاتی ہے۔“

(سفرنامہ برٹن انگریزی جلد دوم صفحہ ۲۵۰)  
چودھویں صدی ہجری کے تمام سیاح اس قبر کا ذکر اپنے سفرناموں میں کرتے ہیں۔ ان میں  
سے یہاں صرف دو شخصوں کا بیان لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔  
جنرل ابراہیم رفعت پاشا کہتے ہیں:-

”لوگوں کا زعم ہے کہ یہاں حضرت آمنہ کی قبر ہے مگر یہ افتراء ہے وہ ابوا میں مدفون  
ہیں۔“ (مرآۃ المحرمین عربی جلد اول ص ۱۲۱)

قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ:-  
 تعجب خیز یہ ہے کہ سیدہ آمنہ والدہ رسول پاک کا روضہ بھی یہاں بنا ہوا ہے حالانکہ  
 روایات صحیحہ و قطعیہ سے واضح ہے کہ اُن کا انتقال بعام البوا ہوا۔ اور اُسی جگہ اُن کا  
 مدفن ہے۔ (الہام ص ۱۸۱)

اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ اہل نجد کی پہلی فتوحات حجاز کے وقت حضرت آمنہ کے مزار پر قبہ موجود  
 تھا یا نہ تھا اور اگر تھا تو وہ کب بنا تھا اور کس نے بنوایا تھا۔ محمد علی پاشا نے وہاں بیلوں کے حجاز سے چلے  
 جانے کے بعد جو قبہ تعمیر کرایا تھا اور جس کا ذکر زمانہ حال کے یلح کرتے ہیں وہ ۱۲۳۳ھ میں اہل نجد  
 نے حجاز پر دوبارہ تسلط حاصل کرنے کے بعد مسمار کر دیا۔ ۱۲۳۵ھ میں اس قبر کی زیارت میں نے کی۔  
 معمولی چارلوں کی زمین سے بالشت بھرا اونچی قبر ہے۔

## (۵) مزار اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ

(\*)

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آنحضرتؐ کی زوجہ محترمہ جنابہ خاتون جنت فاطمہ زہرا  
 صلوٰۃ اللہ علیہا کی والدہ ماجدہ اور جناب جنین علیہم السلام کی جدہ بزرگوار ہیں۔ عموماً مومنین اس پر  
 متفق ہیں کہ سب سے پہلے یہی ایمان لائیں اور اس میں کسی کو کلام نہیں ہے کہ عورتوں میں  
 سب سے اول انہیں نے تصدیق رسالت کی۔ یہ نہایت مالدار اور ایک معزز خاندان کی بی بی تھیں  
 عقد سے قبل آنحضرتؐ صلعم ان کا مال تجارت لے کر ملک شام تشریف لے گئے تھے لیکن  
 پہلے برس قبل آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کیا اور ان کی زندگی تک کوئی اور عقد نہیں فرمایا۔  
 آنحضرتؐ کو ان کے روپیے سے بہت مدد ملی تھی۔ ان کا اثر بھی قریش مکہ پر بہت تھا۔ سوائے  
 حضرت ابراہیم کے آنحضرتؐ کی باقی تمام اولاد انہیں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ باختلاف روایت  
 ہجرت سے تین سال قبل یا ایک سال پیشتر حضرت خدیجہ نے (۶۸) برس کی عمر میں وفات پائی اور  
 مقبرہ معلیٰ کے اُس حصے میں جو شعب بنی ہاشم کہلاتا ہے دفن ہوئیں۔



حیرت ہے کہ اورتی نے اپنی تاریخ مکہ میں حضرت خدیجہ کی قبر کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ ابن جریر ابن بطوطہ قدیم سیاح بھی اس کی نشاندہی نہیں کرتے۔ البتہ قطب الدین کی نے اس کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:-

”مقبورہ منلی میں مقام مقبولیت دعا متجرہ خدیجہؓ ہے جو شعب بنی ہاشم میں ہے۔“  
(الاعلام عربی مطبوعہ مصر ص ۱۹۸)

ابن ظہیرہ کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں:-

”یہاں کی وادیوں میں افضل ترین وہ وادی ہے جس میں حضرت خدیجہؓ کی قبر ہے“  
(جامع اللطیف عربی مطبوعہ مصر ص ۲۲۴)

حضرت خدیجہ کی قبر پر پہلی مرتبہ غالباً دسویں صدی ہجری میں قبہ تیار ہوا تھا۔ جیسا کہ قطب الدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

اُس پر لکڑی کا ایک تابوت تھا۔ اُس کی زیارت کی جاتی تھی۔ ۹۵۰ء میں امیر کبیر محمد بن سلیمان چکر دار مصر نے سلطان سلیم خاں کے زمانہ میں سنگین قبہ تعمیر کرایا۔ اور تابوت شریف پر لباس فاخرہ کا غلاف ڈالا اور یہاں خادم مقرر کیے جن کی تنخواہیں خزانہ صدقات سلطانہ عثمانیہ سے مقرر کیں جواب تک (۱۷۹۵ء) جاری ہیں۔“

(الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام عربی مطبوعہ مصر ص ۱۹۸)

۱۱۔ قطب الدین کہتے ہیں کہ یہ شخص بڑا فیاض و سخی تھا۔ اس نے حج کیا تھا۔ قافلہ شامی کا امیر حج نمکرایا تھا۔ علما و علما کی بڑی خاطر کرتا تھا۔ یہ منظر قتل ہوا۔

۱۲۔ سلطان سلیم خاں اول کا عہد حکومت ۱۵۱۷ء میں ختم ہو گیا تھا۔ یہ تعمیر سلیم ثانی کی معلوم ہوتی ہے۔ مگر ۱۵۱۷ء میں وہ بادشاہ نہیں ہوا تھا اس کا عہد سلطنت ۱۵۱۷ء سے ۱۵۲۰ء تک ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ قبہ سلطان سلیمان خاں کے زمانہ میں جس کا عہد حکومت ۱۵۲۰ء سے ۱۵۲۴ء تک ہے اُس کے ولی عہد سلیم ثانی کے حکم سے محمد بن سلیمان چکر دار نے بنوایا ہوگا۔

محمد بن سلیمان کا بنوایا ہوا قبہ غالباً تیرھویں صدی ہجری کے آغاز تک رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲۱۸ء میں اہل نجد نے مکے پر قبضہ کر کے دوسرے قبوں کے ساتھ اسے بھی منہدم کر دیا۔ بارہ تیرہ برس بعد حیب ترکوں کا حجاز پر دوبارہ قبضہ ہو گیا تو تھینا ۱۲۳۳ء ہجری میں محمد علی پاشا والی مصر نے از سر نو قبہ تعمیر کرایا۔ برکھارٹ فرنگی سیلح جو اس زمانہ میں مکہ منظرہ گیا تھا لکھتا ہے:-

اس قبر کے گرد چار دیواری کچی ہوئی ہے۔ اس میں سوائے لوح کے جس پر خط کو فی بن آیت الکرسی کندہ ہے اور کوئی دستکاری قابلِ دوہ نہیں ہے۔ اس کتبے کا رسم الخط قدیمی کو فی وضع کا نہیں ہے جس سے مجھے شبہ ہوا کہ یہ تیسرا مل میں اس قبر کا نہیں ہے۔ کتبہ پر کوئی تاریخ بھی دہی۔

شریف سرور نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اُس کو حضرت عیسیٰ کی قبر کے پاس دفن کریں۔ چنانچہ اُس کی قبر ہی اسی چار دیواری میں موجود ہے۔

(سفرنامہ برکھارٹ ترجمہ خاکسار شبیر مطبوعہ تاج پریس حیدرآباد ۱۳۵۷ھ)

برٹن جو ۱۲۶۹ء ہجری میں مکے گیا تھا وہ اس قبر کی نسبت یہ لکھتا ہے:-  
”ہم حضرت خدیجہ کے گنبد کے دروازے پر پہنچے۔ ان کی قبر پر سبز خلات پڑا ہوا تھا اور اس منقش حمارت کی دیواروں پر مدحیہ اشعار لکھے تھے۔“

(سفرنامہ برٹن انگریزی جلد دوم صفحہ ۲۵)

جنرل ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں کہ:-  
”اس قبے پر میں نے ایک طرف ۱۲۹۸ء لکھا ہوا دیکھا جس سے ظاہر ہے کہ ۱۲۹۵ء کے بعد بھی اس کی تعمیر ہوئی۔“

(مرآة المحرمین عربی تالیف ۱۲۲۱ء جلد اول صفحہ ۳۱)

میں عرض کرنا ہوں کہ ۱۲۹۵ء کا تعمیر شدہ قبہ اہل نجد نے ۱۲۱۸ء میں منہدم کیا تھا اُس کے بعد ۱۲۲۳ء میں محمد علی پاشا نے قبہ بنوایا جو ۱۲۶۹ء تک موجود تھا جس کا ذکر برٹن نے

۱۲۹۵ء میں ملاحظہ فرمایا۔ اور محاسن اخلاق میں مشہور ہیں ۱۲۸۶ء میں شریف مقرر ہوئے ۱۲۹۲ء میں وفات پائی۔

کیا ہے اس کے بعد ۲۹ھ میں بزمانہ سلطان عبدالحمید خاں اس کی تعمیر کی ضرورت ہوئی ہوگی۔  
زمانہ حال کے سیاحوں میں حاجی عبدالرحیم بنگلوری سفر حرمین تالیف ۳۲۹ھ ہجری میں  
لکھتے ہیں :-

”کسی نیک دل خوشنویس نے نہایت خوشخط لکھ کر ایک سلام فریم میں آئینہ کے  
ساتھ رکھ دیا ہے جس کسی کو مطوف ذیلے تو اسی سلام کو پڑھ لے۔ سر جانے سنہری  
حرفوں میں کلمہ طیبہ خالص سونے میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ غلاف پر زرین کام  
کیا ہے۔ رنگ بنر ہے تین غلاف ہیں۔ پہلوئے مبارک میں ایک اور قبر کی شریف  
عبدالطلب نامی کی ہے۔ یہ آل رسول ہے ورنہ اسے یہاں جگہ نہیں ملتی“

(سفر حرمین ص ۱۸۰)

۳۲۹ھ ہجری کا تعمیر شدہ قبہ الی نجد نے دوبارہ کے پرتسلط حاصل کرنے کے بعد ۳۲۲ھ  
میں مہندم کر دیا۔

اس گنہگار نے ۳۲۵ھ ہجری میں قبر شریف کی زیارت کی۔ باب علی سے جانب شمال  
کوئی ڈیڑھ سو قدم چلنے اور بہت سی قبروں سے گزرنے کے بعد دائیں جانب پہاڑ کے دامن  
میں یہ قبر ہے اور غالباً عہد اسلامی کی سب سے آخری قبر ہے۔ اس کے بعد اُن صاحبوں کے  
مزار ہیں جو حضور سرور عالم کی بعثت سے قبل فوت ہوئے۔ علی میں جب قبے تھے تو پہلا قبہ  
۱۔ ان کا زمانہ حکومت ۲۹۳ھ سے ۳۲۰ھ تک رہا۔

۲۔ حضرت عیسیٰ کے مزار پر عموماً یہ سلام پڑھا جاتا ہے۔ ضرورتاً اس میں کمی بیشی بھی ہو جاتی ہے۔  
السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَنَا يَا خَدِيجَةَ الْكُبْرَى السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا زَوْجَةَ الْمُصْطَفَى وَصْنِ اللَّهِ تَعَالَى  
عَنْكَ وَارْضَاكَ احْسِنِ الرِّضَا وَجَلِّ الْجَنَّةَ مَسْكَنَكَ وَمَا وَاكْ۔ اودعت عندك شهادة  
ان لا اله الا الله وان سيدنا محمد عبده ورسوله یعنی اسے ہماری آقا خدیجہ الکبریٰ آپ پر سلام۔ اسے محمد مصطفیٰ  
کی زوجہ محترمہ آپ پر سلام۔ اللہ آپ سے خوش ہو اور آپ کو خوش کرے۔ میں آپ کے سامنے گواہی دیتا ہوں  
کہ اللہ ایک ہے اور ہمارے سردار محمد اُس کے رسول ہیں۔

۳۔ شریف عبدالطلب ۳۲۵ھ میں چند روز کے لئے شریفین مقرر ہوئے تھے۔ برکھارٹ نے قبر شریف کی تباہی ہے

انہیں کا آنا تھا اس کے بعد حضرت عبدالمنان و حضرت عبدالطلب و حضرت ابی طالب کے قبے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خدیجہ کی قبر کے اطراف دو بڑی اور دو چھوٹی تراشیدہ پتھروں کی سلیں جمی ہوئی تھیں اور ایک تراشیدہ پتھر سر حائے نصب تھا جس پر کوئی کتبہ نہ تھا موجود۔ تسلط نجدی سے قبل بھی اس قبر کی یہی حالت تھی۔ عربین کے تمام مزاروں میں سب سے زیادہ اچھی حالت میں نے اسی قبر کی دیکھی۔

## (۶) مزار حضرت قاسم ابن رسول اللہ

(\*)

جناب رسالت مآب کے فرزند قاسم حضرت خدیجہ کے بطن سے مکہ معظمہ میں قبل بعثت تولد ہوئے تھے۔ انہیں کے نام پر آنحضرت صلعم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ ان کی وفات زمانہ شیرخواری میں ہوئی۔

مورخین کہ ان کے مدفن کا کچھ ذکر نہیں کرتے اور ان کے مزار کی نشاندہی کسی نے نہیں کی۔ فاکھی نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ آنحضرت کی اولاد ذکر سب بحالت شیرخواری کے میں فوت ہوئی قدیم سیاح بھی ان کے مدفن کے ذکر اور ان کی علامت قبر کے اظہار سے سکتے ہیں۔ زمانہ حال کے سیاح مدفونین معلیٰ میں صرف ان کا شمار ہی نہیں کرتے بلکہ ان کا نشان قبر بھی بتاتے ہیں۔ مگر اس قبر پر کبھی قبہ نہیں بنایا گیا۔ میں نے معلیٰ میں ۱۳۲۵ھ میں ایک قبر

۱۳ عام طور پر یہ شہور ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے آنحضرت کے چار فرزند ہوئے۔ طیب۔ طاہر۔ قاسم اور عبداللہ۔ اگرچہ فاکھی ان سب کی وفات مکہ معظمہ میں بتاتا ہے مگر ان میں سے دو صاحبزادوں (طیب و طاہر) کا مزار طائف میں بنا ہوا ہے۔ حیرت ہے کہ ان کی قبر وہاں کس طرح بن گئی۔ آنحضرت دو مرتبہ طائف تشریف لے گئے تھے مگر اس وقت ان صاحبزادوں کے ہمراہ ہونے کے متعلق کوئی روایت دیکھنے میں نہیں آئی۔ آنحضرت کے فرزند حضرت ابراہیم جواریہ قبیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے ان کا مدفن حنبت البقیع میں ہے بعض محققوں کی یہ رائے بھی ہے کہ آنحضرت کے دو ہی صاحبزادے تھے قاسم و ابراہیم اور طیب و طاہر انہیں مدفن کے لقب میں ایک کا طیب دوسرے کا طاہر۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کے مدفن کو (بقیہ ص ۱۳۲)



دیکھی تھی جو اس موصوم سے منسوب ہے۔ کتبہ وغیرہ اس پر کچھ نہیں ہے۔ صرف چار سلوں کا بالشت بھر اونچا ایک چوڑا ہے۔

## (۷) مقبرہ آل ابو بکر

(\*)

وسط اعلیٰ میں ایک مقام جو حجون کہلاتا ہے اور محلہ حجون کے محاذی واقع ہے۔ وہاں حضرت ابو بکر کے خاندان کی کچھ قبریں ہیں اس وجہ سے میں نے اس مقبرہ کو مقبرہ آل ابو بکر سے موسوم کیا ہے اھ گویہاں حضرت ابو بکر کے والد حضرت ابی قحافہ بھی دفن ہیں۔ مگر آل ابو بکر کی کثرت سے یہی نام سوزوں معلوم ہوا۔ اس مقبرے کے مشہور ترین مدفونین جن کی قبروں کے آثار اس وقت بھی باقی ہیں ان کا تذکرہ علاحدہ علاحدہ کیا جاتا ہے۔

(الف) عبد الرحمان بن ابو بکر۔

یہ حضرت ابو بکر کے بڑے فرزند تھے۔ ہجرت کے وقت غار میں آنحضرت کو کفار کی خبیث پینچائے تھے مگر سلسلہ میں کفار قریش کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابلہ پر جنگ اُحد میں بھی شریک تھے۔ حضرت ابو بکر نے جناب رسالت آب سے ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی اجازت چاہی تھی لیکن آنحضرت نے ان کو روک دیا تھا کہ کسی اور موقع پر اپنی تلوار استعمال کرنا۔ سلسلہ میں یہ ایمان لائے۔ بڑے بہادر اور صاف گو تھے یزید پلیدی کی ولیعہدی کے متعلق جب امیر معاویہ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے تو ایک بڑے مجمع میں انھوں نے ان کو یہ جلب دیا تھا کہ یہ کوئی کسری کا تخت نہیں ہے کہ ایک کسری مرا اور اس کا بیٹا جانشین ہو گیا۔ ہم یزید کی بیعت ہرگز نہ کریں گے۔ سلسلہ میں ان کی وفات بمقام جبل حبشی ہوئی۔ یہ مقام بقول ازرقی مکہ معظمہ سے جانبہ اسفل یعنی جنوب کی طرف جدھر ڈھلاؤ ہے بارہ میل ہے۔ ازرقی کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عبد الرحمان جبل حبشی ہی میں دفن کیے گئے۔ ان کی لاش منتقل بیتہ جلیہ منہ گزشتہ لقب ہیں اور چونکہ وہ بعد نبوت پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کو طاهر و طیب کہا گیا ہے۔

کر کے جنت المعلیٰ میں نہیں لائی گئی۔

(اخبار مکہ عربی مطبوعہ جرمنی ص ۳۲۲ و ص ۳۲۳)

مگر تاریخ ناگہی میں ہے کہ ان کا جنازہ کے لایا گیا اور اذخر میں دفن کیے گئے۔

(تاریخ ناگہی عربی مطبوعہ لپزک ص ۱۰)

تاریخ ازرقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ ان کی زیارت کے لیے جبل حبشی تشریف لے گئی تھیں۔

(اخبار مکہ عربی مطبوعہ جرمنی ص ۳۲۲)

اس کے خلاف قاضی مولوی محمد سلیمان صاحب اپنے سفر نامے میں فرماتے ہیں کہ۔

”ان کا جنازہ کندھوں پر کے لایا گیا اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر میں ان کی ولعت کے وقت موجود ہوتی تو ان کو وہیں دفن کرتی۔ جہاں ان کی وفات ہوئی تھی۔“ (الہام ص ۱۰)

قدیم سیاح و مشہور مورخ مکہ قطب الدین وابن ظہیرہ وغیرہ ان کی قبر کی کچھ نشاندہی نہیں کرتے کہ کہاں ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کے سیاحوں میں کپتان برٹن نے ان کا ذکر مدونہ معلیٰ کے ضمن میں کر کے یہ لکھا ہے کہ۔

”یہ وہ بزرگ ہیں جن کی تعظیم شیعہ، سنی، دونوں کرتے ہیں۔“

زمانہ حال یعنی چودھویں صدی ہجری کے سیاح ان کا مزار حضرت عبداللہ بن زہیر وغیرہم قبروں کے پاس بیان کرتے ہیں۔ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ ان کی قبر پر کبھی تعمیر ہوا مسئلہ اس

۱۰۔ اذخر جمع ہے اذخر کی جس کی معنی خوشبودار گھاٹس کے ہیں۔ معلیٰ میں ملک جگہ نینۃ الاذخر تھی۔ یعنی اذخر کا ٹیلہ۔

۱۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تنخیاں حضرت ابو بکر سے دو جگہ ملتی ہے۔ ایک طرف محمد بن ابوبکر سے دوسری طرف عبدالرحمان بن ابوبکر سے۔ حضرت ابو بکر کے پوتے قاسم بن محمد جناب صادق آل محمد کے نام تھے یعنی قاسم کی صاحبزادی خروہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ تھیں اور قاسم کی بیوی اسما بنت عبدالرحمان نانی تھیں۔

تقریباً وسطیٰ میں ایک قبر میں نے بھی دیکھی جس کے حاشیہ میں تھیر کی سلیں لگی تھیں کتبہ وغیرہ کچھ تھا۔  
(ب) قبر ابو قحافہ۔

یہ حضرت ابو بکر کے والد ہیں۔ ان کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ ۱۰۰ سالہ میں ان کی وفات ہوئی۔  
مورخین مکہ اذرقی قطب الدین وابن ظہیر نے ان کے مدفن و مقام دفات کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ البتہ محمد اسحاق فاہی نے ان کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے جن کی دفات مکہ معظمہ میں ہوئی۔ چونکہ ان تمام صحابہ کا مدفن جنوں نے مکہ میں رحلت کی معلیٰ ہی ہے اس لیے غالباً ان کی قبر بھی یہیں ہوگی۔ قدیم سیاح ان کے مزار کی نشاندہی نہیں کرتے۔ زمانہ حال کے سیاح معلیٰ میں ایک قبر کا پتہ بتاتے ہیں جو حضرت ابو قحافہ کے نام سے منسوب ہے۔ اس پر کبھی قتبہ تعمیر نہیں ہوا۔ ۱۰۰ سالہ میں اس گھنگارے بھی مقبرہ آل ابو بکر میں ایک قبر دیکھی جسے میرے رہنما نے کہا کہ یہ حضرت ابو بکر کے والد کا مزار ہے۔ یہ معمولی بالشت بھراونچا کچا چسبوترہ تھا۔

### ج۔ قبر عبداللہ ابن زبیر۔

عبداللہ حضرت ابو بکر کے نواسے ہیں۔ ان کی والدہ اسمائت ابو بکر تھیں۔ ان کی دادی صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اس حساب سے زبیر آنحضرت کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت حمزہ کے بھانجے تھے۔ عبداللہ بن زبیر پہلے مولود ہیں جن کی ولادت ہجرت کے بعد پہلے سال مدینہ منورہ میں ہوئی۔ مدینے کے یہودیوں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جاو کر دیا ہے۔ اب ان کے ہاں اولاد نہ ہوگی۔ اس وجہ سے ان کی ولادت پر مسلمانوں نے خوشی سے نعرۃ اللہ اکبر بلند کیا۔ یہ ان صحابہ میں ہیں جنوں نے یزید کی ہجرت نہیں کی۔ امیر معاویہ نے ان کی نسبت ان الفاظ میں رائے ظاہر کی تھی کہ ان میں شیر کی بہادری اور لومڑی کی مکاری ہے۔ معرکہ کربلا کے بعد اہل حجاز و یمن و عراق نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ ۱۰۰ سالہ میں یزید نے لیس کردگی حسین بن نمیر ایک فوج ان کو مطیع کرنے کے لیے روانہ کی۔ عبداللہ بن زبیر کے ساتھی کعبے کے گرد غیلوں میں پڑے ہوئے تھے اور یزید کی

فوج کوہ ابو قیس پر تھی۔ وہاں سے منجیق کے ذریعہ سے پتھر اور جلتی ہوئی رال کی ہانڈیاں پھینکی گئیں۔ جن سے غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی اور کعبے کی دیواریں جل کر راکھ ہو گئیں۔ یہ واقعہ سہرہ ربیع الاول ۱۲۷ھ کا ہے۔ اسی اثناء میں یزید کے مرنے کی خبر پہنچی اور حصین یہاں سے واپس ہو گیا۔ عبد اللہ نے کعبہ از سر نو تعمیر کیا۔

جب حکومت شام آل یزید سے منتقل ہو کر آل مروان میں آئی تو عبد الملک بن مروان نے ۱۲۷ھ میں تین ہزار کا ایک لشکر بہ ماتحتی حجاج بن یوسفؒ ان کو مطیع کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس کے بعد پانچ ہزار فوج بسر کردگی طاری اور بھیجی۔ غنیم نے ابو قیس پر منجیق لگائی اور کعبے کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور ان کے لشکر میں سامان خورد و نوش کی کمی ہو گئی اور دودھش میں بھی انھوں نے کوتاہی کی تو ان کے بہت سے ساتھی ان کو چھوڑ کر دشمن سے جا ملے۔ یہاں تک کہ ان کے دواڑ کے حمزہ و صیب بھی حجاج کے ساتھ ہو گئے۔ چھ مہینے ستر دن محاصرہ رہا۔ کئی مرتبہ بڑے خونریز معرکہ ہوئے۔ خاص بیت اللہ میں سخت جنگ ہوئی۔ آخر سہ شنبہ کے دن، ۱۷ جمادی الاول ۱۲۷ھ کو ابن زبیر مرنے پر مستعد ہو کر باہر نکلے۔ دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ اُس کو ڈھیلکتے ہوئے جوں تک لے گئے اور خود اپنے ہاتھ سے بہت لوگوں کو مارا۔ شامی لشکر ان پر اینٹ پتھر اور تیروں کا مینہ برسا رہا تھا۔ ایک پتھر ان کے سر پر لگا جس نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس طرح تہتر برس کی عمر میں نو برس کی پر آشوب خلافت کے یہ بعد میدان جنگ میں مارے گئے۔ اہل شام ان کا سر کاٹ کر حجاج کے پاس لائے اُس نے سجدہ شکر ادا کیا اور شایوں نے براہ آواز بلند تکبیر کہی۔ حجاج نے ان کا سر عبد الملک کے پاس دمشق بھیج دیا اور ان کی لاش کو معطلے کے حصہ جوں میں بمقام شنیۃ المدینہ صلیب پر اٹھا لکھایا۔ جو بہت دن تک لٹکی رہی بالآخر ان کے بھائی عروہ ابن زبیر نے عبد الملک سے ملکر اُس کے دفن کی اجازت حاصل کی اُس بوسیدہ لاش کو ان کی والدہ نے غسل دیا۔ عروہ بن زبیر نے نماز جنازہ پڑھائی اور غالباً اسی جگہ جہاں ان کو صلیب دی گئی تھی سپرد خاک کر دیا۔ (توضیحاً ان کی والدہ کی قبر کے حالات ملاحظہ ہوں) مکہ معظمہ کے مورخ فاہی وغیرہ یہ تو کہتے ہیں کہ وہ مکے میں دفن ہوئے مگر ان کی قبر کی کوئی صراحت نہیں کرتے

فیروز کا حساب نہیں لکھتا میں یہاں اور خط لکھتا ہوں

۱۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک فوجی و فاضل تھا۔ عالم اسلام میں یہ بڑا ظالم گزرا۔ ہر ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا خون اس کی گردن پر ہے اور



زمانہ قدیم میں ان کی صلیب گاہ پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی جس کا ذکر ابن جبیر نے ۵۷۹ھ میں اور ابن بطوطہ نے ۷۲۶ھ میں کیا ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ عمارت کیا تھی قبیہ تھا یا اور کچھ۔ اور وہ کس نے بنوائی تھی۔ اس وقت بھی وہ عمارت ثابت نہ تھی۔ صرف ایک نشان باقی رہ گیا تھا۔ عمارت کو اہل طائف نے منہدم کر دیا تھا کہ لوگ اس کو دیکھ کر حجاج پر لعنت کرتے تھے اور حجاج اہل طائف سے تھا۔

(ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر ص ۸۴)

مکہ معظمہ کی تاریخوں میں اس کا پتہ مجھ کو نہ ملا کہ ان کی قبر پر کس زمانہ میں قبیہ بنایا گیا۔ مورخین کہہ تو ان کی قبر کی نشاندہی بھی نہیں کرتے۔ البتہ چودھویں صدی کے سب سائح ان کی قبر معلیٰ میں بتاتے ہیں۔ عباسی علمی پاشا خدیو مصر کے سفرنامہ حجاز تالیف ۳۲۴ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر پر بھی قبیہ تھا جو شریف عون الرفیق نے منہدم کر دیا۔ غالباً یہ قبیہ محمد علی پاشا کا بنوایا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد پھر کوئی قبیہ تعمیر نہیں ہوا۔ اور ۳۴۲ھ میں اہل نجد کو ان کی قبر کی تراش خراش کی تخلیف گوارا نہیں کرنی پڑی۔ ۳۴۵ھ میں اس گنہگار نے جنت المعلیٰ کی زیارت کے وقت تقریباً وسط میں مقام حجون ایک قبر دیکھی۔ جو زمین سے بالشت بھرا اونچی تھی۔ اس کے اطراف سلیں رکھی ہوئی تھیں کوئی کتبہ نہ تھا۔ یہ قبر انھیں کے نام سے موسوم تھی۔

۵۔ اسما بنت ابوبکر۔

اسما حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور عبداللہ ابن زبیر کی والدہ ہیں یہ ہجرت سے ستائیں سال قبل مکہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور ہجرت سے قبل ایمان لائی تھیں۔ ان کے فرزند عبداللہ بن زبیر کے حالات اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ میدان جنگ میں جاتے وقت جو گفتگو ان ماں بیٹوں میں ہوتی ہے وہ عرب کی تاریخوں میں یادگار ہے کہ کس طرح سو برس کی ایک ضعیف ماں اپنے لڑکے کو مرنے کے واسطے میدان کا رزار میں بھیجتی ہے۔ جب عبداللہ دشمنوں کے زرخے میں بڑی طرح پھنس گئے تو مرنے پر تیار ہو کر قتل میں جانے کے واسطے اپنی ماں سے ملنے گئے۔

اور کہا اے ماں۔ مجھے لوگوں نے دھوکا دیا۔ یہاں تک کہ میرے لڑکوں نے بھی دشمن سے مل کر مجھے ذلیل کر دیا۔ اگر میں چاہوں تو دشمن مجھے دنیا دے سکتے ہیں۔ اس میں تمھاری کیا رائے ہے؟

آسمانے جواب دیا اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لوگوں کو اپنی طرٹ بلاتے ہو تو جو کچھ کر رہے ہو کیے جاؤ۔ تم اپنی گردن ایسی رستی میں مت پھنساؤ جس سے بنی امیہ کے چھوکرے کھیلے۔ اگر تمھارا خیال دنیا حاصل کرنے کا تھا تو تم نے اچھا کام نہ کیا۔  
عبداللہ نے کہا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر کے میری کھال کھینچیں گے۔ اور صلیب پر چڑھائیں گے۔

آسمانے جواب دیا جب بھیڑ ذبح کر ڈالی گئی تو پھر اُس کو پروانہ کرنی چاہیے۔ خواہ قتالی اُس کی کھال کھینچے یا اُس کا قیمہ کر ڈالے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو ہمت کے ساتھ کیے جاؤ اور خدا سے مدد کے طالب رہو۔

عبداللہ نے اپنی ماں کی پیشانی کو چوما اور کہا یہی میری رائے ہے۔ میں صرف آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا تھا۔ رخصت ہوتے وقت جب آسمانے ان کو گلے لگایا تو ان کے جسم میں زرہ معلوم ہوئی۔ پوچھا یہ کیوں پہن رکھی ہے کہا اطمینان کے لئے۔ ماں نے کہا دل قوی ہونا چاہیے۔ ایسی چیمڑوں سے کیا اطمینان ہوتا ہے۔ معمولی لباس کافی ہے۔  
عبداللہ نے زرہ اتار دی۔ آستینیں چڑھائیں۔ عبا کے دامن کمر سے باندھ لیے۔ بسم اللہ کہہ کر گھر سے نکلے۔ اور میدان کا رزار میں عربی شجاعت کا ایک ہتھوڑا دکھادیا۔

عبداللہ کے قتل کے بعد حجاج بن یوسف نے اسما کو بلایا تھا کہ طعنے دے کر اپنے دل کا سناں نکالے مگر یہ نہیں گئیں۔ حجاج نے کہلا بھیجا کہ اگر تم نہ آؤ گی تو میں ایسے لوگوں کو بھیجوں گا جو سر کے بال پکڑ کر تم کو گھسیٹتا ہوا لائیں گے۔ یہ اب بھی نہ گئیں۔ آخر حجاج خود ان کے پاس گیا اور ازراہ طعن پوچھا۔ تم نے دیکھا تمھارے بیٹے کا کیا حشر ہوا؟ بڑی بی نے جواب دیا۔ ہاں تم نے اُس کی دنیا خراب کر دی۔ اُس نے تمھارا دین بگاڑ دیا۔

عبداللہ کے مصلوب ہونے کے تین دن بعد اسما کا گزر اُن کی صلیب گاہ پر ہوا۔ اپنے

بیٹے کی لاش لٹکی ہوئی دیکھ کر کہا:۔

گیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہ سوار اپنی سواری سے اترے۔

اسما کی دعا تھی کہ بیٹے کی لاش دفن کرنے کے بعد وہ مریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ روایت مشہور عبداللہ کی لاش دفن ہونے کے دس دن بعد ۲۷ جمادی الاول ۳۲۵ھ کو انھوں نے وفات پائی۔ میرے خیال میں اسما کی تاریخ وفات جو عام مورخ بتاتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ عبداللہ ۲۷ جمادی الاول ۳۲۵ھ کو قتل کیے گئے۔ ان کے بھائی عروہ نے دمشق جا کر ان کے دفن کی اجازت حاصل کی۔ عروہ کے مکہ معظمہ سے دمشق تک جانے آنے میں کم سے کم ایک مہینہ صرف ہوا ہوگا۔ اس کے بعد اور دس دن شمار کیے جائیں تو ۲۷ جمادی الثانی ۳۲۵ھ حضرت اسما کی تاریخ وفات قرار پاتی ہے۔

مورخین مکہ اور قدیم سیاح حجاز حضرت اسما کی قبر کا ذکر نہیں کرتے۔ محمد اسحاق فاکھی نے ان کے دادا اور ان کے بھائیوں کی وفات کا ذکر تو کیا ہے کہ مکے میں ہوئی مگر ان کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ چودھویں صدی ہجری کے سیاح ان کا دفن معلیٰ میں بتاتے ہیں اور ان کی قبر کی نشاندہی کرتے ہیں مگر اس پر قبے کا ذکر کوئی نہیں کرتا۔ ۳۲۵ھ میں اس گھنگار نے مقبرہ آل ابو بکرؓ میں عبداللہ بن زبیر کی قبر کے پاس ایک قبر دیکھی جس کو میرے رہنماؤں نے کہا کہ اسما بنت ابوبکر کا مزار ہے۔ اس قبر کی بھی وہی شکل تھی۔ جس کی حیرت دوسری قبروں کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

## (۸) عبداللہ ابن عمرؓ

(\*)

کثرتِ شہرت کے باعث اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب کے حالات تفصیل سے بیان کیے جائیں۔ اہل سنت کی کتب احادیث میں دو ہزار سے زائد حدیثیں ان سے روایت کی گئی ہیں۔ ۳۲۵ھ میں جلعج بن یوسف کے

اشارہ سے کسی شخص نے ان کو زہر آلود خنجر سے زخمی کیا تھا جس سے یہ جاں بر نہ ہو سکے اور چوراسی برس کی عمر میں بمقام مکہ وفات پائی۔ ان کے مدفن کے متعلق اختلاف ہے۔ ازرقی کہتا ہے:-

”وہ اُس وقت اپنے دوست خالد بن اُسید کے مکان میں مقیم تھے۔ وقت وفات انہوں نے اپنے دوست کو وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حجاج بن یوسف نے پڑھائے۔ چنانچہ خالد نے رات کے وقت اپنے مکان کے دروازے کے پاس نماز جنازہ پڑھائی اور اُس مقبرے میں جو ثنیۃ الاذاخر کے متصل ہے کھجوروں کے اعلیٰ میں دفن کر دیا۔“

(اخبار مکہ عربی مطبوعہ جرمنی ص ۱۲۳)

جاراٹ محمد ابن ظہیر کہتے ہیں کہ:-

”رات کے وقت چونکہ ان کی تدفین ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ان کی قبر پوشیدہ ہے“

(جامع اللطیف عربی مطبوعہ مصر ص ۳۴۰)

تقی الدین فاسی کہتا ہے:-

”اُن کی قبر محصب کی جانب مشرق ثنیۃ الاذاخر میں ہے۔ بعضوں کا یہ زعم ہے کہ ان کی قبر جوں میں ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی قبر اُس ٹیلے پر ہے جو جوں کے محاذی ہے“ (شفا العزائم عربی مطبوعہ لڑک ص ۸۲۲)

۱۔ آنحضرت کے زمانے سے یہ دستور تھا کہ نماز جنازہ والی شہر پڑھتا تھا۔ اس دستور کے بموجب بعض اوقات بھی اچھے اچھے صحابہ کی نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ چنانچہ امام حسن علیہ السلام کی نماز جنازہ سید بن ہریرہ والی مدینہ نے پڑھائی تھی اور اس کو امام حسین علیہ السلام نے بکراہت اجازت دی تھی۔

۲۔ ثنیۃ۔ ٹیلا۔ اذاخر۔ خوشبودار گھاس۔ جمع اذخر کی ہے۔

۳۔ قبرستانِ معلیٰ کا وہ حصہ جو قبرستانِ معلیٰ میں داخل ہونے کے بعد دائر کے بائیں جانب نظر آتا ہے وہ جوں ہے۔ وادی محصب یہیں سے شروع ہو جاتی ہے اس طرف کچھ مکانات بھی ہیں جن کی وجہ سے اس آبادی کا نام محلہ جوں ہے۔



اسد النبا فی معرفۃ الصحابہ میں ان کا مدفن با اختلاف روایات حسب ذیل چار جگہ بیان کیا گیا ہے:-

(۱) محصب

(۲) ذی طوی

(۳) فنج

(۴) سرف

(مرآۃ المحررین عربی مبلووع مصر جلد اول ص ۲۹)

محصب ایک وادی ہے جو مکہ کی طرف معالی سے شروع ہوتی ہے اور منیٰ کی جانب سبیل الست پر ختم ہوتی ہے۔ آنحضرت نے منیٰ سے مکہ واپس ہوتے وقت محصب میں قیام فرمایا تھا اس لیے حاجیوں کے لیے یہاں قیام کرنا مستحب ہے۔

ذی طوی مکہ کے جانب غرب تین چار میل کے فاصلہ پر ایک بلند مقام ہے۔ اہل اس کو آبار الزاہر کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام زاہر کے کنوئوں کی وجہ سے پڑ گیا ہے۔ فنج مکہ معظمہ سے تین چار میل کہا جاتا ہے۔ مورخ اس کو مسجد تنعیم سے آگے بتاتے ہیں۔ جہاں سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ میرے رہنماؤں نے اس کے نام سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ موضع سرف مکہ معظمہ سے جانب شمال و مغرب مدینے کے رستے میں درب سلطانی پر واقع ہے۔ مورخین و سیاح مکہ سے اس کا فاصلہ دس پندرہ میل تک بتاتے ہیں۔ کم سے کم سات آٹھ میل کہا جاتا ہے۔ یہاں ام المومنین حضرت میمونہ کا مزار ہے تو ضیاً سرف کے حالات حضرت میمونہ کی قبر کے ذکر میں ملاحظہ ہوں۔

مذکورہ بالا چار پانچ مقامات کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر کی قبر مقام شہدائیں بھی موجود ہے۔ یہ جگہ مکہ معظمہ سے جانب شمال مدینے کی راہ سلطانی پر کوئی تین میل ہے۔ مگر مورخین مکہ

منیٰ کے پاس ایک بڑا سنگین حوض ہے جو سبیل الست کہلاتا ہے۔ حج کے زمانہ میں اسے نہر زبیدہ کے پانی سے بھر دیتے ہیں۔ سبیل ایک چھوٹی ٹیسی عمارت ہوتی ہے جو اکثر حوض کے کنارے بنادی جاتی ہے۔ مسافر وہاں پانی پینے ہنار پڑھنے، اور آرام لینے کے لیے ٹہرتے ہیں۔ ”رست“ مخفف ہے سیدہ کا۔

اس جگہ ان کی قبر نہیں بتاتے تفصیل کے لیے فصل دوم میں حالات قبرستان شہداء اور ملاحظہ فرمائے جائیں۔

مذکورہ بالا سات مقامات میں سے جو عبداللہ بن عمرؓ کے مدفن بیان کیے جاتے ہیں۔ تین مقام (۱) ثنیۃ الاذاخر (۲) محصب (۳) جون تو قبرستان معلیٰ ہی کے مختلف حصے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ کی قبر جو معلیٰ میں موجود ہے وہ ان تینوں مقامات پر حاوی ہو سکتی ہے۔ لیکن بقیہ چار مقامات (۴) ذی طوی (۵) فح (۶) سرف (۷) شہداء۔ جنت المعلیٰ سے اور نیز ایک دوسرے سے کئی کئی میل کے فاصلہ پر ہیں۔ ذی طوی فح اور سرف میں علامت قبر بھی نہیں ہے۔ سرف کے متعلق جلال الدین محمد بن جبار اللہ ابن اہلیرہ کہتے ہیں کہ وہاں بجز حضرت یسوز کے اور کسی صحابی کی قبر نہیں ہے۔

۳۴۵ء میں اس گنہگار نے معلیٰ میں ایک قبر دیکھی جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب تھی۔ آجکل اس جگہ کو محصب کہتے ہیں۔ اس پر قبہ پیشتر بھی نہ تھا۔ تقریباً باشت بھرا اونچی قبر ہے جس کے چار طرف پتھر رکھے ہیں۔ کتبہ نہیں ہے۔ یہی حالت ان کی قبر واقع میدان شہداء کی ہے۔

## (۹) معلیٰ کے بعض دوسرے مزار

(♦)

مزارات معلیٰ میں ہم نے صرف اُن قبروں کا ذکر کیا ہے جن کی زیارت بطور خاص حجاج و زائرین کرتے ہیں اور چونکہ مدفونین معلیٰ میں وہ زبردست شخصیت رکھتے ہیں اس لیے اُن کے مختصر حالات بھی درج کر دیے ہیں۔ اگر اُن تمام صحابہ و تابعین کا تذکرہ کیا جائے جو بہ قیاس غالب یہاں دفن ہیں۔ اور جن کی قبروں کا اب کوئی اثر آثار بھی نہیں ہے تو ایک بڑی بڑی کتاب بن جائے تاہم اُن علماء و فقہاء و مشائخین وغیرہ کے نام یہاں ہم بھی لکھ دیتے ہیں جن کو بعض مورخوں اور سیاحوں نے معلیٰ کے سونے والوں میں گنایا ہے۔

(۱) الفضیل بن عیاض (۲) شیخ تقی الدین نسکی (۳) شیخ عبداللہ بن عمر المعروف بہ ملوشی

(۴) شیخ عبداللطیف نقشبندی رومی (۵) سفیان بن عیینہ (۶) شیخ ابوالحسن شولی (۷) شیخ خلیل المالکی۔

(الاعلام ص ۱۹۸)

(۸) امام الحرمین عبدالرحمن بن عبدالحمید (جامع اللطیف ص ۳۴۷)

(۹) ابو جعفر منصور خلیفہ بغداد (۱۰) ابی لہب (سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول)

(۱۱) محمد علی پاشا والی مصر کی بیگم (۱۲) شریف محمد بن عون (رحلہ انجازیہ خدیو عباس علمی پاشا)

(۱۳) ملا علی قاری (۱۴) سید احمد رفاعی (۱۵) ابوالبرکات شیخ عثمان ہارونی (۱۶) حضرت طاؤس

(رفیق الحجاج و سفر حرمین)

مکہ معظمہ کے مطوت مذکورہ بالا اشخاص میں سے لمحاظ اپنے عقیدے اور معلومات کے بعض کی قبروں پر فاتحہ پڑھاتے ہیں۔ ان میں سے نمبر (۲) سے نمبر (۸) تک کی قبریں زمانہ دراد سے لاپتہ ہیں۔

## (۱۰) محلی میں قبروں کیلئے زمین

جس طرح ہندوستان کے مشہور قبرستانوں اور درگاہوں کی زمینیں قبروں کے لیے فروخت ہوتی ہیں اور تیکہ دار کھلم کھلا یہ بیوپار کرتے ہیں۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں بھی قبرستان محلی بعض لوگوں کی الماک بن گیا تھا۔ ہر قبر کے مجاور اُس کے آس پاس کی زمین پر قابض ہو گئے تھے اور یہاں کے گڑنے والوں سے خاطر خواہ رقمیں وصول کیا کرتے تھے۔ جنت کے اس ٹکڑے میں زمین کا مفت ملنا و شواہ تھا۔ غریب غریبا اور لاوارث مُردے یا تو ادھر ادھر کہیں دفن کر دیے جاتے تھے یا محلی ہی میں مقدس قبروں سے دور کہیں دبا دیے جاتے تھے۔ زمین کی قیمت مرنے والے کی حیثیت اُس کے وارثوں کی وجاہت اور اُس بزرگ کی خدمت کے لحاظ سے لی جاتی تھی جس کے

۱۔ اس کا ذکر کتاب ہذا کے باب دوم فصل دوم میں حضرت فض زکیہ کے حالات میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ ابی لہب کی قبر حجون میں پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔ جزائر اور مر سے گزرتا ہے۔ لا حول پڑھ کر ان پتھروں میں افاضہ کر جاتا ہے۔

جوار میں دفن ہونے کی کوئی وصیت کرتا تھا لہذا مرنے کے وارث اپنے عزیز کو تہ خاک کرنا چاہتے تھے رسادات حضرت خدیجہ الکبریٰ کے روضہ مبارک کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے تھے شیعوں کی قبریں اکثر حضرت عبد المطلب کے مقبرے کے حوالی میں ہوتی تھیں فاروقی عمو حضرت عبد اللہ بن عمر کی پائینتی گڑنا پسند کرتے تھے اور مدینہ مقبرہ آل ابوبکر میں جگہ ملنے کے خواہشمند رہتے تھے۔ اب سے چالیس پچاس برس قبل سمولی زمین میں ایک ایک قبر کی قیمت دس دس روپیے اور حضرت خدیجہ کے قرب و جوار میں بیس بیس روپیے تھی۔ ضروریات زمانہ کے ساتھ ساتھ قبروں کی زمین بھی بھاری بھاری قیمت پر جانے لگی تھی اور موقع محل کے لحاظ سے ایک ایک قبر کی قیمت سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیے تک چڑھ گئی تھی معالیٰ میں بنی بنائی قبریں بھی پہلے سے تیار رکھی جاتی تھیں۔ یہ ایک قسم کے تہ خانے تھے جو بعض مشہور بزرگوں کی قبروں کے متصل یا ان کے مناسب مقام پر رکھو دیے گئے تھے۔ ان میں ایک دردادہ ہوتا تھا جس پر پتھر کی سل ڈھکی رہتی تھی جب کوئی میت ان میں رکھنے کے لیے لائی جاتی تو دروازے کا پتھر ہٹا کر ایک شخص میت کا سر اپنے ہاتھوں میں بٹھالے اندر اتر جاتا۔ دو آدمی قبر کے باہر مردے کی ٹانگیں پکڑے اوپر سے آہستہ آہستہ چھوڑتے جاتے۔ تہ خانے والا شخص مردے کو سنبھال کر اندر لٹا دیتا اور کافور و نمک چھڑک کر باہر نکل آتا تھا۔ چند روز میں زمین کی شوربت اور کسے کی گرم آب و ہوا کے اثر سے گوشت پوست سب گل گلا کر مٹی ہو جاتا تھا۔ کچی کھچی ہڈیاں معالیٰ کے سپارڈوں میں پھینک دی جاتی تھیں اور پھر یہ بچھونا نئے آنے والوں کے لیے تیار کر دیا جاتا تھا۔ معالیٰ میں ایسے کئی تہ خانے تھے جو ہمیشہ کام دیا کرتے تھے اور مجاوروں کی نیت کی برکت سے ان میں اس قدر گنجائش تھی کہ دنیا جہاں کا مردہ وہاں گڑ سکتا تھا۔

بعض مالدار مصری و ہندوستانی حاجی اس خیال سے کہ ان کا عزیز خواں بگاہ معالیٰ میں چین کی نیند سوتا رہے اور کوئی اُس کے آرام میں خلل انداز نہ ہو۔ قریب تہ خانے کی قیمت ادا کرنے کے بعد قبر کی تھا کے لیے نیکہ داروں کی سالانہ تنخواہیں مقرر کر دیتے تھے۔ جب تک تنخواہ پہنچتی رہتی تھی وہ قبر اُسی مردے کے نام سے موسوم رہتی تھی۔ کتبے پر نام بھی اُسی کا کندہ رہتا تھا مگر دوسرے مردے بھی اُس میں آتے جاتے رہتے تھے۔ رادھر تنخواہ موقوف ہوئی۔ رادھر کتبہ اکھاڑ دیا۔ پھر وہی



قبر کسی اور نام سے منسوب ہو جاتی تھی۔ اور دوسرا کتبہ لگا دیا جاتا تھا۔ اس طرح ایک ایک قبر میں کئی کئی مُردے آتے تھے اور چلے جاتے تھے اور ایک ہی قبر پر کبھی کسی کا اور کبھی کسی کا کتبہ نصب ہو جاتا تھا۔

اب حکومت نجد نے معالیٰ کو تخیہ داروں کے ہاتھ سے چھڑا کر وقت کر دیا ہے۔ قبر کی زمین اور تہہ خانوں کی خرید و فروخت موقوف ہو گئی ہے۔ کفن کھسٹ تخیہ دار اگرچہ کھلے خزانے اب یہ بیوپار نہیں کرتے مگر میں نے سنا کہ غسال و گورکن مُردے کو کسی اچھی جگہ لیجا کر رکھنے اور کسی بزرگ کے پڑوس میں قبر کھودنے کی اجرت کچھ زیادہ ہی وصول کر لیتے ہیں اور چھپا چوری اُس میں سے تنکیہ داروں کو بھی کچھ مل ہی جاتا ہے تاہم اب یہ ناجائز تجارت قریب قریب بند ہو گئی۔

۱۵۔ پردیسی حاجیوں کے غسل میت کا انتظام عموماً سلوٹ کرتے ہیں اور وراثت کے میت کی حیثیت کے اعتبار سے غسالوں کو رقم دلائی جاتی ہے۔ کم سے کم چار پانچ روپیہ دینے پڑتے ہیں۔ اس میں سلوٹوں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ تختہ غسل و تابوت کرایہ سے ملتا ہے۔ یہ بھی حیثیت پر منحصر ہے۔ مگر دو ڈھائی روپیہ اس کے بھی لے لیتے ہیں۔ میت کی قبرستان تک پہنچائی کا حساب عموماً اُس فاصلہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ جہاں سے جنازہ لے جاتے ہیں۔ یہ نظر ثاب نماذ جنازہ کے لیے بیت اللہ میں میت کا لے جانا ضروری ہے۔ یہاں سے پھر معالیٰ پہنچاتے ہیں اور اس طرح غسالوں کو کم سے کم ڈیڑھ میل تو چلنا ہی پڑتا ہے۔ اس کی مزدوری اقل درجہ پانچ چھ روپیہ دینی ہوتی ہے۔ مجلس حاجیوں کے دفن کا انتظام سرکار سے ہو جاتا ہے۔ میں نے سنا کہ حکومت نجد نے حاجیوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق قواعد مقرر کر دیے ہیں اور اب غسالوں اور سلوٹوں کو اس میں وہ موقعے حاصل نہیں رہے جو پہلے تھے شیعوں کی نماز جنازہ شیعہ طریق پر اولاً مکان میں پڑھا دیتے ہیں۔ پھر بیت اللہ میں لیجا کر اہل سنت کے طریق پر پڑھاتے ہیں۔ اگر بیت اللہ میں نہ لے جائیں تو کوئی روک ٹوک بھی نہیں ہے۔ میں ایک مرتبہ ایرانی سلوٹ مرزا طاہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُس وقت ایک ایرانی حاجی کا جنازہ اُن کے مکان سے باہر آیا۔ اور نماز جنازہ وہیں پڑھائی گئی۔ میں نے پوچھا کیا بیت اللہ میں بھی نماز کے لیے میت کو لے جائیں گے۔ کجا میت کے وراثت اتنی مزدوری دینے کے لیے تیار نہیں ہیں اس لیے پاس کے پاس معالیٰ میں پہنچائے دیتے ہیں۔

## (۱۱) مزاراتِ معلیٰ کی صحت و عدم صحت

اگرچہ تیرہویں چودھویں صدی ہجری کے عام سیاحانِ حجازِ حبتِ المعلیٰ میں حضرت عبدالمنان و حضرت عبدالطلب اجدادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت ابی طالب عمِ رسول اللہ حضرت آمنہ بنت وہب والدہ ماجدہ سرور کائنات حضرت خدیجہ زوجہ رسول اللہ۔ حضرت قاسم ابن رسول اللہ۔ حضرت ابو قحافہ والد حضرت ابو بکر۔ حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر و اسماء بنت ابوبکر و حضرت عبداللہ بن زبیر و حضرت عبداللہ بن عمر و غیر ہم اصحاب کی قبروں کی نشاندہی کرتے ہیں مگر مورخین مکہ اور قدیم سیاح ان میں سے اکثر و بیشتر اصحاب کی قبروں کی صراحت سے سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا قبروں میں سے بہت سے اصحاب کی قبروں کا پتہ تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل تک رہا۔ ابن حبیب رحمہ اللہ نے سترہویں جج کیا تھا۔ جنتِ المعلیٰ کے مدفونین کے متعلق لکھتے ہیں:-

”مزار کہنہ و بے مرست ہو گئے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو اہل مزار کے نام تک یاد نہیں۔“

ابن بطوطہ نے بھی ۷۲۶ھ میں یہی رائے ظاہر کی ہے:-

”اُس جگہ میں صحابہ و تابعین و علماء صلحا کے جم غفیر کا مدفن ہے۔ مگر ان کے مشاہد

کہنہ و بے نشان ہو گئے ہیں کہ اہل مکہ کو ان کا علم نہیں رہا۔ الا چند مشاہد کے“

مزاراتِ معلیٰ کی عدم صحت کے بارے میں جمال الدین بن محمد جبار اللہ ابن ظہیر

مؤلف کتاب جامع اللطیف کی رائے قابلِ غور ہے۔ یہ کتاب سلسلہ ہجری میں تالیف ہوئی

ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

”مقبرہ معلیٰ میں سادات و صحابہ و تابعین و اکابر علماء و صلحا مدفون ہیں لیکن صحابہ

سے اس وقت کسی کی قبر کا صحت کے ساتھ یقین نہیں کہ کہاں ہے۔“

(جامع اللطیف عربی مطبوعہ مصر ص ۱۷۷)

اعلیٰ کی قبروں کی صحت یا عدم صحت کی بحث مزارات کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ زمانہ قدیم  
 میں قبروں کے لاپتہ ہو جانے کے وجہ جنت البقیع کے حالات میں درج کیے جائیں گے یہاں  
 صرف اس قدر عرض کر دینا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ جن صحابہ کے مقبرے اس وقت جنت اعلیٰ  
 میں بنے ہوئے ہیں گو وہ فرضی ہی بھی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سے اکثر کا  
 مدفن جنت اعلیٰ ضرور ہے۔ خواہ وہ مدفن موجودہ قبریں ہوں یا اعلیٰ کا کوئی اور گوشہ۔ ایسے بڑے  
 قبرستانوں میں ہم کو کسی بزرگ پر سلام و فاتحہ پڑھنے کے لیے کوئی خاص قبر یا قبۃ کی تلاش نہ کرنی  
 چاہیے۔ جنت اعلیٰ ہو یا جنت البقیع۔ یہ سب شہیداں ہیں یہاں کی خاک کا ایک ایک ذرہ ایک  
 ایک بزرگ کی قبر ہے ۛ

jabir.abbas@yahoo.com

# فصلِ دوم

## مکے کے بعض دوسرے قبرستان

(\*)

### (۱) قبرستان منہ

منہ مکہ معظمہ سے کوئی دو کوس جنوب شمال واقع ہے۔ یہ ایک وادی (گلی) ہے جس کی لمبائی میل بھر ہوگی۔ اس کے چاروں طرف اونچے اونچے خشک بنجر اور ٹھلے ہوئے پہاڑ ہیں۔ اس کے بیچ میں عرفات کو سڑک جاتی ہے۔ وادی منہ میں دونوں طرف کے والوں کے ساتھ عرفات مکہ معظمہ سے جنوب شمال نو کوس ہے۔ یہاں ایک بڑا میدان اور ایک پہاڑی ہے۔ جسے جبل عرفات کہتے ہیں اور اس کے متصل ایک اور پہاڑی چوٹی ہے جو جبل رحمت کہلاتی ہے۔ نویں ذیحہ کو تمام حاجی یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ حالتِ شریعت میں بھی یہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ دو توف عرفات حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ جس کے بغیر حج کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ زوالِ آفتاب کے وقت سے غروبِ آفتاب تک یہاں حاجی ٹھہر کر توبہ و استغفار میں مصروف رہتے ہیں۔ پہاڑی کے نزدیک ایک مسجد ہے جسے مسجد ابراہیم کہتے ہیں۔ یہاں امام خطبہ پڑھتا ہے جو تین بجے شروع ہو کر سرِ غرب ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن حاجیوں کا مجمع چونکہ دور دور تک پھیلا رہتا ہے اس لیے صرف قریب ہی کے حاجی شریعت کی تعمیل کرتے رہتے ہیں اس روز تمام حاجی ننگے سرنگے بدن حالتِ احرام میں ایک چادر باندھے ایک چادر اوڑھے ہوتے ہیں۔ قیامِ عرفات کے بعد ہر شخص حاجی کے مقدس خطاب سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ عرفات کی تکمیل کیفیت سفرنامے میں عرض کی گئی ہے۔



سو ڈیڑھ سو دو منزلہ وہ منزلہ مکان ہیں۔ راستے سے ہٹے ہوئے اور بھی چھوٹے بڑے مکان ہیں اور ان سب کی مجموعی تعداد ایک ہزار ہوگی۔ یہ برس بھر تک خالی پڑے رہتے ہیں۔ اور صرف حج کے دنوں میں پانچ چھ دن کے لیے کرایہ پر اٹھا دیے جاتے ہیں۔

زمانہ حج میں وادی سننے ایک بازار بن جاتی ہے اور خورد و نوش کی تمام ضروریات اور مختلف سالانہ یہاں مل جاتا ہے۔ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں یہاں میں نے خر بوزے۔ تازہ شیریں آلو بخارے اور اعلیٰ درجہ کے آٹو خریدے تھے۔ منے میں حاجی ۸ روپیہ حج کی سہ پہر تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور پانچ نمازیں یہاں ادا کرنے کے بعد نویں کی صبح کو عرفات روانہ ہو جاتے ہیں۔ واپسی میں پھر دس تا بیس سے تیرہ تک یہاں ٹھہرنا مستحب ہے۔ رمی الجملات (شیالین پر کنسکریاں مارنا)

۱۷۔ اگرچہ منے میں کوئی مستقل آبادی نہیں ہے اور حفاظت و نگہانی کے سالانہ بھی یہاں ہوتا نہیں ہے۔ نہ کوئی پولس کا تعین ہے نہ چوکی۔ مگر یہ مکانات بالکل محفوظ رہتے ہیں۔ ان کی لکڑیاں دروازے وغیرہ کوئی چر کر نہیں لے جاتا۔ عرب کے لوگ نقدی پر زیادہ ہاتھ مارتے ہیں۔ نقب زنی کے عادی نہیں۔ اور کاٹ کھا چھانڈا اپنے لیے ڈکے سمجھتے ہیں۔

۱۸۔ اس زمانہ میں یہاں کے مکانوں کا کرایہ بہت گرا ہوا ہے۔ میں ایک بنگلے میں جو سربراہ واقع تھا مقیم ہوا تھا اور بھی حاجی اس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہر شخص سے ایک ایک اشرفی لی گئی تھی اور اس کے معاوضہ میں ایک بستر کی جگہ مل گئی تھی۔

۱۹۔ خر بوزے تہذیب اور کھیرے یہاں وادی فاطمہ سے آتے ہیں جو مکہ معظمہ سے پانچ کوس ایک رخصسہ مقام ہے۔ آلو بخارے۔ آٹا۔ آٹو۔ انگور وغیرہ میوے طائف سے لائے جاتے ہیں۔ یہ شہر حجاز میں بہترین شاداب بہرہ منجگہ ہے۔ مکے سے کوئی پالیس کوس ہے۔

۲۰۔ رمی۔ پھینکا۔ جمرات۔ کنکریاں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اسامیلؑ کی قربانی کی شرعی تکمیل کر کے عرفات سے مکہ واپس ہو رہے تھے تو منے میں تین جگہ شیطان نے ظاہر ہو کر ان کے دل میں کچھ دوسرے ڈالنا چاہا۔ آپ نے کنکریاں اٹھا کر اور یہ کہہ کر کہ جہنم شیطان برضار الرحمن (شیطان کو سنگسار کرنے کے اور خدا کی خوشنودی کے لیے) کنکریاں اس طرف پھینکیں۔ سنت ابراہیمی کی تقلید کے لیے ان مقامات پر ڈھالی ڈھالی گز ادبلی تین برجیاں بنا دی گئی ہیں اور ان کے گرد تھائے کے طور پر ڈیڑھ گز اونچی دیوار حلقہ کیے ہوئے ہے۔ حاجی (بقیہ برصغیر)

حلق (سر منڈانا) اور قربانی۔ یہ تین مناسک حج یہاں ادا کیے جاتے ہیں۔ منے کی زیارت گاہیں  
(بقیہ جاثیہ گزشتہ)

کوئی دوا کے فاصلہ سے ان برجیوں پر کنکریاں مارتے ہیں۔ پہلی برجی کو حجرۃ الاولیٰ۔ دوسری کو حجرۃ الاوسط  
اور تیسری کو جو منے کی گلی میں سب کے لئے حرکت کی جانب ہے حجرۃ العقبہ ہیں۔ یہ برجی ایک دیوار میں آگئی ہے۔ عام لوگ ان  
برجیوں کو شیطان کبیر (بڑا شیطان) شیطان وسطی (متوسط شیطان) اور شیطان صغیر (چھوٹا شیطان) کہتے ہیں۔  
کنکریاں چنے برابر ہوتی ہیں جو مزدلفہ سے چن کر حاجی اپنے ساتھ لے آتے ہیں۔ مزدلفہ کو شعر الحرام بھی  
کہتے ہیں۔ یہ مقام منے سے کوئی پانچ کوس اور عرفات سے کوئی دیرھ کوس ہے۔ اذیکہ کو صرف حجرۃ العقبہ پر  
سات کنکریاں پھینکتے ہیں۔ اور گیارہ بارہ تیس کو تینوں برجیوں پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں اور اس  
طرح عمراً کنکریوں کی تعداد (۲۹) ہوتی ہے بعض اس میں کمی بیشی بھی کر دیتے ہیں۔ کنکریاں برجی کو لگ کر  
تھالوں میں گر جاتی ہیں۔ جن میں سوراخ بنی ہیں اور برسات میں وہ ان میں سے سب بہہ جاتی ہیں۔ مشہور یہ  
ہے کہ ان کنکریوں کو فرشتے اٹھا کر مزدلفہ میں پہنچا دیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو منے میں کنکریوں کے پھاڑ  
بن جاتے۔ میں نے دیکھا کہ یہ برجیاں فصیل کے سے کنکریوں سے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقتاً فوقتاً ان برجیوں کی  
تعمیر و ترمیم بھی ہوتی رہی ہے۔ بعض لوگ خلاف احکام دو سرول کی پھینکی ہوئی کنکریاں اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔  
بعض حاجی بجائے چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر مارتے ہیں۔ بعض بیوقوف برجیوں کو  
سچ میچ شیطان سمجھ کر جوتے بھی رسید کرتے ہیں۔ جنرل ابراہیم رخصت پاشا مراۃ المؤمنین میں لکھتے ہیں کہ مصری فوج  
کے ایک نعتی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان برجیوں پر اس طرح حملہ کیا جیسے کوئی دشمن پر کرتا ہے۔ اور  
گولیوں کی بارش ماری۔ بیشتر بعض حاجی اونٹوں پر سوار ہو کر رمی البھرات کرتے تھے جس سے دو سرول کو تکلیف  
ہوتی تھی۔ اب حکومت نجد نے اونٹ گھوڑوں کو اس رسم کی ادائی کے وقت لانے کی ممانعت کر دی ہے۔ جس سے  
عام حاجی تکلیف سے محفوظ ہو گئے۔

۵۔ عام حکم سر منڈانے کا ہے جو بہت سی دینی و دنیوی معلومات پر مبنی ہے۔ عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ چوٹی  
کی ذرا سی نوک کاٹ دیتی ہیں۔ مردوں کو بھی اگر کوئی عذر ہو تو بجائے پورا سر منڈانے کے تھوڑا سا حصہ منڈا سکتے  
ہیں یا بال کترا سکتے ہیں۔ میں نے بعض حاجیوں کو دیکھا کہ انھوں نے اس خیال سے کہ سر منڈانے سے ان کی موت  
بکر جائے گی۔ انگریزی بال کترا لیسے۔ عموماً اور ذیکہ کو رمی البھرات اور قربانی کے بعد حجامت دوائی جاتی ہے (بقیہ بیخود)

مسجد خیف - غارِ سلات - مسجد نحر - اور مقام کبش ہیں۔ ان کی مختصر کیفیت درج ذیل کی جاتی ہے۔

### (الف) مسجد خیف۔

خیف دُصلوان مقام کو کہتے ہیں۔ حجاز میں بعض اُدامیوں کا نام بھی خیف ہے۔ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع میں جس جگہ منے میں مقیم ہو کر پانچ نمازیں اور افزائی تھیں وہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ جو مسجد خیف کے نام سے موسوم ہے۔ پہلی دوسری صدی ہجری میں یہاں مسجد تھی یا نہ تھی۔ اس کی صراحت سے تاریخیں ساکت ہیں۔ البتہ تیسری صدی سے اس کی نشاندہی مسلسل ہو رہی ہے۔ ۱۵۶ھ میں خلیفہ معتز بن ستوکل عباسی نے یہ مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے بعد ۵۵۹ھ میں وزیرِ حال الدین محمد بن علی اصفہانی نے جو جواد کے نام سے مشہور ہے اس کی تجدید کرائی۔ پھر الناصر لدین اللہ خلیفہ بغداد نے جس کا زمانہ سلطنت ۵۷۵ھ سے ۶۲۲ھ تک ہے۔ اس کی مرمت کرائی۔ بعد ازاں الملک منصور عمر بن رسول سلطان مین نے ۶۴۳ھ میں اسے بنوایا۔ جس کے نام کا کتبہ مسجد کی مشرقی دیوار میں چار گز کی بلندی پر ابھی تک موجود ہے۔ ۶۵۲ھ میں دمشق کے ایک مشہور تاجر احمد بن عمر نے جو ابن مرجانی کے نام سے مشہور تھا۔ اس مسجد کے اخراجات کے لیے بیس ہزار درہم سالانہ مقرر کیے۔ ۶۵۲ھ ہجری میں شیخ علی البغدادی نامی کسی شخص نے اس کی مرمت کرائی۔ ۶۵۵ھ میں ملک الاشرف سلطان قایتبا ئی مصری نے اسے از سر نو بنوایا۔ مسجد کے باب شمالی پر اس بادشاہ کا نام اور سن تعمیر اس وقت تک کندہ ہے۔ اور موجودہ مسجد اگرچہ اس کی ترمیم بعد میں ہوئی۔ مگر اصل میں قایتبا ئی کی بنائی ہوئی ہے۔ ۶۵۲ھ میں سلطان محمد قزلار آغانے اور ۶۹۲ھ میں سلیمان آغا سے مرمت کرائی تھی۔ یہ دونوں ترکی عہدہ دار تھے۔ مسجد کے دروازے ہیں ایک مشرق میں دوسرا شمال میں۔ ایک کھڑکی جانب جنوب ہے۔ شمالی دروازے کے پاس ایک مینار ہے۔ جس کی (بقیہ حاشیہ گزشتہ) منے میں سیکڑوں حجام بیٹھے رہتے ہیں۔ چارکانہ سے کم اجرت نہیں لیتے ہیں نے اپنی قیام گاہ پر کھانا حجام کو بلایا اس نے بہت اطمینان سے میرا سر ہونڈا اور ایک روپیہ لیکر خوشی سے چلا گیا۔ کمرے دینے۔ اور جڈے میں حجاموں کی دکائیں نہایت آرامتہ موجود ہیں اور ہر طرح کے بال صفائی سے کاٹ دیتے ہیں۔

بلندی کوئی (۱۴) گز ہے۔ مسجد کی سنگین عمارت ہے۔ اس کے چار دالان ہیں ہر دالان کی لمبائی (۹) گز اور چوڑائی چار گز ہے۔ مسجد کا صحن (۹۰ × ۹۰) گز ہے اس کے گرد ایک پختہ بلند دیوار چوند گچی کی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مسجد کے وسطی دالان میں ایک جگہ قبة ہے اسے مقام النبی کہتے ہیں۔ یعنی آنحضرت کے نماز پڑھنے کی جگہ۔ حکومت نجد سے قبل صحن میں ایک اور قبة تھا جو اس جگہ تعمیر کیا گیا تھا جہاں آنحضرت نے قیام منی کے وقت اپنا سرخ چرمی خیمہ نصب فرمایا تھا اس جگہ کے پاس ایک مینار بھی تھا وہ بھی اب نہ رہا۔ مسجد کے اندر چار حوض ہیں جن میں یرسات کا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے۔ شرقی و شمالی دروازے کے درمیان کچھ حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں زمانہ حج میں بعض امیر آدمی قیام کرتے ہیں۔ شمالی دروازے کے باہر ایک حجرے میں کسی بزرگ کا مزار ہے۔ اسے بعض لوگ حضرت علیؑ کے فرزند محمد کا بتاتے ہیں۔ مسجد خیف میں حضرت آدمؑ کی قبر کی بھی ایک روایت ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مسجد کے صحن میں چالیس مٹیوں کی قبریں ہیں مگر کسی کا نشان مزار نہ پہلے یہاں تھا اور نہ اب ہے۔

ب۔ مسجد خیف کے پیچھے جانب جنوب پہاڑوں میں ایک غار ہے جو غار مرسلات کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ سورہ مرسلات یہاں نازل ہوئی تھی۔ یہ غار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑے پتھر کے نیچے زمین کھود کر بیٹھنے کی جگہ بنا دی گئی ہے۔ پتھر میں اوپر کی طرف ایک نشان سائبلا ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کے ٹیکا لگانے سے ہو گیا ہے۔ تبرکاتِ زاہرین اس سے اپنا سر لگا کر بیٹھتے ہیں اور دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہیں۔ اہل نجد آثارِ اہل بیتؑ کی تعظیم کو آثارِ پستی کہتے ہیں۔ اس لیے آج کل یہاں جانے والوں کی حرکات پر نظر رہتی ہے۔

### (ج) مسجد نجر۔

منہ کے بازار میں ایک گلی کے اندر چھوٹی سی مسجد ہے۔ کوئی دو سو آدمی ساکتے ہیں اس مسجد کو مسجد کوثر بھی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سورہ کوثر یہاں نازل ہوئی تھی۔ حضرت علیؑ کے کئی صاحبزادوں کا نام محمد تھا۔ ان میں محمد بن حنفیہ بہت مشہور ہیں۔ ان کا منقبر مذکورہ حالات جنت البقیع میں ملاحظہ ہو۔



اور اس کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع میں (۶۲) اونٹ اور حضرت علیؑ نے (۳۷) جگہ ایک سواونٹ سحر (زوج) کیے تھے۔

### (۵) مقام کبش۔

کبش مینڈھے کو کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا تھا اور عین وقت ذبح ان کی جگہ ایک مینڈھا حاضر کر دیا گیا تھا۔ بیشتر اس مقام پر ایک چوکھنڈی سی بنی ہوئی تھی یعنی چار ستونوں پر ایک گنبد استادہ تھا اب وہ نہ رہا۔ اہل نجد ایسی چیزوں کی عظمت کے قائل نہیں ہیں۔ مقام کبش کو مسجد کبش و سحر اسماعیلؑ و ذبیح اسماعیلؑ بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایک شوق شدہ بڑے پتھر کی بھی اہل مکہ زیارت کراتے ہیں صحیح روایتیں اگرچہ یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی گردن چھری چلنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ لیکن مقامی روایتیں یہ کہہ رہی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے دو مرتبہ چھری بھیری مگر کارگر نہ ہوئی تو غصے میں آکر اس پتھر پر ماری جو شوق ہو گیا۔ اگرچہ تمام وادی منہ نجد اسماعیلؑ کا حکم رکھتی ہے اور ہر جگہ قربانی کی جاسکتی ہے مگر اس زمانہ میں ایک عرصہ سے حکومت کی جانب سے یہ انتظام چلا آ رہا ہے کہ بستی سے دور کچھ حصہ زمین سلخ قرار دیدیا گیا ہے۔ اس کے گرد تاروں کا احاطہ ہے اور اندر بہت سی نالیاں کھدی ہوئی تیار رہتی ہیں۔ ۱۰ ذبیحہ سے تین دن تک یہاں قربانی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور لاکھوں بھڑ بکری۔ دُئیے اور اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ جانوروں کا معائنہ ڈاکٹر کرتے ہیں اور صرف موٹے تازے تندرست جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دی جاتی ہے باقی سب گوشت ان نالیوں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ کھالیں حکومت لے لیتی ہے جس زمانہ میں سلخ کی جگہ معین نہ تھی اور ناقص گوشت کے دفن کرنے کا انتظام نہ تھا اُس وقت حاجی جہاں جی چاہتا تھا ذبح کر ڈالتے تھے۔ خون۔ گوشت۔ پوست۔ فضلہ اور جھڑی پیٹے جا بجا پڑے ہوئے سڑا کرتے تھے۔ بہت سے حاجی اپنا پشاپ گوشت کھا جاتے تھے۔ جو اس سے

۱۔ میں نے ۱۳۲۵ھ میں تیرہ روپیہ میں دوا چھ دُئیے لیے تھے بھڑ بکری کی قیمت تین چار روپیہ فی اس تھی۔ معمولی قربانی کا اونٹ پچیس روپیہ میں تھا۔

پس ہیز کرتے تھے۔ اُن کی قربانیوں پر غریب غریباؤں کو گرتے تھے۔ یہ بھی آخر کتنا کھاتے۔ دوسرے دن کے لیے اُٹھا رکھتے تھے اور پھر قربانی کرنے والے اور یہ مساکین اپنے اپنے گھروں کو تبرک لے جانے کے لیے گوشت کی دھجیاں بنا بنا کر سکھاتے تھے۔ منے کے درو دیوار میں گوشت کی انگلیاں لٹکتی نظر آتی تھیں۔ مرل جانوروں کا گوشت بے حساب کھانے پڑے ہوئے گوشت و خون کی عفونت اور سوکھے ہوئے گوشت کی بساندھ سے ہوا بگڑ جاتی تھی۔ منے میں اسہال و پیچش وغیرہ مختلف بیماریاں پھیلی تھیں اور بعض اوقات خدا کی رحمت پیسنے کی شکل میں نمودار ہو جاتی تھی اور پھر حاجیوں کا ستھراؤ ہوتا تھا اور اس کثرت سے اموات ہوتی تھیں کہ گور کن و غتال کا ملنا غیر ممکن ہو جاتا تھا۔ خدا واسطے مردوں کے اٹھانے والے باقی نہ رہتے تھے سرکاری ملازم خود موت کا شکار ہو جاتے تھے۔ ایک ایک قبر میں دس دس مردے دفن ہوتے تھے۔ آج ایک قبر بنی کل اسی میں دوسرے کو دفن کر دیا۔ پرسوں اُسے پھر کھولا اور ایک تیسرا مردہ بھی اُسی میں دبا دیا۔ آخر یہ نوبت آ جاتی تھی کہ رشتہ دار اپنے عزیزوں کو سکرات میں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے تھے اور تمام وادی سننے لاشوں سے پٹ جاتی تھی اس قسم کے واقعات یہاں بہت دفعہ گزر چکے ہیں چنانچہ سالہ کے پیسنے نے بھی حاجیوں کا صفایا کر دیا تھا۔

منے کی گرمی۔ یہاں کی سخت دھوپ اور خفتاک کو ہمیشہ کمزوروں ضعیفوں اور بیماریوں کے لیے مہلک ثابت ہوئی ہے۔ ہر سال حاجیوں کی ایک تعداد یہاں پہنچ کر ہمیشہ کے لیے یہیں کی ہو رہتی ہے۔ سال گزشتہ بھی ڈھائی لاکھ حاجیوں میں سے ڈیڑھ ہزار بیمار و ضعیف جن میں سے اکثر مرتے وقت حاجی بننے کے لیے یہاں آ گئے تھے لقمہ اہل ہوئے تھے ان کو دو گہری لمبی لمبی خندقوں میں دفن کیا گیا تھا۔ ایک نالی مردوں کے لیے تھی دوسری عورتوں کے لیے۔ ان میں اولاً مردے لٹائے گئے اور پھر سے چونا ڈالا گیا پھر ایک تہہ مردوں کی پھر چونا۔ اس طرح چار چار پانچ پانچ تہہ مردوں کی رکھی گئیں اور سپرد خاک کیا گیا۔

۱۔ اسی موضوع پر میرا ایک بسیط مضمون جس کا عنوان یہ ہے کہ ”کیا گزشتہ حج میں بے مقام منی سات ہزار حاجی ہلاک ہو گئے؟“ حیدر آباد کے مشہور روزانہ اخبار صحیفہ میں اور ہندوستان کے بعض اخبارات میں سال گزشتہ شائع ہو چکا ہے۔

منے کی تنگ گلی میں سے ۱۰۰ ذیکچہ کو بے شمار اونٹوں کے گزرتے وقت شہنشاہ اور شہریوں کے ٹکرانے، اکبھ کر گرنے اور اٹ جانے کے حادثے بھی ہمیشہ سے یہاں ہوتے آئے ہیں۔ مثلاً خان بہادر حاجی عبد الرحیم صاحب بھگوری کے سفر نامہ سے ۱۳۲۹ء کی بدلتھی کی کیفیت جبکہ حجاز پر ترک حکمران تھے یہاں صرج کی جاتی ہے۔

”شہنشاہ کی ٹکر کی ایک دوسرے کو لگتی تھیں۔ کوئی شہنشاہ گرتا تھا کوئی شہری ٹکر سے اٹ جاتی تھی مگر کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ کیوں ایسی بد انتظامی تھی..... چند ترکی افسر و سپاہی زرق برق لباس پہنے ہوئے خانے میں بیٹھے اس افغانی کو دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے..... آری اونٹوں پر سے گرتے ہیں لوگ ان پر سے روندتے گزرتے ہیں نہ سپاہی پوچھتا ہے نہ افسر۔ ضعیف العمر عورتوں و بچے اونٹوں سے گرتے ہیں روگتے ہیں چلاتے ہیں۔ ادمر شہری اٹ گئی ادمر شہنشاہ اونداھا ہو گیا ہے لوگ چلا رہے ہیں۔ کوئی کسی کو نہیں پوچھتا عجب معاملہ ہے۔“

(سفر حرمین ص ۱۵۱)

شکالہ میں جب یہ گہنگار جج سے مشرف ہوا تھا حکومت نجد نے منے میں یہ اختلاک کیا تھا کہ اونٹوں کی صرف ایک قطار ادمر سے گزر رہی تھی ایک ادمر سے آری تھی۔ یہ سہ۔ شہنشاہ ایک چار پائی ہوتی ہے جس پر لکڑی کی شاخوں سے ٹپ بنا کر اس کو ٹاٹ اور شلر بنی وغیرہ سے منڈھ دیتے ہیں۔ دو شہنشاہ باہم ملا کر بندھے رہتے ہیں اور چلتے وقت ان کو اونٹ کی پیٹھ پر رکھ کر کس دیتے ہیں۔ یہ ایک سیگہ ڈنبر سا ہو جاتا ہے۔ اس میں دو آدمی بیٹھے ہیں اور اپنے اپنے شہنشاہ میں بہ آرام لیٹ سکتے ہیں سو سکتے ہیں۔ البتہ ہر وقت جھوک سبھا لیتی پڑتی ہے۔ بعض لوگوں کو شہنشاہ میں چکر آنے لگتا ہے۔ مگر مجھے یہ سواری بہت آرام دہ ثابت ہوئی۔

شہری بچوں کے گھوڑے کی شکل کی ہوتی ہے اسے اونٹ پر آڑا باندھ دیتے ہیں اس پر کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ بیٹھے اس میں بھی دو ہیں مگر نہ سو سکتے ہیں نہ پاؤں پھیلا سکتے۔

تانا صبح سے شام تک بندھا رہا اور اس کی وجہ سے گوجاریوں کو گھنٹوں تک راستہ صاف ہونے کے انتظار میں اونٹوں پر دھوپ میں ٹھہرنا پڑا اگر شند فوں کے وہ ابجھاوے جو پیشہ مسوا کرتے تھے اس سال بہت کم ہوئے اور اگرچہ شند فوں کے ٹکرانے یا ڈھیلے بندھنے یا توازن قائم نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے اُلٹ جانے کے واقعات پیش آئے۔ مگر اموات بہت ہی کم واقع ہوئیں۔

سنے میں نہر زبیدہ کے حوض موجود ہیں۔ جن پر بالعموم عرب و حبشی قابض ہو جاتے ہیں جو صبح سے شام تک پانی بھرتے رہتے ہیں۔ کچھ تو ان کی دھینگامشتی کی وجہ سے اور کچھ اپنے مشاغل کے باعث حاجی خود پانی نہیں بھرتے بلکہ انھیں لوگوں سے خرید لیتے ہیں قلت آب و گرانی آب کی منی میں عموماً شکایت رہا کی ہے بعض بیمار و ضعیف حاجی جو پانی تک نہیں پہنچ سکتے یا بعض ایسے مسکین جو پانی خرید نہیں سکتے وہ بصد حسرت جان دیتے ہیں یہ مسئلہ ہے اگرچہ سنے میں پانی بہت تھا اور بعض اشخاص نے سبیلیں بھی لگا دی تھیں تاہم اس قسم کی اموات کا امکان تھا۔ مسئلہ میں حج کر کے جو حاجی آئے ہیں ان کا بیان ہے کہ تمازتِ آفتاب و بادِ سموم کی وجہ سے اس سال بھی بہت سے حاجی ہلاک ہوئے مگر پانی کا انتظام اچھا تھا۔ حکومت نجد نے بھی کئی ابدار خانے لگا دیے تھے اس لیے اب کی دفعہ اس امر کے باور کرنے کے وجہ نہیں ہیں کہ تشنگی سے کوئی ہلاکت واقع ہوئی ہو۔ تاہم غمبلہ دوسرے اسباب مرگ کے سنے میں پانی کی قلت بھی حاجیوں کے اتلاف کا باعث ہوتی رہی ہے اور بحیثیت مجموعی یہ سب اسباب ایسے ہیں جو زائد ابراہیم علیہ السلام سے جس کو تقریباً تین ہزار برس گزرے۔ خضنگان سنے کی تعداد میں اضافہ کرتے آ رہے ہیں اور ہر سال کچھ نہ کچھ نئے مرنے والے اس شہر خموشاں میں آباد ہو جاتے ہیں۔

۵۔ دہلی کے مشہور تاجر عبدالستار و عبد الجبار صاحب ساکن مکہ کی طرف سے کئی سبیلیں سنے میں تھیں۔ بعض اور لوگوں نے بھی ابدار خانے قائم کر دیے تھے۔ جن سے ہزاروں آدمی سیراب ہو رہے تھے اس فقرے میں ایک چھوٹی سی سبیل لگا دی تھی سنے میں ۱۰۰ دیچہ کو ایک کنسٹر بھرائی کی قیمت دو روپیہ چھ آنے کی قیمت دوسرے دن کچھ گھٹی اور تیسرے دن بارہ آنے میں ایک کنسٹر پانی آنے لگا۔



منہ کا قبرستان جو مسجد خیمت سے ملحق ہے اس کو میسراں کا رزار تصور کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ یہاں بہت سے صحابہ و بزرگ بھی دفن ہوں مگر ان کے مزارات کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ یہاں جو مزار ہے وہ عالم غربت ہی میں مرتا ہے اور عموماً پردہ کی ہی یہاں کی خاک کا پیوند ہوتے ہیں اس لیے قبرستان منہ کو گور غریباں کہتا بہت موزوں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زمانہ رُحج میں جو شطیط حاجی یہاں شربت اجل نوش کرتے ہیں ان کے جنازے جنت المعلیٰ میں دفن کرنے کے لیے پہنچا دیے جاتے ہیں اور اس طرح صرف مفلس و مسکین ہی یہاں کے قبرستان کے لیے رہ جاتے ہیں۔

نیز ستار

مدفونین کی تعداد کے اعتبار سے مقبرہ متے بڑے بڑے قبرستانوں کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر یہاں قبریں اتنی نظر نہیں آتیں۔ سچتہ قبریں بنانے کا نہ یہاں موقع ہے نہ محل۔ منہ نہ کوئی مستقل آبادی ہے اور نہ بارہ مہینے قایم رہنے والا سیلا۔ اس لیے یہاں تجہیز و تکفین کا انتظام ہو جانا بھی غنیمت ہے۔ کھن اکشر حاجی اپنے ساتھ لاتے ہیں یہاں مل بھی جاتا ہے۔ کچھ نہیں تو احرام کی دونوں چادریں راہ خدا کے ان شہیدوں کے لیے بالکل کافی ہو جاتی ہیں۔ گورکن و غسال اجرت پر مل جاتے ہیں۔ خدا کے بعض نیک بندے ثواب کے خیال سے بھی یہ خد انجام دے دیتے ہیں۔ سرکار کی طرف سے بھی اس بارے میں کافی مدد ملتی ہے۔ ۱۵ سالہ میں حکومت بجنہ نے بہت سے غریب حبشی حاجیوں کو اس کام پر مامور کر دیا تھا وہ چار پائیوں پر شغرفوں میں۔ تابوتوں میں اور اونٹ پر چڑھنے کی سیڑھیوں پر لاشوں کو رکھ کر قبرستان پہنچا رہے تھے۔ عبیر و گلاب۔ شامیانہ و مولود خواں ان تمام تکلفات سے محبت کے قیل آزاد ہیں۔ گورستان منہ کی کچی قبریں یادہ گڑھے جو گنج شہیداں کی حیثیت رکھتے ہیں چند روز میں ہوا کے جھوکوں اور پانی کے سیالوں سے مٹ سکر زمین کے برابر ہو جاتے ہیں صرف کہیں کہیں مٹی کے بے ترتیب ڈھیر اور کچھ مٹے مٹے آثار ادھر سے گزرنے والے حلیم الفرت حاجیوں کو فالتو پرٹھنے کے لیے مجبور کرتے رہتے ہیں۔

۱۔ یہ سیر بھی کوئی ڈیرہ گراؤںچی ہوتی ہے اور چار ڈونڈے ہوتے ہیں اس پر سے مردے کی ٹانگیں لٹکتی رہتی ہیں۔

## (۲) قبرستان شبیکہ

یہ قبرستان مکہ معظمہ کے مشہور محلہ جردل سے جہاں روانگی کے وقت قافلوں کی ترتیب ہوتی  
 ملا ہوا ہے۔ کسی زمانہ میں قبیلہ بنو شبیکہ کے مردے یہاں دفن ہوتے تھے۔ بعض صحابہ کے  
 دفن کے متعلق بھی مقامی روایتیں ہیں۔ مورخین مکہ اس قبرستان کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی  
 زیارت مستحب بتاتے ہیں مگر یہاں کے مدفونین میں سے بصرحت کسی کا نام نہیں لیتے۔ کہتے  
 ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس قبرستان کی زمین خرید فرما کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دی تھی۔ کئی صدیوں  
 سے یہ قبرستان آبادی میں آگیا ہے اور اب اس کا نام ہی محلہ شبیکہ مشہور ہے۔ بستی کی وجہ سے  
 یہاں مردے دفن ہونا بھی موقوف ہے اس محلے میں بہت اچھے اچھے مکانات ہیں۔ جدے  
 کے بہت سے مالدار تاجر یہاں رہتے ہیں۔ یہ مکے کے ہوادار محلوں میں سے ہیں شبیکہ  
 کے مغربی جانب پہاڑ کی طرف قبرستان ہے۔ ۳۵۰۰۰ مربع فٹ میں جب اس فقیر نے یہاں کی زیارت  
 کی تو بجز کچی قبروں کے منتشر ڈھیریوں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ مدت سے یہاں کوئی دفن بھی  
 نہیں ہوتا۔ جن صاحبوں کے مزاروں پر قبے تھے یا جو قبریں سختہ بنی ہوئی تھیں وہ سب گردشِ گرد  
 نے منہدم کر دیں کچھ دن اور گزرے تو نام ہی نام رہ جائے گا کہ یہاں بھی قبرستان تھا  
 اب بھی قریب قریب یہی حالت ہے۔ زمانہ حج میں یہاں بدویوں کے ڈیرے پڑے ہوئے  
 تھے ایک طرف تھوڑی سی جھونپڑیاں بھی ہیں جن میں غریب عرب سکونت رکھتے ہیں۔

## (۳) قبرستان شہداء

(\*)

قبرستان شہداء جسے شہداء کا مقام شہداء بھی کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ سے کوئی تین میل جانب شمال  
 مدینہ کی راہ سلطانی پر واقع ہے۔ یہ مقام ایک محلہ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ مکے سے شہداء

قریب قریب آبادی ہے کہیں کہیں سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ یہاں بہت سے مکان ہیں مختصر سا بازار ہے جس میں تمام ضروری اشیاء مل جاتی ہیں۔ اس جگہ کی آب و ہوا بہت اچھی ہے لکے والے سیر و تفریح و ہوا خوری اور کھیل تماشے کے لیے یہاں آ جاتے ہیں۔ کھانے پینے کے جلسے کرتے ہیں اور صبح سے شام تک ٹھہر کر چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگ کئی کئی دن تک بھی قیام کرتے ہیں۔ بیمار بھی تبدیل آب و ہوا کے لیے یہاں آتے رہتے ہیں اور اپنے عزیزوں کے یا کر ایہ کے مکانوں میں ٹھہر کر شہد کی صاف ہوا کا لطف اٹھاتے ہیں۔

یہاں ایک میدان ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ۶۳۳ھ میں عبداللہ بن زبیر اور یزید بن ابی سبہ سالار حصین بن نمیر کی فوجوں کا یہاں مقابلہ ہوا تھا۔ عبداللہ کے ساتھی جو یہاں کام آئے ان کی وجہ سے یہ جگہ شہدا کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مقامی روایت ہے کسی تاریخ میں نظر نہیں پڑی۔ اس وادی کے ایک گوشہ میں پہاڑ کے نیچے حضرت عبداللہ بن عمر کی قبر ہے۔ اس کے آس پاس اور بھی قبریں ہیں جو حضرت عمرؓ کے اہل خاندان کی بہان کی جلتی ہے۔ ۳۴۵ھ میں اس فقیر نے یہ مقام دیکھا ہے۔ دورانِ قیام مکہ میں ایک دن میرے دل میں آ گیا تھا کہ وادی فاطمہ تک جو کے سے دس بارہ میل ہے۔ ٹھہرنا چلا جاؤں مگر علالت و کمزوری کی وجہ سے شہدا پر پہنچ کر پڑ گیا۔ یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو قبر موجود ہے اس پر کبھی قبہ نہیں بنایا گیا۔ زمین سے بالشت بھر اونچا چوڑا ہے جس کے گرد پتھر رکھے ہیں۔ کتبہ نہیں ہے۔ شہدا کے رہنے والے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اصلی قبر بتاتے ہیں۔ مگر مورخین مکہ میں سے کسی نے ان کا دفن یہاں نہیں بتایا۔ البتہ زمانہ حال کے بعض سیاحوں نے اس کی نشاندہی کی ہے محلہ شہدا کے باشندے اور ٹپوں کے بدوی عرب اب بھی اپنے مرنے والے اسی قبرستان میں دفن کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی جنازہ وصیت کے بموجب یا ہڑہاڑ میں شریک ہونے کے لیے یہاں سے جنت المعلیٰ میں بھی پہنچا دیا جاتا ہے۔

## (۴) مقبرہ ام المومنین حضرت میمونہ

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی تھی۔ ان کا مدفن حوالی مکہ معظمہ میں موضع سرف بیان کیا جاتا ہے۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے جانب شمال و مغرب مدینہ کی اُس سڑک پر جو در ب سلطانی کہلاتی ہے واقع ہے بیت اللہ سے اس جگہ کا فاصلہ بعض مورخوں اور سیاحوں نے دس پندرہ میل تک بتایا ہے۔ لیکن ابن ظہیرہ کی رائے میں ۷ میل ہے اگرچہ عام طور پر مورخین ان کا مزار سرف میں بتاتے ہیں اور مدنیہ منورہ کے مورخین بھی اس پر متفق ہیں کہ ان کا مدفن سرف میں ہے اور باقی امہات المومنین کی قبور حنت البقیع میں لیکن مکہ معظمہ کے سب سے قدیم متوخ اور قی نے ان کی قبر کی کوئی صراحت نہیں کی قطب الدین لکھی بھی خاموشی میں۔ فاکھی نے بھی ان کا شمار ان صحابہ میں نہیں کیا۔ جن کی وفات مکہ یا حوالی مکہ میں ہوئی۔ ابن جبیر و ابن بطوطہ نے بھی مزارات مکہ کے ضمن میں حضرت میمونہ کی قبر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ البتہ ابن ظہیرہ نے ان کا مدفن موضع سرف میں لکھا ہے اس طرح گیارھویں صدی ہجری سے اس کے وجود کی شہادت ملتی ہے۔ اس کے بعد تیرھویں اور چودھویں صدی کے سیاحان حجاز عموماً اس مقبرے کا ذکر کر رہے ہیں لیکن یہ بات بھی تعجب سے خالی نہ ہوگی کہ بعض سیاحوں نے ان کا مزار دمشق میں بھی بتایا ہے مثلاً میرے مکرم عنایت فرما احراج پروفیسر مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے نے ۱۳۲۵ھ میں حضرت میمونہ کی قبر کی زیارت قبرستان دمشق میں کی تھی۔ (صراط الحمید ص ۳۷)

موضع سرف میں حضرت میمونہ کی قبر کے پاس کچھ آبادی ہے اور قبر سے متصل مسجد و مسافر خانہ ہے۔ عرب خصوصاً بدوی اس موضع کو المیونہ کہتے ہیں۔ فرنگی سیاح برکھارٹ جو ۱۳۳۲ھ میں مدینہ جاتا ہوا ادھر سے گزرا تھا لکھتا ہے :-

”مکے سے اونٹوں پر چلکر ۵ گھنٹے میں ہم میمونہ پہنچے۔ یہ کسی بزرگ کا مزار ہے اس کے قریب میٹھے پانی کا ایک کنواں ایک سنگین حوض اور مقبرے سے



لی ہوئی ایک چھوٹی سی عمارت ہے جسے خان کہتے ہیں۔ اس میں سانسہ  
ٹھہرتے ہیں۔ قبر کا گنبد و بابوں نے توڑ دیا ہے۔

(سفرنامہ برکھارٹ مترجمہ شبیر)

برکھارٹ جیسے محقق سے حیرت ہے وہ سمجھا نہیں کہ میمونہ کون بزرگ ہیں۔  
حضرت میمونہ کے مزار پر نجدیوں کی سابقہ فتوحات حجاز کے وکٹ جو قبہ تھا اس کی نسبت  
پتہ نہیں چلتا کہ کس نے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۱۸۰ء میں مکہ معظمہ کے دوسرے قبوں کے ساتھ  
اہل نجد نے اسے بھی منہدم کر دیا تھا اور ۱۲۲۲ء تک یہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ برکھارٹ کے  
بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد سے چودھویں صدی ہجری کے یتاح اس قبے کا  
وجود ظاہر کر رہے ہیں لیکن ہے کہ ۱۲۳۳ء میں محمد علی پاشا والی مصر نے اس کو بھی بنوایا ہو جز  
ابراہیم رفعت پاشا مصری اور حاجی عبد الرحیم صاحب بنگلوری کا بیان ہے کہ حضرت میمونہ کی  
قبر پہاڑی کے ڈھلوان میں واقع ہے۔ اس کے ارد گرد اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ یہاں  
بردیوں کی ہیں جو اس پاس کے پہاڑوں میں بکثرت آباد ہیں۔ سرف میں ایک مختصر بازار  
بھی ہے اور چائے پانی وغیرہ ضروریات مل جاتی ہیں۔ پیشتر اہل مکہ کی عادت تھی کہ وہ وسط  
ماہ صفر میں حضرت میمونہ کا عرس جسے وہاں مولد کہتے ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے منایا کرتے  
تھے۔ عرس ۱۲ صفر سے شروع ہو کر ۴ صفر کو ختم ہوتا تھا اور ان دنوں میں مکہ معظمہ اور اس کے  
اطراف و اکناف میں بڑی بے چل رہتی تھی۔ ایک روز خاص مزار پر جھکٹ ہوتا تھا اور تسیہ  
قصائد اور بانخصوص حضرت میمونہ کی مناسبت سے کسی یہودی کی لونڈی میمونہ نامی کے ایمان  
لانے کا واقعہ اور آنحضرت کا معجزہ جسے کسی عرب شاعر نے نظم کر دیا ہے۔ پڑھا جاتا تھا۔ خلاصہ  
اس کا یہ ہے کہ کسی یہودی کی لونڈی میمونہ مذہب اسلام کی خوبیاں اور آنحضرت کے حالات  
سن کر غائبانہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اس تصور پر اس کا مالک اس کو بڑی بڑی ایذا میں دیتا تھا  
یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو گھر سے باہر پھینک دیا۔ اتفاقاً ادھر سے  
آنحضرت کا گزر ہوا اور آپ کی دعا سے وہ بالکل صحیح و سالم ہو گئی اور یہودی یہ معجزہ دیکھ کر  
مسلمان ہو گیا۔ دوسرے دن میلہ برخواست ہو جاتا تھا اور سب لوگ یہاں سے لوٹ کر تیجہ خیم کے

پاس جو کئے سے تین سیل ہے اور جہاں سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ ڈیرے ڈالے جاتے تھے اور ایک دن یہاں سیر و تفریح و خورد و نوش میں گزارتے تھے۔

۳۲۴ء میں اہل نجد نے حجاز پر قبضہ کر کے حضرت یسویہ کے گنبد کو پھر منہدم کر دیا۔ ۳۲۵ء میں یہ گنہگار چونکہ بڑا بڑا ہو چکے تھے مدینے گیا تھا۔ اس وجہ سے اس مزار کی زیارت سے محروم رہا۔ علالت کے باعث انہی ہفت نہ پڑی کہ وہاں تک کسی اور طرح پہنچ جاتا۔ ناچار بیت اللہ میں سرف کی جانب منتقل کر کے اعم المؤمنین کی خدمت میں سلام عرض کر دیا۔

اہل مکہ سے مجھے معلوم ہوا کہ یسویہ کی شکل کی ایک قبر اب بھی سرف میں موجود ہے جو حضرت یسویہ کے مزار سے موسوم ہے اور چونکہ اہل نجد بلا کسی خاص ضرورت شرعی کے عورتوں مردوں ایک جگہ جمع ہونا جائز نہیں سمجھتے اور عرس کے بھی وہ قائل نہیں ہیں اس لیے اب وہ میلہ جو ماہ صفر میں یہاں ہوا کرتا تھا اٹھ گیا۔

## (۵) مقبرہ مہاجرین

(م)

مکہ منظر کے قدیم مقبروں میں مقبرہ مہاجرین بھی ہے۔ ازرقی کہتا ہے کہ یہ قبرستان مقام حصص میں موضع فح اور جبل متلع کے درمیان واقع ہے۔ ابن ظہیر جبل متلع کا نام جبل بکا اور زاہر بھی لکھتے ہیں۔ تقی الدین فاسی جبل بکا کی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت کی ہجرت کے بعد مسلمان یہاں آکر گریہ و زاری کیا کرتے تھے اور فاسی کے زمانہ یعنی نویں صدی ہجری تک اس جگہ کا یہی نام مشہور تھا۔ ابن ظہیر نے مقبرہ مہاجرین کی وجہ تسمیہ ایک تو یہ لکھی ہے کہ جندع ابن ضمہ ابن ابی العاص کے سے مدینے کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تھے۔ اس مقام پر ان کا انتقال ہو گیا اور اس وجہ سے یہ جگہ مقبرہ مہاجرین کے نام سے موسوم ہو گئی۔ دوسری وجہ یہ کہ یہاں ۹۹ء میں علویوں کی ایک جماعت اور ہادی خلیفہ عباسی کے لشکر کے درمیان لڑائی ہوئی تھی۔ علویوں اور ان کے انصار کے دفن کی وجہ سے اس قبرستان کا نام مقبرہ مہاجرین

ہو گیا۔ (جامع اللطیف عربی مطبوعہ مصر ص ۳۲۸ تا ۳۵۱)

ابن ظہیرہ نے سنہ غلط لکھا ہے۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ کا ہے۔ خلیفہ ہادی کی سلطنت اسی سنہ میں شروع ہو کر ایک برس چند مہینے میں ختم ہو گئی تھی۔ وجہ تسمیہ بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ قطب الدین کی نے اس مقبرے کا وقوع اور علویوں کی جنگ کا واقعہ عمرہ کی شرک پر موضع فح میں تحریر کیا ہے۔ (الاعلام ص ۹۸)

ابوالفدا نے ہادی خلیفہ بغداد اور علویوں کی جنگ موضع ورج میں جو طائف کے رستے میں ہے بیان کی ہے اور ایسے کچھ اشارے بھی نقل کیے ہیں جن میں ورج کا نام آیا ہے۔ منجملہ اُن کے دو شعر علویوں کے امام حضرت ابی عبداللہ الحسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن ثنی بن امام حسن علیہ السلام کے مرثیہ کے ہیں جنہوں نے ہادی کے زمانہ میں خروج کیا تھا اور اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ فح۔ فح اور قح تینوں میں صحیح نام کون سا ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ایک نام تو صحیح ہے۔ باقی دو نام سہو کتابت سے مسخ شدہ صورتیں ہیں اور چونکہ یہ تینوں ہموزن ہیں اس لیے ابوالفدا کے نقل کردہ اشارے بھی اس بارے میں کچھ مدد نہیں مل سکتی۔ اور آئندہ میں قطب الدین کی کا استعمال کردہ لفظ فح اختیار کرتا ہوں۔ ابن خلدون نے عہد ہادی کے واقعات میں حضرت حسین کی شہادت مقام ذی طویٰ میں تحریر کی ہے۔ ذی طویٰ کی تشبیح سابق میں کی جا چکی ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ذی طویٰ کی جو صراحت کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ مہاجرین ذی طویٰ کے قریب ہے وہ لکھتا ہے :-

ذی طویٰ ایک میدان ہے جو شہید اکھڑی کے نیچے اُس قبرستان سے جالا ہے جو مقام صحاص میں مقبرہ مہاجرین کے نام سے موسوم ہے تنیم جو عمرہ کے رستے میں کے سے تین میل ہے۔ اُس کے دونوں طرف کا حصہ زاہر کہلاتا ہے یہاں کے کنوؤں کا پانی نہایت شیریں ہے۔ ذی طویٰ مقام زاہر سے قریب ہے۔ (سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول حالات مکہ منظرہ)

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فتح متقیم کے قریب جہاں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں ذی طوی سے ملی ہوئی کوئی جگہ ہے۔ ۳۲۵ء میں میرے رہنماؤں نے مقام ذی طوی کی جسے آج کل آبار زاہر یعنی زاہر کے کنوئیں کہتے ہیں نشانہ ہی کی۔ مگر اس قبرستان کے وجود کا کچھ تپہ اور مقام فتح کے کوئی آثار اور حسین کے مزار کی علامت نہ بتا سکے۔ عرب میں مقامات کے نام جس طرح وقتاً فوقتاً بدل جاتے ہیں اور قبروں کی غیر پہچانی کی وجہ سے قبرستان جیسے جلد جلد نیتے بگڑتے رہتے ہیں اُس کے لحاظ سے اس وقت اس مقبرے کا تپہ چلنا دشوار ہے۔ حضرت حسین کی جنگ ۶۱۰ء میں ہوئی تھی جس کو اس وقت تخمیناً بارہ سو برس گزر گئے اور اس مدت میں کوئی پانچ سو برس عباسیوں کی سلطنت کے بھی شامل ہیں جن سے یہ توقع نہیں کیجا سکتی کہ وہ اپنی سلطنت کے باغیوں کی قبروں کی نگہداشت کرتے۔

چونکہ موضع فتح یا اداوی ذی طوی کو حضرت اہل عبد اللہ حسین کے مدفن و مشہد ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے اس بزرگ کی جنگ کے مختصر حالات لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسین کا سلسلہ نسب امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے چھٹی پشت میں ملتا ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ یہ بڑے بہادر و فیاض تھے اور عموماً ان صفات سے جو اہل بیت یا اولاد علیؑ میں پائی جاتی ہیں متصف تھے۔ ہادی خلیفہ بغداد کے عامل مدینہ سے اُس کے ناگوار طرز عمل کے باعث ان کی اُن بن ہو گئی اور انھوں نے چند انصار کے ساتھ اُس پر حملہ کیا اور اُس کو مدینے سے نکال دیا۔ مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کے بعد حسین کے کی طرف بڑھے ان کے ساتھ قبیلہ بنی حسن کے شیعوں کی ایک جماعت تھی اور کتاب اللہ و کتاب الرسول پر عمل پیرا ہونے کے وعدے پر مسلمانوں سے یہ بیعت لیتے تھے۔ مگر عظمہ میں آکر انھوں نے غلاموں کی اداوی کا اعلان کیا۔ بہت سے غلام اور دوسرے مسلمان بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ انھوں نے مکے کے والی خالد الیزیدی اور اُس کے ساتھی تمام عباسیوں کو قتل کیا اور لشکر عباسی کو شکست دی۔ آخر محمد بن سلیمان عباسی جو ایک بڑے لشکر کے ساتھ بغداد سے حج کرنے آیا تھا۔ ان کی طرف بڑھا فتح پر لڑائی ہوئی حسین اور اُن کے ساتھی مارے گئے۔ ان کا سر اور ان کے ساتھیوں کے ایک سو سر خلیفہ بغداد کے پاس بھیجے گئے۔ ان کا سر پیش کرنے والا طالب انعام ہوا۔ مگر خلیفہ ہادی نے



اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ یہ کسی کافر کا سر نہیں ہے بلکہ رسول اللہ کے ایک فرزند کا سر ہے۔ محض سیاست و انتظام قائم رکھنے کے لیے اس کو قتل کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۶۹ھ کا ہے۔

ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین کے حوالہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ مقام فح پر تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کے ساتھ وہاں نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کہ یہاں میرے اہل بیت سے ایک شخص مع اپنے ساتھیوں کے قتل کیا جائیگا یہ لوگ سردوں سے کھن باندھے اور کافور حنبت اپنے جسموں کو لگائے یہاں آئیں گے۔ ان کی روچیں ان کے جسموں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔

(الاعلام باعلام بیت اللہ الاحرام عربی مطبوعہ مصر ص ۹۸) تاریخ ابن خلدون و تاریخ ابو الفدا حالات خلیفہ ہادی برادر ہارون الرشید

مجھے بچپن سے حضرت میر محمد تقیؑ تیسر کا یہ شعر یاد ہے۔ مگر اس کا مطلب اب بڑھاپے میں اولاد رسول اللہ کی تاریخ پڑھنے کے بعد سمجھ میں آیا۔

غیرت سے تنگ آکر غیروں سے لڑمیں گے  
آگے بھی تیسر سید کرتے رہے ہیں سنا کا

سر - ۱  
۱۶ - ۱۷  
۱۸ - ۱۹  
۲۰ - ۲۱  
۲۲ - ۲۳

۱۰۔ ساکھوں ریز معرکہ گھمسان۔

# باب دوم

## مدینے کے مزارات

### فصل اول

(\*)

## مزار اقدس و کائنات محمد رسول اللہ ﷺ

(۱) حجرہ مزار اقدس کی اجمالی حالت

حجرہ معلومہ جس میں آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دفن ہیں۔ مسجد نبوی کے جنوبی و مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ مسجد کی دیوار جنوب میں اس سے (۲۶) فٹ کے فاصلہ پہ ہے اور مشرق میں کوئی (۱۵) فٹ دور۔ اس کے شمال میں خبابہ سیدہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا مکان و مزار ہے جو حجرہ مقدس کی طرح ڈھلی جالی سے محصور ہے۔ مغرب میں مسجد نبوی کا وہ مقدس ترین حصہ ہے جسے مجازاً روحانیہ من ریاض الجنۃ یعنی بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ کہتے ہیں حجرہ شریف کوئی چار گز لمبا اور سوا دو گز چڑا ہے۔ یہ سب طرفوں سے بند ہے۔ اس میں کوئی دروازہ

نہیں ہے۔ اس پر گنبد نمالہ او کی چھت ہے اور اس کے اوپر قبۂ خضرا یعنی سبز گنبد جو دروازوں سے دکھائی دیتا ہے قائم ہے۔

مورخ حجرہ شریف کو مربع کہتے ہیں مگر بالکل چوکھوٹا نہیں ہے بلکہ غیر مساوی الاضلاع چار ضلع کی ایک شکل ہے۔ حجرہ شریف کے گرد اگر دو اور اس سے تقریباً ملتی ایک سنگین محبس احاطہ اور ہے جس سے حجرہ شریف بالکل چھپ گیا ہے۔ اس احاطہ میں بھی کوئی دروازہ نہیں ہے اور اس طرح حجرہ مقدس و بیرونی احاطہ دونوں ملکر گویا ایک ہی حجرہ ہو گیا ہے۔ اس پر سبز گنبد کا غلاف جس میں سفید ریشم سے کلمہ و درود بتایا ہوا ہے اوپر سے نیچے تک پڑا ہے کسی طرف سے دیواریں نظر نہیں آتیں۔ حجرے کے گرد سب طرف بطور گردش ایک گیلری یا چھت ہے جس کی چوڑائی کہیں دو ڈھائی گز اور کہیں تین چار گز ہے۔ گیلری کی چھت میں قندلیں آویزاں ہیں اور اس کے سنگ مرمر کے فرش پر عود سوز۔ شمع دان۔ صندوق۔ مندل وغیرہ اشیاء رکھی ہیں۔ اس کے بعد کوئی چھ گز اونچی ڈھلی ہوئی جالی نصب ہے۔ تین طرف یہ لوہے کی ہے۔ سبز رنگ ہے اور جانب قبلہ یعنی جنوب کی طرف چمکدار پتیل کی ہے اسی طرف کھڑے ہو کر زائر سلام عرض کرتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ جالی میں چار طرف چار دروازے ہیں جو عموماً بند رہتے ہیں۔ صرف مشرقی دروازہ شام کو کھلتا ہے۔ اس میں سے خدام گیلری میں پہنچ کر صفائی و روشنی کا انتظام کرتے ہیں۔ حجرے کی دیواروں کو عطر ملتے ہیں اور عود اگر لٹکاتے ہیں۔ خدام بھی حجرہ شریف کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ داخلی کے لیے اس میں کوئی دروازہ ہی نہیں ہے۔ البتہ گیلری میں پہنچ کر حجرے کی دیواروں کو صرف باہر سے چھو سکتے ہیں۔ عام زائرین کی یہاں تک بھی رسائی نہیں۔ کبھی کبھی کسی معزز یا مقدس زائر کو گیلری میں داخل ہو جانے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے مجھ جیسے گنہگار باوجود موقع پانے کے اس مقدس زمین پر اپنے ناپاک قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ مشتاقانِ جمال محمدی جالی سے منہ لگا کر ٹھٹھکی باندھے دربار احمدی کا سماں دیکھتے ہیں۔ ہر طرف سایہ ہونے کی وجہ سے گوبشکل گیلری کی کچھ کیفیت اور غلاف سے ڈھکی ہوئی دیواریں ہی نظر آتی ہیں۔ مگر اللہ اللہ رے شوق دیدل سیر ہی نہیں ہوتا۔ اس گنہگار نے بغیر دیکھے یہ شعر کہے تھے لیکن جب اس آستانہ آندرج

حاضر ہوا تو خبر ہوئی کہ میرے دل کو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم تھا۔  
عجب کیا ہے جو انکھیں روزِ دیوار بن جائیں تمہارے رونے کی یا شاہ جب ہم چالیاں دیکھیں  
تھکاتا ہے رونے کا ہمیشہ اک نیا عالم نگاہ شوق سے شبیر جب دیکھیں جہاں دیکھیں

## (۲) حجرہ شریف آنحضرت صلعم کے نمایاں

(\*)

مسجد نبوی کے اُس پاس حضرت حارث بن نعمان انصاری کی زمین و مکان تھے جو وقتاً فوقتاً انھوں نے آنحضرت کے نذر کر دیے اور حضور سرور کائنات نے بہ اوقات مختلف وہاں حجرے تعمیر کرائے۔ حجرہ شریف جس کا اس وقت ذکر کیا جا رہا ہے حضرت عائشہ کے لیے بنوایا گیا تھا اُس کی تعمیر کے واسطے حضرت ابو بکرؓ نے ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی کوئی ایک سو تین روپیے آنحضرت کو دیے تھے اور مسجد کی تعمیر کے بعد شوال ۲۷ھ میں یہ تیار ہوا تھا۔ یہ حجرہ بھی مثل دوسرے حجروں کے کھجور کی ٹٹیوں کا تھا جس پر مٹی لپی دی گئی تھی اور اس کے احاطہ کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں حجرہ اندر سے ۳۴ فٹ ۶ اینچ لمبا اور کوئی ۹ فٹ چوڑا تھا اس کے دو دروازے تھے ایک سہ۔ کل فوجرے تیار ہوئے ان میں سے چار کے اندر ونی حجرے کھجور کی ٹٹیوں کے تھے جن پر مٹی لپی ہوئی تھی اور بیرونی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں بقیہ پانچ صرف کھجور کی ٹٹیوں کے تھے۔ تمام حجرے شمال و جنوب کے رخ تھے مسجد کی مغربی جانب کوئی نہ تھا۔ ۸۹ھ میں ولید بن عبدالملک کے حکم سے عمر بن عبدالعزیز نے جو اُس وقت حاکم مدینہ تھے یہ سب مکانات کچھ برضا و رغبت اور کچھ بہ جبر واکراہ مسجد نبوی میں شامل کر لیے جس دن ان حجروں کو منہدم کیا گیا مدینے میں ایک قیامت برپا تھی کوئی ایسا نہ تھا جو ان کو دیکھ کر نہ روتا ہو وہ منظر بہت ہی دردناک تھا جبکہ ان مکانوں کی رہنے والیاں جن میں حضرت فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین علیہ السلام زوجہ حسن ثنائیہ ام حسن بھی تھیں۔ دن دھاڑے چادریں اوڑھے روتی ہوئی گھر دل سے نکلیں مکانوں کا نخلیہ اُن کی خلاف ورزی کرایا گیا اور جس وقت دیواریں گرانی شروع ہوئیں مجبوراً اُس وقت یہ باہر آئیں (ماخوذ از دنا دانا باخسار دار المصلحین و جذب القلوب و نزہۃ الناظرین وغیرہ)



۳۷۔ آنحضرتؐ کو امیر المومنین علیؑ نے غسل دیا تھا۔ حضرت عباسؑ رسول اور اُن کے دو فرزند (بقیہ برص ۶)

باہر تشریف لائیں گے۔ قیامت کی علامتیں نمودار ہو گئیں! اسلام ضعیف ہو گیا! شاہانِ اسلام کمزور پڑ گئے۔ اب حضور کی تشریف آوری میں کیا دیر ہے!

اے ہر سراپہ وہ شربِ بخواب  
خیز! کہ شد مشرق و مغرب خراب

### (۳) مزارِ اقدس آنحضرتؐ کے بعد

(\*)

آنحضرت صلم کی وفات کے بعد بھی حضرت عائشہؓ اسی مکان میں رہا کیں۔ قبرِ شریف اور ان کے سکونتی جگہ سے ایک کئی آڑ نہ تھی۔ کچھ دن تک یہ طریقہ رہا کہ لوگ ایک دروازے سے داخل ہو کر آنحضرت پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بعد دوسرے دروازے سے نکل جاتے تھے۔ جب مرقدِ شریف کی خاک لوگ بطور تبرک اٹھانے لگے تو حضرت عائشہؓ نے اپنے مسکن اور قبرِ شریف کے درمیان ایک دیوار اٹھا کر اس گھر کے دو حصے کر دیئے اس سے آنے والوں کی اگرچہ ایک حد تک روک تھام ہو گئی۔ پھر بھی بعض اصحاب آتے تھے اور دیوار کے ایک سو ران میں ہاتھ ڈال کر مرقدِ شریف کی خاک اٹھا لیتے تھے۔ آخر حضرت عائشہؓ نے اس سو ران کو بھی تھوپ کر بند کر دیا۔

(وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ عربی مطبوعہ مصر جلد اول بابِ فصل (۲) ص ۳۸۵)

(بقیہ ماحشیہ صفحہ گزشتہ)

فضل و تقسم کر دیے جاتے تھے اور آسام بن زید اور شقران آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام بانی ڈالتے تھے۔ بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھی گئی۔ حجرے کی تنگی کی وجہ سے دس دس آدمی ایک وقت آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ تخمیناً ۳۶ گھنٹے نماز میں صرف ہوئے اور کوئی ۳۲ ہزار آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے پھر اہل بیت نے پھر انصار و مہاجرین وغیرہ تمام شہ نے نماز پڑھی۔ ۵۵ دہشتہ کے دن دوپہر کے وقت رحلت ہوئی تھی۔ اور اس کی شام کو یعنی شبِ چہار شنبہ کو دفن کیا گیا۔ بعد ازاں انصاری نے قبر کو دی اور حضرت علیؓ و فضل و تقسم فرزندِ آنحضرتؐ نے قبر میں

## (۴) مزار اقدس حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں

(\*)

حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں اس حجرے میں کوئی تعمیر نہیں ہوا۔ حضرت عائشہؓ بدستور اس میں سکونت پذیر رہیں۔ یہاں تک کہ جادی الآخر ۳۱ھ میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی۔ اور یہاں دفن کیے گئے۔

## (۵) مزار اقدس حضرت عمرؓ کے زمانے میں

(\*)

۳۱ھ میں جب حضرت عمرؓ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کی تو حجرہ شریف کی دیواروں کو جو ٹیٹوں کی تھیں کچی اینٹوں سے بنوادیا۔ جب تک یہاں آنحضرتؐ و حضرت ابو بکرؓ کی قبریں تھیں حضرت عائشہؓ بلا تکلف ادھر چلی آتی تھیں۔ جب ۳۲ھ میں حضرت عمرؓ یہاں دفن ہوئے تو انھوں نے پہلی طرح مزار اقدس پر آنا چھوڑ دیا۔ اور بلا حجاب کمال یعنی چادر و برقع اور ٹھٹھے بغیر ادھر نہ آتی تھیں۔

## (۶) حجرہ مزار اقدس میں قبور کی وضع و ہیئت

(\*)

حجرہ شریف میں آنحضرتؐ صلعم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی کچی قبریں ہیں۔ جن پر نہ کوئی قنویہ ہے نہ کتبہ۔ یہ تینوں قبریں پہلے سطح تھیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ کی تعمیر کے وقت جب ان پر دیوار گر گئی تو وہ کسی قدر ڈھلوان ہو گئیں مگر سطح ہونے کے بارے میں روایتیں قوی ہیں۔ ایک روایت سے جو امام جعفر صادق علیہ السلام رسولِ انتہی ہوتی ہے یہ ثابت ہے کہ

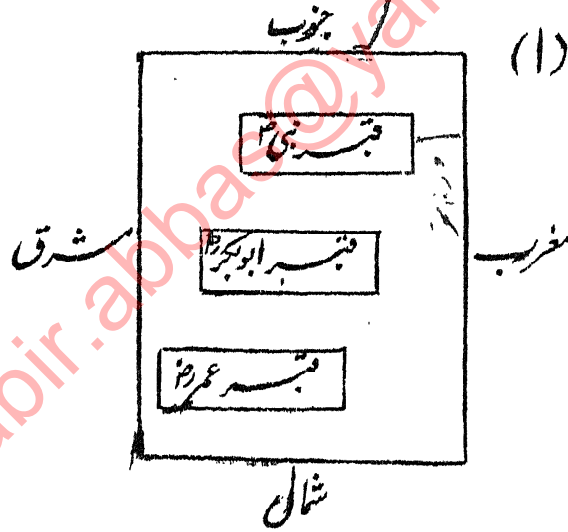
آنحضرتؐ کی قبر ایک بالشت اونچی بنائی گئی تھی۔

(وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ صفحہ ۲۸۶)

مستند روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر زمین سے چار انکل بلند تھی۔ لیکن اس پر سب سے رنگ کے سنگریزے بھی بچھائے گئے تھے۔ اس لیے خیال ہو سکتا ہے کہ پہلے صرف چار انکل بلند ہوگی۔ سنگریزے بچھانے سے ایک بالشت اونچی ہو گئی ہوگی۔

(حیات القلوب جلد دوم باب ۶۴)

آنحضرتؐ کی قبر مطہر حجرے کی جنوبی دیوار کے نیچے مغربی دیوار سے دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ قبروں کی وضع و ہیئت بروایت صحیحہ اس طرح ہے کہ آنحضرتؐ کے دو شاہ مبارک کے محاذی حضرت ابوبکرؓ کا سر اور حضرت ابوجعفرؓ کے کندھے کے سامنے حضرت عمرؓ کا سر۔ جن کی صورت یہ ہوتی ہے۔

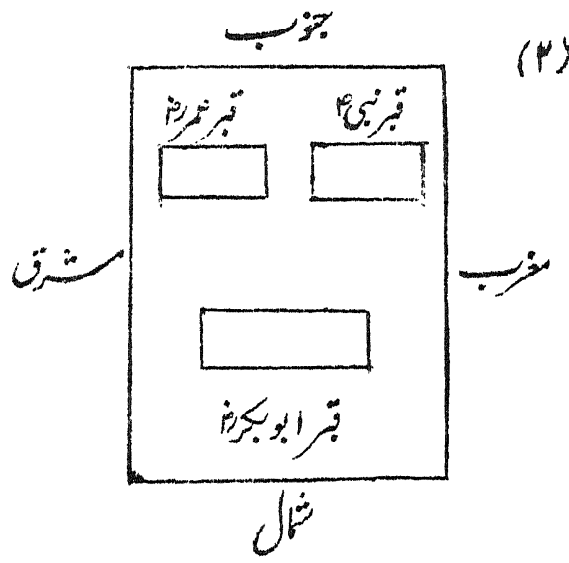


عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں جب حجرہ شریف تعمیر کیا گیا تو حجرے کا پایہ کھودتے وقت جانب مشرق کسی کے پاؤں نظر آنے لگے۔ لوگ گھبرائے کہ شاید آنحضرتؐ کے قدم مبارک ہوں۔ مگر عرودہ صحابی کی تصدیق اور روایتوں کی تائید سے ثابت ہوا کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاؤں تھے۔ آخر جانب مشرق تھوڑی سی زمین بڑھا کر پایہ کھودا گیا۔

اسی روایت کی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبروں کی شکل



بہم ہوگی۔



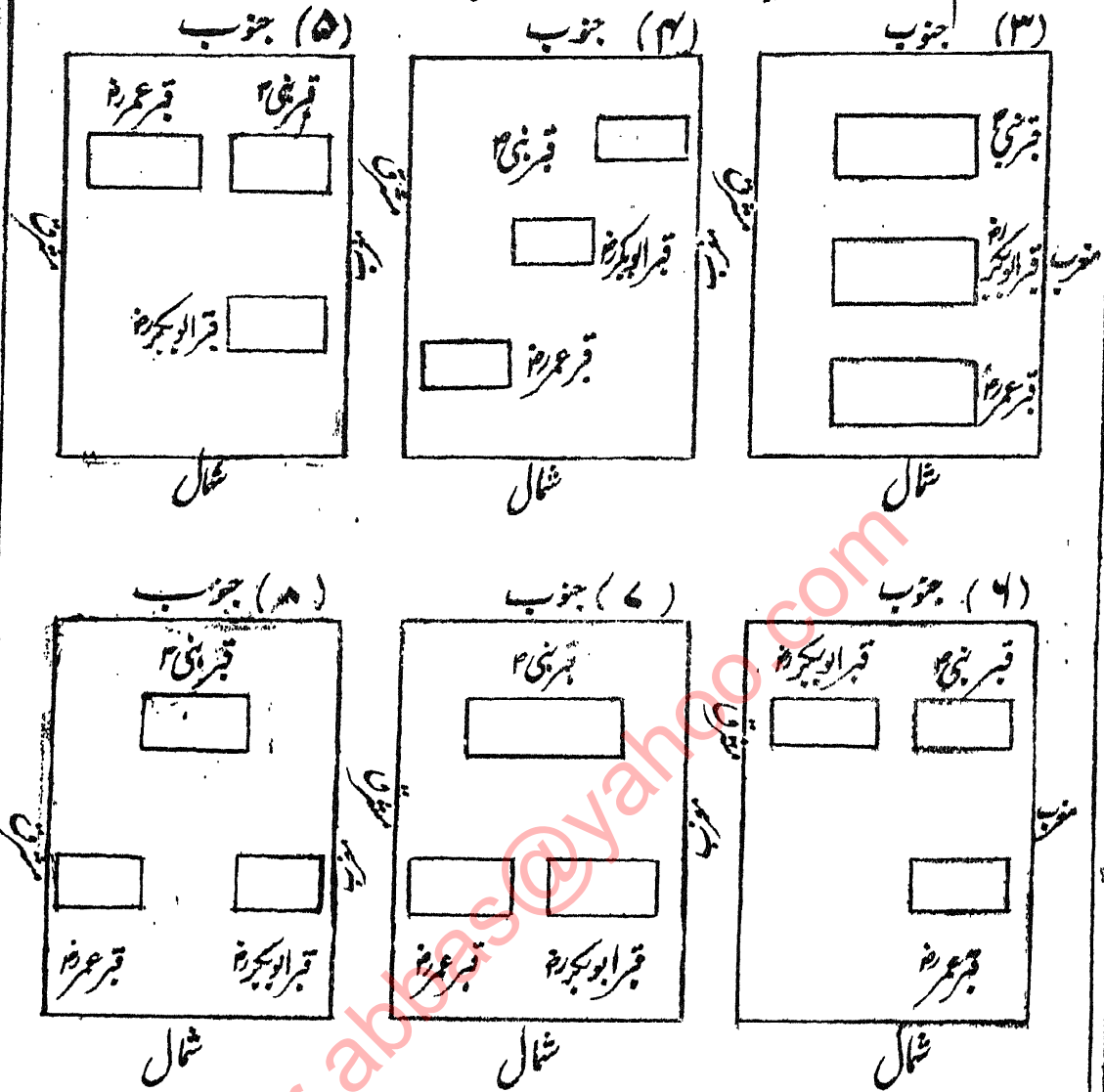
مگر پہلی وضع سے بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاؤں مشرقی دیوار تک پہنچے ہوں۔ اور پہلی ہی شکل زیادہ صحیح مانی گئی ہے۔ اس کا سلسلہ روایت حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے خلاصہ روایت یہ ہے کہ جب قاسم نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ سے ان قبروں کی زیارت کے لیے کہا تو انہوں نے حجرہ شریف کھول دیا اور قاسم نے تین قبریں دیکھیں جو نہ تو زیادہ بلند تھیں اور نہ بالکل ہی زمین سے ہوا اُن پر موضع عرصہ کے سُرخ رنگ کے پتھر کے ٹکڑے بچھے ہوئے تھے اور اُن کی ہیئت اُسی طور پر تھی جیسی کہ شکل اول میں دکھائی گئی ہے۔

(خلاصۃ الوفایاب (۴) فصل (۱۰) صفحہ ۱۲۱)

اگرچہ حضرت قاسم کی روایت اس بارے میں بڑی وقعت رکھتی ہے اور اس کے بعد اس معاملہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں رہتی تاہم یہ عرض کر دینا بھی ضرور ہے کہ بعض راویوں نے سمونظری سے یا عالم بیخودی و بے خیالی میں ان قبروں کی زیارت کر کے اور بھی

۱۵۔ قاسم ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے اور امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کے نانا تھے ان کی صاحبزادی اُم فروہ المم محمد باقرؑ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ اور جناب صادقؑ آل محمد کی والدہ ہیں۔ قاسم کی بیوی اسمائت عبد الرحمان بن ابوبکر حضرت جعفر صادقؑ کی علیہ السلام کی نانی تھیں۔ قاسم کی وفات سنہ ۶۰ میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

چھ نقشے قائم کرتے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔



مندرجہ بالا نقشے اُن لوگوں کے قائم کیے ہوئے ہیں جن کو زیادہ سے زیادہ زمانہ عمر بن عباسؓ کی تعمیر یعنی سن ۹۰ء تک زیارت کا موقع ملا تھا یا جنہوں نے زائرین مزار اہل بیتؑ کی زبانی کیفیت سُن کر قبروں کی ہیئت کا بطور خود تصور جالیا تھا۔ اس کے بعد حجرہ الطہر چاروں طرف سے بند کر دیا گیا اور زائرین کو اپنی آنکھوں سے ان قبروں کے دیکھنے کا موقع نہ رہا۔ سلاطے چھ سو برس تک یہی حالت رہی۔ ۱۵۴۰ء کی آتشزدگی میں جب حجرہ شریف کی چھت جل کر قبروں پر گر گئی تھی اُس وقت اس امر کا پتہ نہیں لگتا کہ ملبہ صاف کرنے کے بعد قبریں کس ہیئت و شکل کی نمودار ہوئی تھیں اور وقت تعمیر اُس وقت قبریں بھی کچھ اصلاح طلب تھیں یا نہیں۔

جب سلطان تائید بے مصری نے ۸۸۱ھ میں حجرہ شریف کی تعمیر کرائی۔ اُس وقت سید سمہودی کو حجرے کے اندر شرف باریابی حاصل ہوا تھا دیواروں کا ملبہ وغیرہ ہٹا دینے کے بعد حجرہ شریف میں داخل ہو کر جو کیفیت انھوں نے دیکھی وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

اللہ تعالیٰ سے توفیق حسن ادب و تنظیم کے لیے دعا کر کے میں حجرے کی چھ کی جانب سے اندر گیا اور بعد صلوٰۃ و سلام و توسل و تشفع میں نے حجرے پر نظر ڈالی اور اس خیال سے کہ اُن مشاقوں کے لیے بھی جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں کچھ تحفہ لیجاؤں۔ میں نے اپنی آنکھوں کو اُس قبر کے مقام سے متمتع کیا۔ میں نے دیکھا کہ حجرے کی سطح ایک ہزار زمین ہے۔ قبور کے دہاں کوئی آثار نہیں ہیں۔ حجرے کے بیچ میں ایک جگہ کسی قدر بلند تھی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ وہی مقام قبر شریف ہے اور بعض لوگوں نے دہاں کی خاک تبرکاً اٹھا مگر اُن کا بیخیال غلط تھا کیونکہ آنحضرتؐ کی قبر بروایت معتبر دیوار حجرے کے قریب ہے نہ کہ بیچ میں۔ اس کے بعد جانب مشرق تین ہاتھ اور جانب غرب کوئی دھائی ہاتھ زمین اور بڑھا کر حجرے کے آخر تہائی حصے میں حسب روایات و اقوال مشہور قبر بنافیلی اور اُن پر سنخ شکر نیر سے جادے۔“

خلاصۃ الونفا عربی مطبوعہ مصر باب (۴) فصل (۱۲) ص ۱۵۰ (۱۵۱)

مذکورہ بالا بیان میں سید سمہودی کی مراد روایات مشہورہ سے وہی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر کی روایت ہے اور چونکہ ۸۸۱ھ سے اب تک کوئی اور موقع حجرہ شریف اور قبروں کی تعمیر و ترمیم کا نہیں ہوا۔ اس لیے بقیاس غالب اس وقت قبریں اُسی ہیئت سے موجود ہیں جو شکل اول میں دکھائی گئی ہے۔

سلطان شرف ابو نصر سلطان تائیبتائی مصر و حجاز کا بادشاہ تھا۔ تائیبتائی عرب ہے تائید بے کا۔ یہ سلطان ملک چرکیہ مصر میں نہایت مخیر و نیک گزرا ہے اس کو مجد نبوی کی تعمیر و درستی کا دو مرتبہ شرف حاصل ہوا۔ ایک دفعہ ۸۸۱ھ ہجری میں دوسری آتشزدگی سے قبل۔ دوسری مرتبہ ۸۸۲ھ ہجری میں آتشزدگی کے بعد سلطان محمود ۸۸۲ھ ہجری سے ۹۰۴ھ ہجری تک حاکم مصر و حجاز رہا۔ اہل یورپ اس کو تائید بے کہتے ہیں۔

سنگریزوں کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ غالباً قبر کے گرد حاشیہ کے طور پر جا دیے گئے ہوں گے جیسا کہ آجکل عرب و ہندوستان میں دستور ہے۔ مگر یہاں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی بندش ہوتی ہے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے سنگریزے رکھے ہوں گے کیونکہ حضور سرور عالم کی قبر اطہر کی کل بلندی سنگریزوں سمیت ایک بالشت تھی اور اصل قبر کی بلندی چار ہی انگلی تھی۔  
(حیات القلوب مؤلفہ ملا باستر مجلسی)

## (۷) حجرہ مزارِ اقدس میں چوتھی قبر کی جگہ

(\*)

یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کے قریب ظاہر ہو کر جب فوت ہوں گے تو آنحضرت کے حجرے میں دفن کیے جائیں گے۔ اُن کے لیے ایک قبر کی جگہ حجرہ شریف میں محفوظ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ صرف ایک ہی قبر کی جگہ حجرے میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ مگر حجرہ شریف میں بعض اور صاحبوں نے بھی دفن ہونا چاہا تھا لہٰذا لوگوں کو اُن کے یہاں دفن کرنے کا خیال ہوا تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم کو حجرہ شریف میں دفن کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا مگر بعض لوگ مانع ہوئے۔ اور بقیع کے آخری حصے میں دفن کیے گئے۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی وصیت تھی کہ نا اکی پائنتی اُن کو دفن کیا جائے اور اگر اہل ہشمر جہت کریں تو بقیع میں سپرد خاک کر دینا۔ چنانچہ خالین نے اُن کو یہاں دفن ہونے نہ دیا۔ تیسرے بعد ازاں بن عوف صحابی کو اُن کے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ نے کھلا بھیجا تھا کہ اگر تم چاہو تو تم کو حجرے میں جگہ دی جاسکتی ہے مگر انھوں نے کہا کہ میں آپ کا مکان آپ پر تنگ کرنا نہیں چاہتا اس کے علاوہ مجھ میں اور عثمان بن مظعون ہیں یہ اقرار تھا کہ ہم ایک ہی جگہ گڑیں گے۔ اس لیے میں اُن کے پاس بقیع ہی میں دفن ہوں گا۔

واقعات مندرجہ بالا سے قیاس ہوتا ہے کہ حجرہ شریف میں ایک آدھ قبر کی جگہ اور ہوگی وہ حضرت عیسیٰؑ کی جگہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ شاید کوئی نہ کرتا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حضرت سحؑ کے



یہاں دفن ہونے کی روایت ہی ضعیف ہو۔

## (۸) مزار اقدس امیر معاویہ کے زمانے میں

(❖)

کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے حجرہ شریف کا وہ حصہ جس میں حضرت عائشہؓ سکونت رکھتی تھیں اس شرط سے خرید لیا تھا کہ تا حیات وہ اُس میں مقیم رہیں گی۔

## (۹) مزار اقدس عبداللہ بن زبیر کے زمانے میں

(❖)

حجرہ شریف کی دیواریں جو حضرت عمرؓ نے بنوائی تھیں وہ زیادہ ملت نہ تھیں اس لیے عبداللہ بن زبیر نے اپنے عہد خلافت میں اُن کو اونچا کر دیا۔

## (۱۰) مزار اقدس ولید بن عبد الملک کے زمانے میں

(❖)

۸۹ھ میں ولید بن عبد الملک کے حکم سے عمر بن عبد العزیز نے جو اُس وقت مدینہ کے حاکم تھے مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام آغاز کیا اور اس مقصد کے لیے حجرہ شریف اور آنحضرتؐ کی

۱۔ ولید بن عبد الملک خاندان نبی امیہ کا چھٹا خلیفہ تھا جو ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ۹۶ھ میں مرا۔  
۲۔ عمر بن عبد العزیز خاندان نبی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے اور اس تمام خاندان میں نیک تھے۔  
۳۔ سلیمان خلیفہ رابع ۹۶ھ میں وفات پائی۔

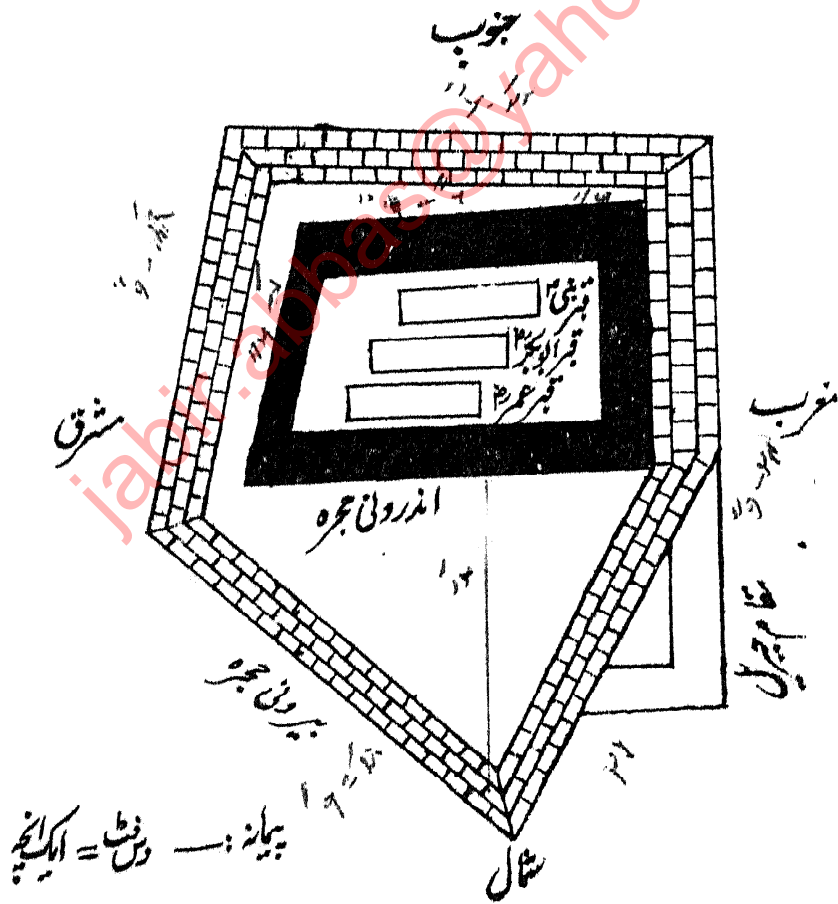
۴۔ بعد کی تعمیر کا کام ۸۹ھ سے شروع ہو کر ۱۱۰ھ میں ختم ہوا۔

دوسری بیبیوں کے حجرے شریک مسجد کر لیے۔ حضرت عمر کا بنوایا ہوا حجرہ اب تک چلا آ رہا تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے اس کو ڈھا کر کچی اینٹوں سے بنوایا۔ اور اُس کے باہر نقشتی پتھروں سے ایک حجرہ یا احاطہ اور تیار کرایا اور ان دو ڈول کی دیواروں میں سے کسی ایک میں بھی دروازہ نہ رکھا کہ لوگ کہیں قبر شریف کی غیر معمولی تعظیم نہ کریں۔ البتہ حجرے کی چھت میں ایک کھڑکی رکھی تاکہ وقت ضرورت اُس میں سے کسی کو اندر آتا رہا جاسکے۔ حجرہ شریف کے گرد دوسرا حجرہ یا احاطہ تعمیر کرایا اُس کو غس یعنی پانچ پہلو کا بنوایا۔ مربع اس خوف سے نہ رکھا کہ زائرین کہے کہ ہمشکل سمجھ کر اس کا بھی ملواف نہ کرنے لگیں۔

ولید بن عبد الملک نے تعمیر مسجد کے لیے روم سے کارگر بلوائے تھے چنانچہ چالیس رومی اور چالیس قبلی عیسائی اس کام پر مقرر کیے گئے تھے اور چونکہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ حجرہ شریف بھی تعمیر کیا گیا تھا اس لیے حجرہ شریف بھی غالباً انہیں عیسائیوں نے بنایا۔

عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کے وقت حجرے کی مشرق رویہ دیوار کا پایہ کھودتے وقت ایک پاؤں ظاہر ہوا تھا۔ لوگ گھبرائے کہ آنحضرت کا پائے مبارک تو نہیں ہے مگر حضرت جرہ صحابی کے اطمینان دلانے سے جنھوں نے دفن کے وقت آنحضرت کی قبر شریف کو دیکھا تھا ثابت ہوا کہ آنحضرت کی قبر جنوبی دیوار کے نیچے ہے اور یہ پاؤں حضرت عمر کا تھا جو تنگی مکان کی وجہ سے بنیاد میں آگیا تھا۔ میت کے پاؤں دیکھتے اور واقعہ کی صحت کے لیے جو لوگ اُس وقت حجرہ شریف میں داخل ہوئے تھے اُن میں عمرو بن عبد العزیز، قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز حجرے میں ادباً داخل نہیں ہوئے تھے۔ غرض کہ دیوار کا پایہ تھوڑی دور شاہکار کھنڈ رہا۔ اور اس طرح حجرہ شریف جو پہلے تقریباً مستطیل تھا وہ جانب مشرق کچھ زمین شامل ہو جانے سے مربع سا ہو گیا۔ پھر اس کے باہر خمس احاطہ جیسے حصار و محصور بھی کہتے ہیں تعمیر کرایا۔ حجرہ شریف کی اس تعمیر کے وقت عروہ صحابی نے عمر بن عبد العزیز سے کہا تھا کہ اگر حجرہ شریف کو ایسا ہی رہنے دو تو بہتر ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ "امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک کا یہ حکم ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں"۔ عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کے بعد اگرچہ دو تین مرتبہ حجرہ شریف کی تعمیر و ترمیم کی ضرورت ہوئی ہے جس کی صراحت آگے کی جائے گی مگر اس کی

لمبائی چوڑائی میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔ ان دونوں اندرونی و بیرونی حجروں کی پیمائش کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ عزنی مطبوعہ مصر مؤلفہ سید سمہودی سے اخذ کر کے یہاں درج کی جاتی ہے اور حجروں کا نقشہ بھی دیا جاتا ہے تاکہ ان کی وضع سمجھ میں آ سکے۔ سید محمود نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر یہ پیمائش بیان کی ہے۔ میں نے اس کو ایک جگہ کر لیا ہے اور اندرونی یا کسی اور سمت کی پیمائش جو ان کی کتاب سے نہ ملی اُس کو حسابی عمل وقاعدہ مستسا و مشاہدہ و معائنہ سے معلوم کر کے ہر قسم کی پیمائش دریافت کر لی ہے۔ وفاء الوفا میں پیمائش ہاتھوں کے حساب سے ہے میں نے عام فہم ہونے کے خیال سے فٹ اور انچوں میں لکھ دی ہے۔ اندرونی حجرہ بیرونی احاطہ کا نقشہ جو ذیل میں کھینچا گیا ہے اُس میں بھی اکیل و پیمانہ کا لحاظ رکھا ہے۔



## (الف) حجرہ اندرونی۔

دیواروں کی اندرونی پیمائش	دیواروں کا آثار	دیواروں کی بیرونی پیمائش
جنوبی دیوار ۱۲ فٹ - ۲-۱ انچ	۲ فٹ - ۳-۱ انچ	۵ فٹ - ۶-۱ انچ
شمالی ۱۳ - ۸	" "	۱۷ - ۱۷
شرقی ۷ - ۷	۱ - ۱	۱۱ - ۶
غربی ۷ - ۷	۲ - ۲	۱۱ - ۶
دیواروں کی بلندی ۲۲ - ۶ انچ		

حجرے کی سطح سے گنبد ناچھت تک بلندی (۲۷) فٹ (۴) انچ

## (ب) بیرونی احاطہ یا منہس حجرہ۔

اندرونی پیمائش	دیواروں کا آثار	دیواروں کی بیرونی پیمائش	کیفیت
جنوبی دیوار ۸ فٹ - ۶-۱ انچ	۲ فٹ	۲۲ فٹ - ۳-۱ انچ	
شرقی دیوار ۱۴ فٹ - ۹-۱ انچ	۲ فٹ	۱۸ - ۹-۱	
غربی دیوار ۲۰ - ۹-۱	۲	۲۴ - ۹-۱	پیمائش تمام جہتوں تک
مثلث کا غربی ضلع ۱۷ - ۷-۱	۲	۲۱ - ۷-۱	کی ہے وند حجرے کی دیوار تک جہاں تک
شرقی ۱۳ - ۹-۱	۲	۱۸ - ۹-۱	الحاق ہوا ہے ۱۳ فٹ
دیواروں کی بلندی ۱۸ - ۷-۱	۲	۲۰ - ۷-۱	۹-۱ فٹ

## (ج) حجرے اور احاطہ کی دیواروں کے درمیان سیری

جنوب میں قریب مواجہ شریفہ (۹) انچ مشرق میں ایک فٹ چھ انچ  
جنوب میں مواجہ شریفہ سے ہٹ کر (۱۱) فٹ (۹) انچ مغرب میں دونوں دیواریں چسپاں۔  
شمال میں حجرے کی دیوار سے مثلث کے اس تک (۱۲) فٹ۔

اگرچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی وید جعفر برزنجی وغیرہ اس پر متفق ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے حضرت عمرؓ کا کچی اینٹوں کا بنوایا ہوا حجرہ ڈھا کر نقشی پتھر کی دیواروں کا حجرہ تیار کرایا اور اُس کے باہر سنگین حلیہ (احاطہ) بنوایا مگر اس فقیر کی رائے میں عمر بن عبد العزیز نے اندرونی حجرہ



مٹی کا اور بیرونی احاطہ نقشی پتھر کا تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ سید مہودی سکھپان سے ایک جگہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے تعمیر کردہ اندرونی حجرے کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ ۵۸۸  
میں جب حجرہ شریف کے اندر ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی تو معلوم ہوا کہ غرب رویہ دیوار کی کچھ اینٹیں نکل کر گر گئی ہیں۔ ان کی بجائے مسجد نبوی کی مٹی سے اینٹیں بنا کر دیوار کی مرمت کی گئی اور شل سابق بنا دیا گیا۔ تفصیل اس واقعہ کی آگے تحریر کی جائے گی۔ اس سے ثابت ہے کہ عمر بن عبد العزیز کا بنوایا ہوا اندرونی حجرہ سنگین نہ تھا بلکہ کچی اینٹوں کا تھا ورنہ پتھر میں خاک مسجد کی اینٹوں کا پوینہ لگایا جاتا اور یہ نہ کہا جاتا کہ حسب سابق بنا دیا گیا۔  
بعض صاحبوں نے اس امر کے یقین کرنے میں بھی غلطی کی ہے کہ اس وقت مزار اقدس کے گرد کتنی دیواریں ہیں۔ مولوی صبغة اللہ صاحب ہاجر جو سید جعفر برزنجی کے قبیع ہیں اپنی کتاب السکینہ باخبار مدینہ میں فرماتے ہیں:-

”کہتے ہیں کہ قبر شریف کے گرد تین دیواریں ہیں۔ ایک دیوار حضور کے اصلی مکان کی۔ دوسری دیوار پتھر کی جس کو عمر بن عبد العزیز نے بنوایا۔ تیسری دیوار حلیہ (احاطہ کی)“ (السکینہ ص ۱۱۱)

اس ہجیران کی رائے میں مولوی صبغة اللہ صاحب سے سہہ ہوا ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اندرونی حجرے کی دیواریں ٹیٹوں کی تھیں ان کی بجائے حضرت عمرؓ نے اینٹ کی دیوار بنوادی تھیں۔ ان کی بلندی میں عبد اللہ ابن زہیر نے کچھ اضافہ کیا تھا۔ ان دیواروں کو دھماکہ عمر بن عبد العزیز نے کچی اینٹوں سے حجرہ تعمیر کرایا۔ اور اس کے گرد ایک نقشی سنگین حلیہ یا احاطہ مخمس شکل کا بنوایا پس مزار اقدس کے گرد اس وقت دو ہی دیواریں ہیں۔ عمر بن عبد العزیز کا بنوایا ہوا حجرہ و حلیہ پہلی آتشزدگی کے وقت ۶۵۴ء تک موجود تھا۔ ابن جریر نے ۵۸۸ء میں اس کی کیفیت لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:-

حجرہ شریف کے پانچ گوشے یعنی ۵ دیواریں ہیں۔ ہر دیوار کے نیچے کا ایک تہائی حصہ جسے آزار کہتے ہیں خوبصورت ترشے ہوئے پتھروں سے بنایا ہے۔ درمیان کے ایک تہائی حصے کو مشک و عود و عطر یا سند سے لیسھا

گیا ہے جس سے دیوار پر نصف بالشت موٹی تھ بطور کہہ گل کے چڑھ گئی ہے  
سب سے اوپر کے ایک تہائی حصے میں لکڑی کی جالیاں ہیں جو مسجد کی چھت  
سے ملی ہوئی ہیں۔“

## (۱۱) حجرہ مزار اقدس میں ایک داخلی



یہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے حجرہ اقدس اور اُس کے باہر کے محسن  
احاطے میں کوئی دروازہ نہیں رکھا تھا۔ اس طرح زائرین کو قبر شریف حضرت سرور کائنات  
اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع نہیں رہا تھا اور اس طرح تقریباً ۱۲۵۰ء سے مرقد مبارک  
آنکھوں سے پنہاں تھا اور کوئی خاص ضرورت ایسی بھی پیش نہیں آئی تھی جس کی تکمیل  
کے لیے چھت کی کھڑکیوں میں سے کسی کو حجرے کے اندر اتارا جاتا۔ ۱۲۵۰ء میں حجرہ  
شریف کے اندر دھماکے کی آواز سنائی دی جس سے خیال ہوا کہ کوئی دیوار وغیرہ اندر گر گئی  
ہے۔ دریافت حال کے لیے عمر النشانی ساکن موصل کو جو مشلخ صوفیہ میں سے تھے اور  
مدینہ میں مقیم تھے چند روز بھوکا رکھ کر کہ تظافت و طہارت اُن میں زیادہ ہو جائے۔ ص  
ایک خواجہ سرا کے کمر میں رسی باندھ کر اور شمع ساتھ دے کر چھت کی کھڑکی میں سے جو  
عمر بن عبد العزیز نے رکھی تھی اندر اتارا۔ ایک روایت یہ ہے کہ بدر عباسی نامی کسی بزرگ  
کو جو قائم اللیل و صائم اللہ ہر تھے یہ شرف حاصل ہوا تھا۔ اندر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ  
غربی دیوار سے کچھ اینٹیں گر کر ٹوٹ گئی ہیں اور کچھ خاک گری ہے۔ شیخ موصوف نے اس  
مقام کو اپنی محاسن سے پاک کیا اور خاک مسجد سے اینٹیں بنا کر دیوار کو مثل سابق تیار کر دیا  
حجرے کے اندر اُن کو مٹی میں سے لکڑی کا ایک ٹکڑا ملا تھا۔ یہ ٹکڑا اور دیوار کی گری ہوئی اینٹوں  
کا تھوڑا سا چھدا یہ اپنے ساتھ لے کر باہر آئے اور یہ تبرکات بغداد بھیجے گئے وہاں ان چیزوں  
کے پہنچنے کے دن بڑی خوشی سنائی گئی۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیے اور ان تبرکات

استقبال کے لیے گھروں سے نکل کر دور تک گئے۔

## (۱۲) حجرہ مزار اقدس میں ایک اور داخلی

(\*)

۵۵۴ھ میں گیارہویں بیچ الآخر کو شنبہ کے دن حجرہ شریف کے قریب کچھ مکروہ بمعلوم ہوئی اُس وقت صفی الموصلی متولی مسجد ہارون شاد بے صوفی اور بیان نامی حبشی خواجہ سرا کھڑکی میں سے اندر اترے معلوم ہوا کہ مسجد و حجرہ کی چھتوں کے درمیان ایک مُردہ بلی پڑھی اُس کو دور کر کے یہ لوگ باہر آ گئے۔

## (۱۳) مسجد نبوی کی پہلی آتشزدگی اور مزار اقدس

(\*)

عمر بن عبس الغزوی کا بنوایا ہوا حجرہ ساڑھے پانسو برس سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا۔ یہاں تک کہ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آگ لگی اور اس سے حجرہ شریف کو بھی بہت کچھ نقصان پہنچا۔ کیفیت اس کی یہ ہے :-

یکم رمضان ۵۵۴ھ کو سر شام ابو بکر بن احمد نامی فراش قندلیں روشن کرنے کے لیے مسجد نبوی کے ایک حجرے میں گیا اس کے ہاتھ میں سے جلتی ہوئی بتی چھوٹ کر گر پڑی اُس سے کھل اور پورے میں جو یہاں رکھا ہوا تھا آگ لگ گئی۔ اور اتنی بھڑکی کہ اُس کے شعلے مسجد کی چھت تک پہنچ گئے۔ وہ جل اٹھی۔ اب آگ سب طرف پھیل گئی۔ اور ممبر۔ خزانہ قرآن کتابیں۔ خلافت حجرہ شریف۔ غرض جو کچھ مسجد کی چھت کے نیچے تھا سب جل گیا۔ کوئی لکڑی

۵۵۵ھ واقعہ خلیفہ مقتضی باللہ کے زمانہ کا ہے جس کی سلطنت ۵۵۴ھ سے ۵۵۵ھ تک رہی۔ بعض اسکو مقتضی بنو راشد کے زمانہ کا واقعہ بتاتے ہیں جس کا عہد سلطنت ۵۶۶ھ سے ۵۶۷ھ تک ہے۔

صحیح و سالم نہ سہی۔ اُس وقت حجرہ شریف پر تہہ پہ تہہ گیارہ غلاف تھے وہ سب جل گئے اور مسجد میں سوائے اُس ایک گنبد کے جو حرم کے ذخائر رکھنے کے لیے الناصر لدین اللہ نے بنوایا تھا اور جس میں مصحف عثمانی اور عین بڑے بڑے صندوق رکھے ہوئے تھے کوئی حصہ محفوظ نہ رہا۔ پتھر کے ستون جل کر کھجور کے تنہوں کی طرح کھڑے رہ گئے۔ سہوا چلتی تھی تو لہتے تھے۔ مسجد کی چھت جو حجرہ شریف کی چھت سے اوپر تھی جب وہ جل کر گری تو اُس سے حجرے کی چھت بھی ٹوٹ گئی اور دونوں چھتیں قبروں کے اوپر گر پڑیں۔ چھتوں کا لبہ اور ٹوٹی پھوٹی جلی جلائی چیزوں کو جو قبروں پر گری تھیں لوگوں نے اٹھانا چاہا لیکن قبروں کے اثرِ عظمت و ہیبت کی وجہ سے ہمت نہ پڑی۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ خلیفہ وقت متعصم باللہ سے اس معاملہ میں استمراج کریں۔ چنانچہ اس سانحہ کی اطلاع خلیفہ کو کی گئی اور وہاں سے جواب آنے تک قبروں کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ اور خاک و خاکستر جو کچھ اُن پر پڑا تھا وہیں پڑا رہا۔ البتہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد سے خس و خاشاک ہٹا کر جگہ نکال لی۔ ۵۵۶ء کے اوائل میں تعمیر کی ابتدا ہوئی۔ ہنوز تمام نہ ہونے پائی تھی کہ ۵۶۶ء میں تاتاریوں نے خلافت بغداد کو دنیا سے مٹا دیا۔ آخر ملک منصور نور الدین علی سلطان مصر نے چھ سو پچاس کالائیکر اور سامان خرید کر لایا اور پھر ملک الظاہر رکن الدین سلطان مصر نے

۱۔ حجرہ شریف کے خزانہ میں ایک قرآن موجود ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ وقت قتل حضرت عثمانؓ میں تلاوت کر رہے تھے۔ ابن جریر کا بیان ہے کہ یہ منجملہ اُن قرآنوں کے ہے جو حضرت عثمانؓ نے بعد دوین مختلف ملکوں میں روانہ کیے تھے بعض لوگ مصحف عثمانی کے غائب ہو جانے کی اور بعض کہیں اور محفوظ ہونے کی روایت کرتے ہیں مصر میں بھی ایک قرآن موجود ہے جس پر حضرت عثمانؓ کے خون کا نشان بیان کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی ایک قرآن کہ منظمہ میں بھی ہے۔ ۵۔ یہ خلفائے عباسیہ میں آخری خلیفہ تھا۔ ۶۲۴ء ہجری میں ہلاکو خاں نے اس کو مع اس کے لڑکوں کے قتل کیا اس کے بعد خلافت بغداد کا ہی خاتمہ ہو گیا۔ یہ واقعہ نہایت مشہور ہے۔ مراحت کی حاجت نہیں۔

۳۔ ملک منصور نور الدین علی کی مدتِ سلطنت ۶۵۵ء سے ۶۵۶ء تک ہے۔

۴۔ ملک الظاہر رکن الدین ۶۵۸ء سے ۶۶۰ء تک شاہ مصر و حجاز رہا۔

تحت شہین ہوا از کھنجر زمین

مؤرخ



مدد کی اور شمس الدین یوسف بادشاہ میں نے بھی آلات عمارت روانہ کیے یہاں تک کہ ۶۵۰ھ میں حجرہ شریف و مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو گئی۔

(خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفیٰ عربی مطبوعہ مصر باب (۴) فصل (۳) صفحہ ۱۵۵)

ابن بطوطہ اس تعمیر کے ساٹھ سو برس بعد ۷۲۶ھ میں زیارت کو گیا تھا گراں نہیں ہے کہ اُس نے کچھ صراحت نہیں کی۔ اُس کی تحریر سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ حجرہ شریف سنگ مرمر کا تھا اُس نے بجائے محسن کے اس کو گول سمجھا۔

## (۱۴) مزارِ اقدس سے منتقلی اجسام کی کوشش

تاریخوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مخالفوں نے حجرہ شریف سے آنحضرتؐ کا جسد اطہر اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسام نکالنے کی چار مرتبہ کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔ ان کوششوں کا مجمل ذکر یہاں تواریخ مدینہ سے اقتباس کر کے درج کیا جاتا ہے۔

### الف۔ شعیان حلب کا ارادہ۔

بحوالہ کتاب ریاض النضرہ مولفہ شیخ محب الدین طبری تاریخ وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ و تزہتہ الناظرین وغیرہ میں ہے کہ ہارون ابن شیخ عمر بن شمس الدین صواب دربان حرم نبوی روایت کرتے ہیں کہ حلب کے شیعوں میں سے کچھ لوگ امیر مدینہ کے پاس آئے اور بہت سا مال اُس کو دینے کے لیے اس غرض سے لائے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے جسدوں کو حجرہ شریف سے نکالنے کی اجازت دیدے امیر مدینہ نے اس بات کو قبول کر لیا اور شمس الدین کو بلا کر حکم دیدیا۔ کہ جس وقت یہ لوگ حرم شریف کا دروازہ کھلوائیں کھول دینا اور جو کچھ کریں اُس میں مزاحم نہ ہونا۔ دربان کہتا ہے کہ جب نمازِ عشا سے فارغ ہو کر لوگ چلے گئے اور دروازہ حرم کا میں نے بند کر دیا تو چالیس آدمی (بروایت دیگر پندرہ آدمی) پھاڑے

کہ الیں اور شمعیں ہاتھوں میں لیے آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازہ کھول دیا اور  
 کونے میں بیٹھ کر زار زار رونے لگا۔ وہ لوگ میسر تک بھی نہیں پہنچے پائے تھے کہ سب کے  
 سب زمین کے اندر سما گئے۔ مدینے کا امیر منتظر تھا جب دیر ہوئی تو دربان کو بلا بھیجا اُس نے  
 جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا مگر امیر کو یقین نہ آیا۔ دربان نے کہا امیر خود چل کر دیکھ لے کہ اب تک  
 زمین کے پھٹنے کا اثر باقی ہے۔

(دواء الوفا ص ۴۷ - خلاصۃ الوفا ص ۵۷ - نزہۃ الناظرین ص ۷۶)

اگرچہ حکایت مذکورہ بالا کو طبری ثقافت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور راویوں کا  
 نام بھی بتا دیا ہے مگر نہ اس واقعہ کا سنہ لکھا نہ اُس بادشاہ کا نام جس کے زمانہ میں یہ واقعہ  
 پیش آیا اور جس کے تحت اُس زمانے میں سلطنت حجاز و حلب تھی اور نہ اس امیر مدینہ کا  
 نام ظاہر کیا جس نے حجرہ شریف میں نقب لگانے کی اجازت دیدی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا  
 کہ وہ کون سا قحط الرجال کا زمانہ تھا۔ جب سوائے ایک ہارون دربان حرم نبوی کے اور کوئی  
 دربان نہ تھے۔ ایسی صورت میں واقعہ مذکور تاریخی حیثیت سے بالکل گر گیا اور محض ایک  
 کہانی رہ گئی۔ علامہ ادیب "ریاض النضرۃ" کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے۔ مناقب کی کتاب  
 ہے اور یہ واقعہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی فضائل میں لکھا ہے اس لیے تاریخی واقعہ نہیں  
 کہا جاسکتا۔ مناقب کی کتاب میں رطب و یابس سب بھر دیتے ہیں۔ ریاض النضرۃ کی  
 روایتیں اکثر ضعیف ہیں۔ مولوی شبلی مرحوم نے جابجا الفاروق میں اس کتاب اور اس کے  
 مؤلف کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے حقیقت یہ ہے کہ مناقب کی کتابوں میں اس قسم کے واقعات  
 درج کرنے سے کسی تاریخی واقعہ کا اظہار مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ مؤلف کی اصلی غرض اظہار  
 منقبت ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مزارات و مقامات مقدسہ کو مخالفین کے شر سے محفوظ  
 رکھنے کے لیے ایسے معجزے اور کراماتیں مشہور کر دی جاتی ہیں جن میں وہاں بے ادبی کرنیوالوں  
 کی سزا کا ذکر ہوتا ہے اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ان مقامات پر جرائم کا سد باب  
 ہو جائے اور اقدام جرم کے لیے کسی کی ہمت نہ پڑے اور ان مقامات سے عقیدہ رکھنے والوں  
 کے اعتقاد میں خشکی زاید ہو جائے۔ کیا عجب ہے کہ واقعہ مذکور بھی اسی خیال سے وضع کیا گیا

یا کسی منفردی نے سستی شیعوں میں اختلاف بڑھانے کے واسطے یہ قصہ گڑھا ہو۔ اگر اس واقعہ کو صحیح بھی مان لیں تو بھی کچھ حیرت کی بات نہیں ہے جو لوگ کرامات کے قائل نہ ہوں ان کو سمجھانے کے لیے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے امیر مہدی نے حلب والوں سے روپیہ کار روپیہ لے لیا ہو اور سستہ نگ کھود کر ان کو زمین میں زندہ دفن کر دیا ہو۔ اس کے بعد یہ قصہ ایک معجزنا طریقے سے مشہور ہو گیا۔

### (ب) حاکم بامر اللہ کا خبط۔

دوسرا واقعہ منتقلی اجسام کے متعلق یہ ہے کہ حاکم بامر اللہ مصر کے دیوانے بادشاہ کو یہ خط لکھا کہ آنحضرتؐ کا جسد مبارک اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے اجسام مصر میں منتقل کر دیے جائیں تو ساری دنیا کے مسلمان زیارت کے لیے اس طرف آنے لگیں گے اور مصر و اہل مصر کے لیے دینی و دنیوی فوائد کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس نے قاہرہ میں

۱۔ اس کا نام منصور اور لقب حاکم بامر اللہ تھا۔ یہ غلامی یا عبیدیہ مصر میں چھٹا خلیفہ تھا۔ ۳۸۵ھ میں بادشاہ ہوا۔ چونکہ عبید اللہ مہدی بانی سلطنت کی اولاد میں تھا۔ اس وجہ سے تاریخوں میں یہ حاکم عبیدی کے نام سے مشہور ہے۔ عجب دیوانہ تھا طرح طرح کے متضاد حکم دیدیا کرتا تھا۔ لوگوں کو قتل کراتے میں اس کو مزا آتا تھا۔ حجر اسود کو توڑنے کے لیے بھی اس نے کچھ آدمی لگے مگر بے نتیجہ تھے۔ مگر ناکامی ہوئی۔ ہاں ہمہ دیوانگی فیاض و علم دوست تھا۔ طریقہ شیعہ اسماعیلیہ کا پابند تھا۔ کئی مدرسے مسجدیں اور رصد گاہیں اس نے بنوائی تھیں۔ قاہرہ کے پاس ایک پہاڑ ہے جسے المقلم کہتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر ستارہ شناسی کے لئے اس نے ایک مکان بنوایا تھا۔ ۴۰۰ شوال ۳۸۵ھ کو حسب معمول عبادت کے لیے یاستاروں کا سائیکہ کرنے کے واسطے صرف دو ملازموں کے ساتھ یہاں گیا اور ملازموں کو واپس کر دیا۔ پھر وہاں سے یہ واپس نہ آیا۔ غالباً وہاں کسی نے اس کو قتل کر دیا۔ اس نے ایک نیا مذبح بھی ایجاد کیا تھا اور اپنے تئیں خدا کا اوتار کہتا تھا۔ اس کے پیرو فرقہ دروز کے لوگ جو علاقہ کوہ لبنان واقع شام میں رہتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حاکم بامر اللہ آسمان پر چلا گیا ہے۔ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا۔ ۳۸۵ھ ہجری میں انھیں لوگوں نے حصول آزادی کے لیے فرانسیسیوں کے خلاف بڑی جدوجہد کی تھی۔



ایک بڑا مکان اسی غرض سے بنوایا اور ابو الفتح کو جو اس کی طرف سے والی آمد و  
برجہ تھا اس مہم کے انجام دینے کا حکم دیا۔ اہل مدینہ اس کیفیت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ مگر  
سرزمین حجاز چونکہ حاکم بامر اللہ کے تصرف میں تھی اس لیے ابو الفتح پر قائلانہ حملہ کرنے  
سے تامل کیا۔ آخر ایک مجلس میں جہاں ابو الفتح بھی موجود تھا ایک قاری نے بڑے جوش  
کے ساتھ موثر لہجے میں یہ آیت پڑھی۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اٰیْمَانَهُمْ وَهَبُوْا خِجَارِہِ الرُّسُوْلِ  
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ ”یعنی اگر تم ایمان والے ہو تو کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں  
کو توڑ ڈالا اور اپنے پیغمبر کو نکالنے کا قصد کیا؟“ حاضرین مجلس میں اس وقت بڑا جوش و اشتعال  
پیدا ہو گیا اور قریب تھا کہ ابو الفتح کو وہیں مار کر ڈھیر کر دیں۔ ابو الفتح پر بھی سخت  
ہمسیت طاری ہو گئی اور اتفاق سے اُس رات کو ایک زلزلہ اور سخت آندھی چلی جس کو  
اُس نے تہر و غضب الہی کے آثار سمجھا۔ آخر وہ حاکم بامر اللہ کی ناراضگی کا ہر طرح مقابلہ کر کے لیے  
تیار ہو گیا۔ اور اس ارادہ سے باز آ گیا۔

(سمہودی ص ۵۴۷ تعلق شندی جلد ۲ ص ۲۹۹)

اگرچہ واقعہ مذکورہ بالا ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس میں ہم اس قدر اور اضافہ  
کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حاکم بامر اللہ پر وہ مثل صادق آتی ہے کہ ”بدا چھا بدنام بُرا۔“  
وہ تو بد بھی تھا اور بدنام بھی۔ اس لیے کیا عجب ہے کہ ابو الفتح نے اس سے سرکشی و تمرد  
اختیار کرنے کا یہ سبب قرار دیا ہو اور اہل حجاز کو اپنی طرف ہلانے کے لیے یہ مشہور کر دیا ہو  
کہ حاکم بامر اللہ نے منتقلی اجسام کا حکم دیا تھا اس لیے میں نے اُس سے نجات کی۔  
صاحب تاریخ جامع اللطیف اور تعلق شندی نے ابو الفتح کے تمرد کا ذکر بصراحت  
کیا ہے کہ حاکم بامر اللہ نے ۳۲۷ھ میں اپنے عامل کو حضرت ابو بکر بنہ اور حضرت عمر بنہ سے

۱۔ ابو الفتح الحسن بن جعفر احمسی کو حاکم بامر اللہ نے ۳۲۹ھ میں والی حجاز مقرر کیا تھا۔ علم  
تعلیل حکم منتقلی اجسام یا مذہب شیعہ اسماعیلیہ اختیار نہ کرنے پر حاکم بامر اللہ نے ناراض ہو کر اُسے امامت سے  
موقوف کر دیا۔ اس نے تمرد اختیار کر کے راشد بائند اپنا لقب رکھا اور مکہ معظمہ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا  
آخر میں اس نے حاکم بامر اللہ سے معافی مانگی۔ ۳۳۲ھ میں مرلہ اور مدینہ کے درمیان تک امیر حجاز رہا۔



تبر کرنے کے لیے لکھا تھا اس سے ابوالفستوح نے انکار کر دیا اور راشد بائند لقب اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ مکے میں پڑھوایا۔

جامع اللطیف ص ۳۰۵ قلعہ شندی جلد (۴) ص ۲۹۹

### (ج) اسپین کے عیسائیوں کا منصوبہ اور خندق الرصاص

۵۵۵ء میں سلطان نور الدین محمود شہید بن زنگی والی شام نے ایک رات میں تین مرتبہ آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا کہ دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ مجھے ان بھوری آنکھوں والوں کے شر سے بچا۔ سلطان یہ خیال کر کے کہ غالباً کوئی امر موجب ایدائے رسول اللہؐ ہوا ہے۔ اسی وقت صبح اپنے وزیر جمال الدین جواد کے صرف میں آدمیوں کو ساتھ لیکر ملینا کرتا ہوا سولہ دن میں مدینے پہنچا اور ان شخصوں کی گرفتاری کے لیے یہ تدبیر کی کہ انعام تقسیم کرنے کے جیلہ سے تمام اہل شہر کو طلب کیا۔ مگر وہ دونوں شخص جو خواب میں دکھائی دیے تھے نظر نہ پڑے۔ سلطان نے دریافت کیا اب تو کوئی اور شخص باقی نہ رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اسپین کے دو حاجی جو بڑے عابد و زاہد ہیں اور اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلتے وہ نہیں آئے۔ سلطان نے ان کو بھی بلوایا جب وہ حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہیں جن کو آنحضرتؐ نے خواب میں دکھایا تھا۔ سلطان نے ان سے پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ کہا اس رباط میں جو حجرہ شریف کے پاس ہے۔ سلطان ان کو وہیں چھوڑ کر ان کے حجرے میں گھس گیا۔ وہاں قرآن اور وعظ کی کچھ کتابیں طاق پر رکھی ہوئی تھیں اور ایک چٹائی ان کے سونے کے لیے پڑی ہوئی تھی۔ سلطان نے جب اسے اٹھایا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے حجرہ شریف کی طرف ایک بڑی سڑک کھودی ہے۔ یہ رات کو سڑک کھودا کرتے تھے اور اس کی مٹی تیکوں کے غلاف میں بھر بھر کر زیارت کے جیلہ سے بقیع میں ڈال آیا کرتے تھے۔ آخر مار پیٹ سے انھوں نے اقبال کیا کہ وہ اسپین کے عیسائی تھے اور وہاں کے نصاریٰ بادشاہوں نے ان کو مغربی

۵۔ یہ بادشاہ بڑا بہادر و سخاوت مند اور متقی تھا۔ نصاریٰ سے اس نے بہت جہاد کیے اور صلیبی جنگیں میں حیت اسلامی کا پورا ثبوت دیا۔ اس کا سنہ ولادت ۴۹۲ء سن جلوس ۵۲۳ء اور سن وفات ۵۶۹ء ہے۔

خلاصۃ الوفایاں دی ۱۵۳۳ - نزہۃ الناظرین (ص ۷۸)

(۵) شام کے عیسائیوں کا اہواوہ

<http://fb.com/ranajabirabbas>

اور ان کے پیچھے نغارے بچتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ ان کے حالات  
 سنکر خوف و ہراس سے کلیجہ ٹمنہ کو آتا تھا۔ یہ قیدی تمام کے نصرانیوں  
 میں سے تھے۔ انھوں نے بحر قلزم کے کنارے کشتیوں کے واسطے تختے  
 بنوائے اور اس سلمان کو ہمایہ عربوں کے اونٹ کرایہ کر کے ساحل تک  
 لے گئے۔ ساحل سے کشتیاں بنا کر دریا میں ڈالیں اور ان میں سوار ہو کر  
 عینذاب میں آئے اور حاجیوں کی ایک کشتی کو جو جدے سے آتی تھی لوٹا لیا  
 اور قافلے میں سے کسیکو زندہ نہ چھوڑا اس کے بعد یمن سے آتے ہوئے  
 سودا گروں کے دو جہاز لوٹ لیے اور ساحل پر امیر مکہ و مدینہ کی جس قدر  
 جنس و غیرہ جمع تھی جلا وطنی غرضکہ ان لوگوں نے اس قدر بدکاریاں اختیار  
 کیں کہ نہ اہل اسلام میں سننے میں آئیں اور نہ رومیوں سے ظہور میں آئیں  
 سب سے بدتر خباثت اس جماعت کی یہ ہے جس کو کان برداشت نہیں  
 کر سکتے۔ ان کا مقصد تھا کہ مدینہ پہنچ کر حضرت سرور کائنات کے جہد مبارک  
 کو ضریح مقدس سے نکال لائیں۔ یہ تذکرہ ابھی ان کی زبانوں ہی پر تھا  
 کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بے باکی کا مواخذہ کیا۔ مدینے سے ایک دن  
 کی راہ باقی تھی کہ خداوند کریم نے ان کے شر کو دفع کیا۔ لو لو حاجب کی  
 کشتیاں جن میں دلیسران مغربی سوار تھے اس گردہ سے دو چار ہوئیں  
 یہ لوگ ڈیڑھ مہینے سے ان کی تلاش میں تھے ان کی کشتیاں گھیر لیں۔  
 بعض کو قتل اور بعض کو گرفتار کیا۔ قیدیوں کی کئی جاعتیں بنا کر بڑے  
 بڑے شہروں میں قتل کے واسطے روانہ کیں اور ان کے سر غنوں کو مکہ  
 منظرہ و مدینہ منورہ میں قتل کے لیے بھیجا۔ ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۸۔

۱۔ بحر قلزم از قیہ و عرب کے درمیان واقع ہے جدہ و تبوع اس کے خاص بندر گاہ ہیں چونکہ اس میں  
 موزکاب کثرت پیدا ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا نام بحرام یعنی سرخ مندر بھی ہو گیا عینذاب مصر سے کہ جا ہوئے بحر چم کے  
 کنارے ایک گاہ قصبہ ہے جس کا ایک دن کا راستہ رہا ہے کسی زمانہ میں اس کا شمار دنیا میں بندر گاہوں میں تھا اور منہا دو کشتیاں ہوا کرتی تھیں



## مزار اقدس کی تعمیر سلطان قاید بے کے زمانہ میں

ملک الاشرف سلطان قاید بے بادشاہ مصر کے حصے میں حرمین کی خدمت اللہ تعالیٰ نے بطور خاص عطا فرمائی تھی۔ اس نے حرمین میں بڑے بڑے فیوض جاریہ اور بالخصوص تعمیر اکتہ کے کام کیے جن سے اُس کو حیات جاودانی حاصل ہو گئی۔ اور دنیا میں جب تک مدینہ کی تاریخیں رہیں گی اس کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔

سلسلہ میں حجرہ مزار اقدس مرست طلب ہو گیا تھا اس کی شمالی دیوار میں ترق آگئی تھی اور بنیاد میں بھی کچھ نقص ہو گیا تھا اس کی اطلاع ملک اشرف قاید بے کو کی گئی۔ اُس نے انتظام تعمیر شمس بن زین ناظر عمارت کے سپرد کیا۔ ۱۲ شعبان ۸۸۰ھ کو مرست کے بارے میں صلاح و مشورہ کے لیے اکابر مدینہ کی ایک کمیٹی مسجد نبوی میں منعقد ہوئی اور عمارت کا ملاحظہ کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ بیرونی دیوار کی ترق کا باعث اندرونی دیوار کی خرابی ہے۔ پس ۱۲ شعبان کو دیواریں ڈھانا شروع کی گئیں اور مشرقی و شمالی دیوار کو زمین سے ہگڑ کی بلندی سے اوپر تک منہدم کیا تو حریق اول کے آثار نمودار ہوئے اور کچھ آدھ جلی لکڑیاں دکھائی دیں اُن کو علحدہ کیا۔ حالت کو مشاہدہ کرنے کے بعد ناظر عمارت نے ارادہ کیا کہ مشرقی و شمالی دیوار کو باہل منہدم کر کے از سر نو بنائے۔ اور چھت کی بجائے قبة تعمیر کرے۔ چنانچہ ان دیواروں کو زمین تک گرا دیا۔ اور جنوبی و غربی دیواریں بھی چار چار گز ڈھادیں۔ ان میں سے کچھ اینٹیں نکلیں جن کا طول ایک ہاتھ سے زیادہ تھا اور عرض کوئی بالشت بھر تھا۔ شاید یہ اینٹیں بنائے اول کی تھیں جن کو حجرے کی تجدید کے وقت تبرکاً رہنے دیا تھا۔ دیواروں کی مٹی جو

سلسلہ قاید بے کا سبب قایم تائی ہے۔ عربی تاریخوں میں اس کا نام قایتا یا قایتائی مرقوم ہے۔ ملک اشرف ابو نصر قاید بے بادشاہ ملوکہ چہرہ مصر میں تہایت ہی مخیر و نیک گزرا ہے اس کو مسجد نبوی ترمیم و تعمیر کا دوسرا شرف حاصل ہوا۔ پہلی مرتبہ ۸۸۰ھ میں۔ دوسری مرتبہ ۸۸۰ھ میں دوسری آتشزدگی کے بعد۔ سلطان مدوح ۸۸۲ھ سے ۹۰۵ھ تک سلطان مصر دجاز رہا۔



حجرہ شریف میں گری تھی اُس کو ہٹانے میں پورا ایک دن صرف ہوا اس وقت سید نور الدین علی مولف تاریخ خلاصۃ الوفایا بخار دار المصطفیٰ کو شرف باریابی حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے جس حالت میں قبروں کو پایا تھا۔ اُس کی کیفیت قبور کی ہیئت و وضع کے ذکر میں اور پر تحریر کی جا چکی ہے باقی تعمیر کے متعلق سید مدوح نے جو لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

حجرے کی چھت جو پہلے معمولی چھت تھی اب لداؤ کی بنا دی گئی اور اُس پر ایک چھوٹا سا قبة بنایا جس کی بلندی حجرے کی سطح سے چھت کی چوٹی تک ۲۷ فٹ ۵ اینچ ہے۔ اس پر پتیل کا ایک ہلال نصب کیا۔ حجرے کی دیوار شمالی کے وسط میں ایک چھوٹی سی کھڑکی رکھی۔ جس میں سے عود و عنبر حجرہ شریف میں سلگاتے تھے۔ جب بعض لوگ نعمتیں مرادیں ماننے کے لیے عرضیاں لکھ لکھ کر اس کھڑکی میں سے حجرے کے اندر ڈالنے لگے تو اس کھڑکی کو بند کر دیا۔

اس عمارت کی تعمیر ارشعالب ۸۸۱ھ سے شروع ہو کر ارشعالب ۸۸۲ھ یوم پنجشنبہ کو ختم ہوئی۔

(خلاصۃ الوفایا باب (۴) فصل (۱۲) صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۲)

اس تعمیر کے وقت جو قبة بنا چھت تعمیر کی گئی اُس کو بڑا گنبد یعنی قبة خضرا تصور کرنا چاہیے۔ بڑا گنبد اُس وقت بھی علیحدہ موجود تھا جو سابقہ چھت کے اوپر قائم تھا اور جس کی تعمیر کی اُس وقت ضرورت نہیں ہوئی تھی۔ تو یقیناً نمبر (۱۴) میں قبة خضرا کے حالات ملاحظہ ہوں۔

## (۱۶) مسجد نبوی میں دوسری آتشزدگی اور مزار اقدس

(\*)

۱۳ ررمضان ۱۲۸۵ھ ہجری کو پچھلے پہرے بجلی گرنے سے دوسری مرتبہ مسجد نبوی میں آتشزدگی ہوئی۔ اُس وقت شمس الدین خطیب موزن

منارہ رسیسیہ پر اذال دینے کے لیے چڑھا ہوا تھا کہ ابراہیم پڑنے لگیں بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرے۔ اور ایک بڑی کڑک کے ساتھ منارہ رسیسیہ پر بجلی گری اور منارے کی چوٹی کو ڈھا کر مسجد کی چھت کو پھوڑتی ہوئی نیچے تک پہنچ گئی۔ موزن اسی وقت مر گیا۔ اس بجلی میں ایسے زبردست شعلے نکل رہے تھے کہ اُن سے مسجد کی چھت میں آگ لگ گئی۔ خدام نے مسجد کے دروازے کھول دیے اور غل مچایا۔ امیر مدنیہ اور شہزادے سب جمع ہو گئے۔ بعضوں نے ہمت کی۔ پانی لے کر مسجد کی چھت پر چھڑ گئے مگر قابو نہ چلا اور قریب تھا کہ وہ بھی ٹھک جائیں اس لیے بھاگ کر نیچے آئے بعض پریشانی میں ٹیھی پر سے گر کر مر گئے۔ اور کل دس بارہ آدمی اس طرح ہلاک ہوئے۔ آخر تمام مسجد میں آگ پھیل گئی اور مسجد کی ساری چھت اور جو کچھ سالان و اسباب و کتب و قرآن وغیرہ چیزیں یہاں تھیں سب جل گئیں۔ البتہ جس سالان کو ہمت کر کے نکال لے گئے وہ بچ گیا اس وقت مسجد آگ کا ایک دریا معلوم ہو رہی تھی جس کے شرارے آس پاس کے مکانوں تک پہنچ رہے تھے مگر اُن سے کوئی نقصان اُن مکانوں کو نہ پہنچا۔ صبح کے وقت ہمت کر کے اُس قتبے کی جو چھت کی بجائے بنایا گیا تھا اور جسے قتبہ صغیر بھی کہتے ہیں آگ بجھائی گئی۔ اُس وقت دیکھا کہ حجرے کی یہ قتبہ نما چھت آگ سے محفوظ رہی اور اس آگ کا اثر حجرے کے اندر مطلق نہ پہنچا۔ حالانکہ بڑا قتبہ جل کر اس پر گر پڑا تھا اور مسجد کی چھت جو بڑے قتبے اور قتبہ صغیر کے درمیان تھی اس کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑ کے پہاڑ جل جل کر اس پر گرے تھے۔ یہ بھی حیرت ہے کہ اس قتبہ صغیر میں سفید تھیر لگا ہوا تھا جس میں بہت جلد آگ کا اثر ہو جاتا ہے مگر جلا نہیں۔ برخلاف اس کے سیاہ تھیر جو آگ قبول نہیں کرتا اُس کے ۲۰ استون جل کر کولہ ہو گئے۔ اور وہ ستون جو حجرہ شریف سے ملے ہوئے تھے وہ بھی جل گئے اور

لحد تب سے پہلے ولید بن عبد الملک کے زمانہ ۹۰ھ میں مسجد نبوی کے چار کونوں پر چار منار بنائے گئے۔ عرب میں موزن کو زمیں کہتے ہیں چونکہ سابق میں اذال ۱۲ سی منار پر دیجا کرتی تھی اس وجہ سے اس کا نام منارہ رسیسیہ ہو گیا۔ بعد میں چاروں مناروں پر اذال ہونے لگی۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا ہے چار موزن ایک ہی وقت میں اذال دیتے ہیں۔

مواجر شریفہ اور حجرے کے گرد جو لکڑی کی جالی تھی وہ سب جل گئی۔ صبح کو امیر وقاضی مدنیہ اور شہر کی تمام عورتیں مرد بچے بڈھے مسجد کو صاف کرنے میں مصروف ہوئے اور اس اہم کی اطلاع سلطان مصر و حجاز ملک الاشرف قاہرہ کو پہنچ گئی۔ اُس نے ایک سو کارگر مینٹار دینار اور بہت سارا سامان اونٹوں اور گھوڑوں پر لاد کر روانہ کیا۔ آخر رمضان ۸۸۵ھ ہجری میں تعمیر ختم ہوئی۔ اس وقت اگرچہ حجرہ شریف بالکل محفوظ رہا تھا تاہم اُس کا بڑا قتبہ تعمیر کرایا گیا اور بیرونی حصاروں پر جہاں تک لگنے والے دست درازی کی تھی اُن کی درستی کی گئی۔

## (۱۶) مزار اقدس پر گنبد اور قتبہ خضر

(\*)

حضرت کے زمانہ میں حجرہ شریف پر ایک پست چھت تھی جو کھجور کی کڑیوں سے بنی ہوئی تھی یہ سنہ ۹۰۰ھ تک رہی۔ اس کے بعد عمر بن عبد العزیز نے جو حجرہ تعمیر کرایا۔ اُس پر چھت چھت کے علاوہ مسجد کی چھت سے کوئی سو گز بلندی پر تختوں کا ایک سائبان سچتہ اینٹوں کی سندیر پر ڈالا۔ یہ مسجد کی چھت سے علیحدہ اونچا نظر آتا تھا اور اُس پر موم جامہ پڑا رہتا تھا سنہ ۹۱۵ھ کی آتشزدگی میں یہ چھت جل گئی۔ اس کے بعد جو چھت تیار کی گئی وہ بھی اسی وضع کی تھی اور وہ تقریباً ساتویں صدی ہجری تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ سنہ ۹۸۵ھ ہجری میں ملک منصور قلاؤن صاکی سلطان مصر نے حجرہ شریف کی چھت پر ایک قتبہ بنوایا۔ یہ پہلا گنبد ہے جو مزار اقدس پر قائم کیا گیا۔ یہ نیچے سے مربع اور اوپر سے ہشت پہل تھا۔ اس لکڑی کے تختے کیلوں سے جائے تھے اور اُن کے اوپر سیسے کی چادریں منڈھی تھیں۔ جعفر دزخی اور اُن کے تابع مولوی صبغة اللہ صاحب مولف کتاب السکینۃ باخيار مبنیہ

۱۷۔ مواجہ کے معنی سر جانے کے ہیں۔ انصاف کے سر جانے کے لیے جالی کے اندر ایک صندوق

رکھا ہوا ہے۔ اسے صندوق مواجہ شریفہ کہتے ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عنوان علامت مواجہ شریفہ۔

۱۸۔ یہ بادشاہ خاندان قلاؤنیہ مصر کا پہلا سلطان ہے۔ اس کا عہد سلطنت ۸۸۵ھ سے ۹۱۱ھ تک رہا۔

لکھتے ہیں کہ قلاؤن صالحی کا بنوایا ہوا قبہ پہلی تشدد کی میں جل گیا یہ صحیح نہیں ہے اس وقت  
قبہ تھا ہی نہیں۔ اس آگ کے چوبیس برس بعد سب سے پہلا قبہ ۶۸۷ء میں سلطان قلاؤن  
نے بنوایا تھا جس کو وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الناظرین ص ۶۷ والکینہ ص ۱۱۰  
بارش کی وجہ سے جب اس قبہ کی سیسے کی چادروں میں نقص پیدا ہو گیا تو سلطان قلاؤن  
کے لڑکے سلطان ناصر حسن نے اس کی مرمت کرائی۔ اس کے بعد سلطان اشرف شعبان بن حسن  
سلطان مصر نے ۷۵۷ء میں اس کو اور مستحکم کر دیا۔ اسی طرح زمانہ سلطنت الظاہر حقیق میں ۸۲۲ء  
سے ۸۳۸ء مسجد نبوی کی ترمیم کے وقت زیر نگرانی امیر بردک العاراس کی دہائی کی گئی۔  
۸۸۱ء میں جب حجرے کی دیواروں میں دراویں پیدا ہو گئیں تو ملک الاشرف  
سلطان قاہرے نے دیواروں کی مرمت کے ساتھ ساتھ چھت کو بھی بدلوادیا۔ اور بجائے مہولی  
چھت کے لداؤ کی چھت کر کے اس کو قبہ بنا بنا دیا۔ یہ چھت تاریخ سمہودی میں قبہ صغیرہ کے نام  
سے موسوم ہے۔ اس پر پتیل کا ایک ہلال بھی نصب ہے۔ سطح حجرے سے اس ہلال تک  
بلندی ۱۷ فٹ ۴ انچ ہے۔ چونکہ اس چھت پر غلات پڑا رہتا ہے اس وجہ سے یہ  
نظر نہیں آتا البتہ حجرے کی چھت بیچ میں سے ڈیرے کی طرح کچھ اٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔  
عام ناظرین اس قبہ کی زیارت سے محروم ہیں شعبان ۱۲۹۶ء میں جبکہ ایک سخت آندھی کی وجہ  
سے ایک طرف کی جالی گر پڑی تھی تو سید جعفر بزنجی کو چھت پر چڑھنے اور اس کی زیارت سے  
مشرقت ہونے کا موقع ملا تھا وہ فرماتے ہیں :-

میں نے ادب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حجرہ مربع ہے اس پر غلات پڑا ہوا ہے  
جس کی وجہ سے وہ قبہ نظر نہیں آتا۔ جس کا ذکر سمہودی نے کیا ہے۔ لیکن وسط  
میں غلات کسی قدر ڈھلوان اور بلند تھا جیسے خیمہ ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوا  
کہ قبہ کے سبب ہے غلات کے بیچ میں بلندی ہے۔

(نزہۃ الناظرین عربی و مطبوعہ مصر ص ۹۹)

۱۷۔ سلطان ناصر بن قلاؤن ۸۲۲ء میں بادشاہ مصر و حجاز ہوا مگر تھوڑے عرصہ بعد سلطنت سے دست بردار ہو گیا  
۱۸۔ ملک اشرف شعبان ۸۶۶ء سے ۸۷۷ء تک سلطان مصر و حجاز رہا۔



سلطان قاید بے نے حجرہ شریف پر چھت کی بجائے قبہ صغیرہ تعمیر کرا کے اس کے اوپر سلطان تلاءون صالحی کا بنوایا بڑا قبہ جو اُس وقت صحیح سالم موجود تھا بدستور قائم رہنے دیا اور اُس وقت سے اب تک بھی حجرہ شریف پر دو قبے ہیں ایک اندرونی قبہ صغیرہ یا چھت دوسرا بڑا قبہ جو گنبد خضر کہلاتا ہے۔

۱۸۸۶ء میں جب بجلی کی وجہ سے مسجد نبوی میں آتشزدگی ہوئی۔ اُس میں حجرے کی چھت یعنی قبہ صغیرہ تو باقی رہا مگر سلطان تلاءون صالحی کا بنوایا ہوا بڑا قبہ جل گیا اس لیے سلطان قاید بے نے ۱۸۸۸ء میں حجرہ شریف کی دیواروں پر دوبارہ قبہ عظیم تعمیر کرایا۔ چند سال کے بعد اُس میں دراریں لگائیں اور مرمت سے کام چلتا نظر نہ آیا۔ تو اُس کے بالائی حصہ کو تھوڑا سا توڑ کر قبہ کو کسی قدر چھوٹا کر دیا اور محرابوں میں تختے بچھا کر کام شروع کیا تاکہ اوپر سے کچھ گرے تو حجرہ شریف پر نہ گرے۔ اس قبہ کی تعمیر میں بڑے ادب سے کام لیا گیا۔ مہاروں بخاروں کے چڑھنے اترتے اور سالان لانے لیجانے کے لیے مسجد کی شرقی جانب سیڑھیاں لگائی گئیں اور ایسا خاموشی کے ساتھ کام ہوا کہ نمازیوں کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ یہاں تعمیر ہو رہی ہے ۱۸۹۲ء میں قبہ بن کر تیار ہوا۔

۱۸۹۶ء میں سید جعفر برزنجی نے اس قبہ کو اندر سے دیکھا تھا وہ فرماتے ہیں کہ قبہ کے اندر مختلف قسم کے خوشنما نقش و نگار ہیں اور نیچے اُس کے اطراف میں حلی قلم سے کچھ لکھا ہوا ہے۔ مغربی جانب انھوں نے حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی دیکھی دوسری جانب ان کی نظر نہ پہنچ سکی۔

انشاء هذه القبّة الشريفة العالیة المعترف بالتقصير

الراجی عفو ربہ عن ذلّ القایتنا۔ (نزهة الناظرین ص ۶۹)

یعنی اس عالیشان گنبد کا بنوانے والا اپنے گناہوں کا معترف اور خدا کی رحمت کا امیدوار قائم بے ہے۔

۱۸۲۳ء میں سلطان محمود خاں بن سلطان عبدالحمید خاں کے زمانہ میں اس قبہ میں

۱۵۔ سلطان محمود خاں کا عہد سلطنت ۱۸۲۲ء سے ۱۸۵۵ء تک رہا ان کے زمانہ کا سب سے بڑا واقعہ جنگ دہلیہ ہے۔

پھر دراریں پڑ گئیں تو حصہ بلند کو منہدم کر کے پھر بنوایا۔ اور اس امر کا لحاظ رکھا کہ انہدام کے وقت کوئی چیز قبہ صغیر پر یا حجرے میں یا مسجد میں گرنے نہ پائے۔ اس کام میں حصول برکت کے خیال سے اکثر دینے والے اور ان کے بال بچے شریک ہوئے۔ بعد ختم تعمیر بالبعالی سے شہر والوں کے لیے جو اس کام میں شریک تھے ہنڈر کے لیے رقمیں آئیں اور فی کس ڈھائی ڈھائی سوڑا (تخمیناً پندرہ پندرہ روپیے) دیے گئے۔

(نزهت الناظرین صفحہ ۷۷)

مشہور و معروف فرنگی سیاح حجاز برکھارٹ ۱۸۳۲ء ہجری میں مدینہ منورہ گیا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک حجاز اہل نجد کے ہاتھ سے نکل کر دوبارہ ترکوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ اس قبے کے بارے میں اس نے وہابیوں کے طرز عمل کی نسبت ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

۱۸۱۹ء میں وہابیوں نے اس قبے کے کلس سے چونکساگر اور انسان فانی کی قبروں پر گنبدوں کے ڈھانسنے والی عادت پر عمل کر کے اس قبے کو بھی منہدم کرنے کی کوشش کی تھی اور کلس و ہلال کو توڑ ڈالا تھا۔ لیکن اس گنبد کی مضبوط ساخت اور اس سیسے کے پتروں نے جو اس پر چڑھے ہوئے تھے اس کام کو مشکل بنادیا اور گنبد کی چکنی سطح سے بھی دھکا دیا اور اندھے منہ نیچے گرے اس وجہ سے انہدام کا کام موقوف ہو گیا۔ یہ واقعہ ایک مجرم کے طور پر بیان کیا جاتا ہے جو پینپہر صاحب نے اپنی یادگار قائم رکھنے کے لیے ظاہر فرمایا۔

(انگریزی سفرنامہ برکھارٹ جلد دوم)

مذکورہ بالا واقعہ محض ایک سنی ہونی کہانی ہے جو برکھارٹ کو مدینے میں معلوم ہوئی ہوگی اگر یہ سچا واقعہ ہوتا تو سید جعفر برزنجی جو وہابیوں کے سخت دشمن ہیں۔ وہ اس کا ذکر ضرور کرتے مگر وہ لکھتے ہیں کہ سید جعفر برزنجی نے اپنی کتاب میں وہابیوں کا ذکر ایک خاص لہجے میں کیا ہے۔ وہابیوں کی پہلی فتوحات کی وقت کے والدین سے عراق بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان سے بھی سید صاحب کو وہابیوں سے ایک قسم کی نفرت ہے۔

مگر وہ اس موقع پر صرف اس قدر لکھ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ:-

وہابیوں نے گنبد خضرا کے انتہام کرنے اور اس کے کلس کو سونے کا جھکڑ  
بے لینے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور وہ اُس پر قابو نہ پاسکے۔

(نزہۃ الناظرین ص ۶۲)

غرض کہ موجودہ بڑا قلعہ سلطان قاید بے کا بنوایا ہوا اس وقت تک قائم ہے۔ اہل نجد کے  
حالیہ قبضہ حجاز کے بعد ہندوستان کے بعض مسلمانوں کو یہ گمان ہوا تھا کہ وہابی شاید گنبد خضرا کے  
ساتھ بھی اسی قسم کا عمل کریں گے جو انھوں نے دوسرے مزاروں کے قبول کے ساتھ کیا ہے۔  
اسی بنا پر میں نے ۱۳۴۷ھ میں بعض سربراہانِ روہ و ماہل علم نجدیوں سے دریافت کیا تھا۔ کہ  
ہندوستان میں یہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ لوگ گنبد خضرا پر بھی اسی طرح دست درازی کرنے  
والے ہیں جیسی کہ ان کے مورثِ اعلیٰ امیر سعود بن عبدالعزیز نے کی تھی۔ انھوں نے جواب  
دیا کہ نہ ایسا سعود نے کیا تھا اور نہ معاذ اللہ ہمارا ایسا ارادہ ہے۔ میں نے کہا ایک فرنگی سیلح  
برکھارٹ نے ایسا لکھا ہے اور بہت سے مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے۔ انھوں نے کہا عام  
مسلمان اور عیسائی دونوں ہمارے دشمن ہیں۔

اب میں اپنا سلسلہ بیان پھر شروع کرتا ہوں۔ اس بڑے قبے میں جانب جنوب ایک  
کھڑکی ہے جس پر جالی کا دروازہ چڑھا ہوا ہے۔ اس میں سے پانی اندر نہیں جاسکتا۔ لیکن  
روشنی دہوا پہنچ سکتی ہے۔ یہ کھڑکی کوئی پون گز لمبی اور آدھ گز سے زائد چوڑی ہوگی۔ ضرورت  
کے وقت اس میں سے ایک آدمی اندر داخل ہو سکتا ہے۔ اس کھڑکی کے معاذی قبہ صغیرہ میں  
بھی ایک دیکھ ہے اس میں بھی جالی کا دروازہ ہے۔ اس طرح کی کھڑکی حجرہ شریف کی چھت  
یا گنبد میں ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔

سہوادی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں ایک سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے  
قطر پڑ رہا تھا۔ اہل مدینہ اکٹھے ہو کر حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حجرہ شریف کا  
دروازہ کھول دیجئے تاکہ ہم بواسطہ حضرت رحمۃ اللعالمینؓ اللہ تعالیٰ سے دعائے بارانِ رحمت  
کریں۔ حضرت عائشہؓ نے حجرے کا دروازہ کھول دیا۔ اور شہنشاہوں نے دعا کی۔ خدا کی قدرت

ایسی بارش ہوئی کہ بل محل بھر گئے اور اس کثرت سے زراعت ہوئی کہ مویشی اتنا پشناپ ہوئے ہو گئے اس کے بعد سے دینے والوں کا یہ طریقہ ہو گیا کہ جب کبھی قحط کے آثار نمودار ہوتے ماکوئی اور سخت مہم درپیش ہوتی تو وہ حجرے کی چھت کی کھڑکی کھول کر دکھایا کرتے تھے۔ بہت دنوں تک یہ طریقہ جاری رہا مگر نویں صدی یعنی سہوی کے زمانہ میں سو قوت ہو گیا تھا۔ اُس وقت بجائے قبے کی کھڑکی کے حجرہ شریف کی جالی کا ایک دروازہ جو جانب قبلہ ہے اور جسے باب التوبہ کہتے ہیں کھول کر دعائے استسقا کیا کرتے تھے۔ یہ طریقہ بھی چودھویں صدی تک جاری رہا۔ موجودہ عہد میں ایسی کوئی مصیبت نہیں آئی کہ باب توبہ دھوننا اور خدایا ایسا موقع بھی نہ لائے۔

قبۂ خضر جس کا یہ نام ہمارے زمانہ میں اُس کے سبز رنگ کی وجہ سے رکھا گیا ہے ہمیشہ سے سبز نہیں ہے۔ پہلا گنبد جو ۱۱۷۸ء میں تعمیر ہوا تھا اُس کا رنگ سفید تھا اُس وقت اس کو قبۂ بیضا کہا کرتے تھے۔ ۱۷۷۸ء کی آگ میں جب وہ جل گیا تو دوسرا تعمیر ہوا۔ اُس کا رنگ نیلا تھا اور اس وجہ سے اُس کو قبۂ زرقا کہتے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب تالیف کی اُس وقت اس کا رنگ سبز تھا پھر نیلا کیا گیا جو غالباً تیرہویں صدی کے وسط تک رہا۔ چنانچہ جعفر برزنجی کہتے ہیں کہ سلطان محمود خاں کے زمانہ میں ۱۲۵۳ء میں اس کو ہارنگا گیا اور اُس کے بعد سے اب تک مسلسل اس کا رنگ سبز چلا آ رہا ہے۔ ۱۳۷۸ء میں جب رنگ بدھم پڑ گیا تو سلطان عبدالعزیز خاں کے حکم سے پھر سبز رنگ پھیرا گیا۔ مینے والوں سے مجھے معلوم ہوا کہ موجودہ رنگ اب سے پچیس سال قبل ۱۳۲۸ء میں ہوا تھا۔ میں نے ۱۳۵۸ء میں دیکھا کہ یہ رنگ اب بالکل دھوا پڑ گیا ہے اس میں کسی قسم کی تازگی و شگفتگی باقی نہیں رہی ہے۔ تو تیرے کے پر کا سا رنگ ہے۔ جس میں چمک نہیں اور بجائے دھنی رنگ کے محض ابلی رنگ معلوم ہوتا ہے اس کا سنہری کلس بھی اس قلیل ہو گیا ہے کہ اُس پر بھی جلا کر دی جائے۔ یہ صرف اس لیے عرض کرتا ہوں کہ دنیا داروں اور ظاہر میں اصحاب کی آنکھوں میں بھلا معلوم ہو۔ ورنہ یہ ہلال اور یہ کلس اس قسم کی چمک و جھلک اور طمع کاری سے مبرا ہے۔

۱۵۔ اس کی تفصیلی کیفیت جالی کے ذکر میں ملاحظہ ہو۔



اس کی چمک پتیل پنی کی سی چمک نہیں ہے۔ یہ اُن تجلیات کا مطلع ہے جن سے زمین و آسمان  
منور ہو رہے ہیں۔ میں نے سچ کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

ندی چڑھاؤ پر ہے شرابِ طہور کی      مے نوش لار ہے ہیں خبرِ دور دور کی  
کیا دیکھے کوئی روشنیِ ابشیعِ طور کی      جھڑپاں لگی ہوئی ہیں مدینے میں نور کی  
چھٹکی ہلالِ گنبدِ خضر کی چاندنی  
پھسکی پڑے نہ کیوں یہ مبینا کی چاندنی

سید سہودی نے اس قبیہ کی بلندی تحریر نہیں کی اور جعفر برزنجی بھی ساکت ہیں میں  
نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حجرہ شریف کی چیت یعنی قبیہ صغیرہ سے کوئی دو گز اونچی مسجد  
بنوی کی چیت ہے اس سے کوئی بارہ گز اونچا یہ قبیہ ہے۔ قبیہ صغیرہ کی اونچائی سید سہودی نے  
(۱۸۰) ہاتھ یعنی کوئی نو گز تحریر کی ہے اسن پبلش اور میرے حساب سے گنبد خضر کی بلندی  
زمین سے تینیس چوبیس گز ہے۔ اس پر حبت یا سیسے کے پترے بندھے ہوئے ہیں جن  
کی شکنیں اور جوڑ ہر طرف سے بخوبی نظر آتے ہیں۔ اور قبیہ خضر اندینے کے مختلف محلوں سے  
اور بعض مقامات پر کئی کئی کوس سے دکھائی دیتا ہے۔ جب حاجیوں کا قافلہ منزلِ بیر علی پر  
پہنچتا ہے جو مدینے سے دو ڈھائی کوس ہے۔ تو یہ سبز گنبدِ مشاقانِ جمالِ احمدی کے زخِ فرقت  
ہرے کر دیتا ہے اس کو دیکھ کر شیفتگانِ دیدار محمدی کی آتشِ شوق بھاک اٹھتی ہے۔ یہی وہ  
موقع ہے جس کی تصویر اس گنہگار نے ان اشعار میں کھینچی ہے۔

قافلے والو! اٹھو وقتِ سحر ہونے لگا      اب ہوائے بارغِ شرب کا اثر ہونے لگا  
اب یہ وقت آیا کہ اونٹوں پر ہوارِ ہاشم      حاجیو! اُترو کہ روضہ جلوہ گر ہونے لگا

## (۱۸) مزارِ اقدس کی جالی

قبل اس کے کہ ہم اُس بیرونی سبز جالی کا ذکر کریں جو حجرہ شریف کے گرد نصب ہے اور

۱۔ یہ اس خیر کی نظم مدینے کی چاندنی کا پہلا بند ہے۔

نہیں

جس کی زیارت سے ہزار مشرف ہو سکتا ہے ہم اس اندرونی جالی کا مختصر بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو حجرہ شریف کی دیواروں سے ملحق استادہ ہے۔ جس پر غلاف پڑا ہوا ہے اور جو زائروں کو مطلق نظر نہیں آتی۔ سید جعفر برزنجی کو شبان ۱۲۹۶ھ میں اس کی زیارت کا موقع مل گیا تھا وہ فرماتے ہیں:-

”حجرہ شریف کی دیوار کے گرد لکڑی کی رنگی ہوئی جالی کا کٹھرا ہے جو شمالی جانب زاویہ دار ہے۔ اس جالی پر سب طرف غلاف پڑا ہے لیکن شمالی جانب غلاف نہیں ہے۔“

۱۲۴۵ھ میں محمد سرور آفندی شیخ الحکیم اور آغا عبد اللطیف خادم حجرہ شریف نے مجھ سے فرمایا کہ

”یہ جالی کھجور کی لکڑیوں کی ہے۔ اس پر کسی قسم کا رنگ نہیں ہے۔ چونکہ حجرے کی دیواروں پر عطر ملا جاتا ہے۔ اس لیے غلاف کی حفاظت کے واسطے یہ جالی کھڑی کر دی گئی ہے ورنہ اگر غلاف دیواروں سے بالکل ملا ہوتا تو اس پر عطر کے دھبے پڑ جاتے۔“

مجھے یہ پتہ نہ لگ سکا کہ یہ جالی کب لگائی گئی تھی۔ ممکن ہے کہ جعفر برزنجی کے زمانے میں بھی یہی ہو اور ایک جھپک دیکھنے میں اُن کو یہ رنگین نظر آئی ہو۔ اب بیرونی جالی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حجرہ شریف کے گرد سب سے پہلے جمال الدین اصفہانی وزیر سلطان نور الدین زنگی نے

۱۱۷۰ھ۔ ابو جعفر محمد بن علی جمال الدین موصلی جو اپنی فیاضی و سخاوت کی وجہ سے جواد کے لقب سے مشہور ہے عماد الدین زنگی و نور الدین محمود خاندان اناک کے سلاطین شام کا وزیر تھا۔ اس کے آثار کربہ مکہ و مدینہ میں بکثرت تھے۔ اس نے شام و عراق و حجاز کے راستوں کو درست کیا۔ جا بجا پانی کے چشمے نکالے۔ کنوئیں کھدوائے۔ مسافر خانے اور سرائیں بنوائیں ان کی حفاظت و اخراجات کے لئے اوقاف مقرر کیے۔ مکہ معظمہ میں رباط و حمام تعمیر کرایا۔ مدینہ کی فصیل بنوائی۔ عرفات میں نہر کی درستی کرائی۔ قبیلہ بنی شعبہ جو اپنی روک دیا کرتا تھا اس کا وظیفہ مقرر کیا کہ حاجیوں کو پانی سے محروم نہ کرے۔ حرم بیت اللہ کے (دوازل کی) (بقیہ مضمون بر حاشیہ مستل)

سلسلہ میں صندل و آبنوس کی ایک جالی بنوائی تھی جس کی بلندی حجرے کی دیواروں تک تھی۔ سید سمہودی کہتے ہیں کہ اس جالی کا ذکر سوائے ابن خبار کے متقدمین میں سے اور کسی نے نہیں کیا۔ (خلاصۃ الوفا ص ۱۳۹)

مورخین مدینہ اگرچہ اس امر کی صراحت سے ساکت ہیں کہ آیا یہ جالی سلسلہ کی پہلی آتشزدگی میں محفوظ رہی تھی یا جل گئی تھی مگر مولوی صبنۃ اللہ صاحب مؤلف کتاب التکیفہ بالمدینہ اس کا وجود اب تک حجرہ شریف میں ظاہر کرتے ہیں۔ جو نقشہ حجرہ شریف کا انہوں نے کھینچا ہے اس میں یہ جالی بھی دکھائی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ سلسلہ کی آگ نے حجرے کے اس پاس کی تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا اور خود حجرے کی چھت بھی جل کر گر پڑی تھی اس آگ سے اس جالی کا بچنا مشکل تھا۔ اس کے بعد دوسری آتشزدگی میں بھی حجرہ شریف کے گرد اس کا وجود نہ تھا۔ اس وقت سلطان الظاہر رکن الدین بیبرس سلطان مصر و حجاز کی بنوائی ہوئی لکڑی کی جالی موجود تھی جو اس نے سلسلہ میں بھجوائی تھی اور غالباً اس کی ضرورت جمال الدین کی جالی آگ میں ضائع ہو جانے ہی کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔ یہ جالی بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۹۹) ترمیم کرائی۔ خانہ کعبہ کا نیا دروازہ بنوا کر اس کے کواٹروں پر چاندی منڈھی اور سونے کا کام کیا۔ اس کی چوکھٹ پر طلائے خالص کی ایک تختی لگائی۔ پرانے دروازے کا اپنے لیے تابوت بنایا اور مرتبہ وقت وصیت کی کہ اس تابوت میں امکو کھکھرج کے وقت عرفات لی جائیں۔ اور وہاں تابوت کا ٹوٹنا کھول دیں کہ اس شخص نے زندگی میں حج نہیں کیا تھا اب مرنے کے بعد حج ادا کر رہا ہے۔ چنانچہ مرنے کے بعد اس کا تابوت عرفات لے گئے تمام مناسک حج ادا کر اے اور طواف و داع کے بعد اسے مدینہ منورہ پہنچایا۔ چونکہ یہ وہاں والوں کے لیے ہرسال کپڑے اور روپیہ بھیجا کرتا تھا اس لیے اہل مدینہ نے اس کا تابوت سردوں پر اٹھایا۔ اس کے بعد روضہ مبارک کے متصل باب جبریل کے سامنے اس کا مقبرہ تعمیر ہوا اور اس کے مزار پر روضہ آندس کے درمیان مسجد کی دیوار میں لکھی کا ایک جگہ لکھا جس میں سے وہ روضہ مبارک کے سامنے سے دکھائی دیتا ہے اور اس کے ذمہ سے بوسے فردوس اس کے مشام جال کو معطر کرتی رہتی ہے۔ یہ قبر بابا عجم میں ہے جو اسی کا بنوایا ہوا رباط ہے۔ پیشتر جو ایک چلی کھڑا اس کی قبر کے گرد تھا اب وہ دریا۔ سموی کچی قبر ہے۔

۱۔ یہ بادشاہ سلسلہ سے سلسلہ تک سلطان مصر حجاز رہا۔ سلاطین مملوکیہ مصر کا چوتھا بادشاہ تھا۔

دوسری آگ میں جل گئی ایسی صورت میں یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ جال الدین کی جالی دونوں آتشزدگیوں میں محفوظ رہ کر اب تک موجود ہو۔ مولوی صبیحہ اللہ صاحب کو شاید سید حفصہ برزنجی کے بیان سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ۱۹۶۷ء میں سید صاحب موصوف نے جو رنگین چوبلی جالی حجرہ شریف کے اندر دیکھی تھی جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اُس کو مولوی صاحب نے جال الدین کی جالی تصور کر لیا۔ دوسری جالی جو حجرہ شریف کے چاروں طرف استادہ کی گئی وہ سلطان الظاہ رکن الدین بیکس نے بنوائی تھی۔ یہ سلطان ۱۲۶۶ء میں حج و زیارت کو آیا تھا۔ اس نے حجرہ شریف اور خٹابہ سیدہ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے بیت الشرف کے گرد جہاں قبر اطہر بنی ہوئی ہے۔ لکڑی کی جالی بنانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اُس نے خود اپنے ہاتھ سے اور رسیوں سے حجرے کے اطراف کی پیمائش کی اور مصر پر پھینک کر جالی تیار کرائی۔ جو ۱۲۶۸ء میں مدینہ منورہ بھیجی گئی اور حجرے کے گرد لگائی گئی۔ اس کے تین دروازے تھے۔ ایک جانب قبلہ (جنوب) دوسرا مشرق میں قیسرا جانب غرب۔ جالی کی بلندی ایک قد آدم تھی۔ ۱۲۶۹ء میں الملک العادل زین الدین کتبنا سلطان مصر نے اس کو اونچا کر کے مسجد کی چھت تک پہنچا دیا اور اب اس کی اونچائی کوئی چھ گز ہو گئی۔

۱۲۶۹ء میں سلطان الناصر نے جب محراب تہجد بنوائی تو اس جالی میں بھی چوتھا دروازہ جانب شمال مسجد کے صحن کی طرف اور زیارہ کر دیا۔

سہودی فرماتے ہیں کہ اُس زمانے میں اس جالی سے متصل جانب مغرب جالی کا ایک اور بڑا مقصورہ تھا جس پر دھوپ سے بچاؤ کے لئے ڈھالیہ بھی پڑا تھا۔ اس میں شیعہ نماز باجماعت لگتا تھا۔ اس کا عہد سلطنت ۱۲۹۳ء سے ۱۲۹۶ء تک ہے۔

۱۳۰۰ء۔ یہ بادشاہ ۱۲۹۶ء سے ۱۳۰۶ء تک تین مرتبہ معزول ہوا اور پھر بادشاہ ہوا۔ مصر و حجاز پر اس کی حکومت تھی۔ ۱۳۰۰ء۔ حضرت فاطمہ زہرا کے مزار کے پیچھے جانب شمال مسجد نبوی میں ایک محراب ہے اسے محراب تہجد کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ آنحضرت اس جگہ نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے جالی کے نقشے میں اس محراب کو بھی دکھایا ہے۔

۱۳۰۰ء۔ مدینہ منورہ ایک زمانہ میں شیعوں کا مخزن رہا ہے۔ ۱۳۰۶ء میں وہاں بجائے (بقیہ مفسرین برص ۱۳۰۶ء)



علحدہ پڑھا کرتے تھے۔ اس مقصود کے دروازے پر ان کی اڑال بھی  
بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱)

خلفائے عباسیہ بغداد کے خلفائے اسماعیلہ مصر کا جو شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ خطبہ پڑھا جانے لگا تھا۔ امرا سے  
مدینہ بھی قبیلہ بنی حسن و قبیلہ بنی حسین سے جو زیادہ تر شیعہ اسماعیلہ و زیدیہ تھے۔ انتخاب کیے جاتے تھے۔ حکومت خلفائے  
مصر کی تھی مگر مدینہ کا گورنر انھیں دو قبیلوں سے منتخب ہوا کرتا تھا۔ ۸۶۷ء میں جب اسماعیل سلطنت کا  
خاتمہ ہو گیا تب بھی ایوبی و چرکسی سلاطین مصر انھیں شیعہ قبائل میں سے امیر مدینہ مقرر کرتے رہے۔ عموماً یہ  
خدمت موروثی ہوا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ بقول ابن خلدون ۸۷۷ء ہجری تک  
اور بقول قلعشندی ۸۱۴ء تک مدینہ کے امیر اور روغنہ کے ستولی و مجاور شیعہ تھے (تاریخ ابن خلدون  
کتاب ثانی جلد دوم۔ صبح الاعشی قلعشندی عربی مطبوعہ مصر جلد ۴) ۷۹۹

مید سہودی و سید جعفر برزنجی مورخین مدینہ لکھتے ہیں کہ ابتدا میں مسجد نبوی میں نمبر شریف کی خطبہ خوانی  
شیعوں میں تھی پھر کچھ عرصہ تک اہل سنت خطبہ مقرر ہوتے رہے۔ ۸۷۲ء میں خطایت پھر شیعوں میں  
منتقل ہو گئی۔ اس کے کچھ دن بعد ملک منصور قلاؤن صامی بادشاہ مصر ۸۷۷ء تا ۸۸۹ء سال میں  
قتبر چھ مہینے کے لئے سنی امام و خطیب مقرر کر کے بھیجے لگا۔ چونکہ اس زمانہ میں سادات امامیہ کا مدینہ میں  
بڑا زور تھا اس لیے چھ مہینے بھی یہ لوگ بڑی مصیبت سے گزارتے تھے۔ آخر میں دولت فریق میں سابقہ  
قربت ہو جانے سے کشمکش باقی نہ رہی۔ (نزہۃ الناظرین عربی مطبوعہ مصر ص ۹۹۹)

قبیلہ بنی حسن و بنی حسین کی باقیات اب بھی مدینہ میں موجود ہے اور ان میں سے بعض تولد و دیگر اعتبار سے  
ذی وجاہت ہیں۔ یہ لوگ اصل میں اسماعیلی و زیدی تھے۔ مگر صدیوں سے تقیہ کی آڑ میں بسر کرتے چلے  
آئے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں مگر وہ اپنا ظاہری طرز عمل اہل سنت کا رکھتے ہیں۔ بعض ان میں کے  
امت داؤد زمانہ کی وجہ سے مستحق بھی ہو گئے ہیں اور بعض اسماعیلی و زیدی مذہب کے پیچ در پیچ طریقوں سے  
فکل کر امامیہ رستے پر آ گئے ہیں اور اپنے تئیں اثنا عشری شیعہ ظاہر کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے  
دیہات میں ایک قوم نواخلہ آباد ہے۔ ان کو بعض لوگ زید پلید کے ان ساتھیوں کی اولاد بتاتے ہیں۔  
جنھوں نے بعد واقعہ کربلا مدینہ منورہ میں ایک قیامت برپا کی تھی۔ اس فوج میں سے جو لوگ یہاں رو پڑے  
یہ ان کی نسل سے ہیں۔ لیکن یہ روایت ان کے دشمنوں کی بتائی ہوئی ہو۔ (بقیہ مضمون بر حاشیہ ص ۱۰۱)

جی علی خیر العمل کے ساتھ ہو ا کرتی تھی۔ دوسرے اوقات میں شیعہ علماء یہاں درس و تدریس کیا کرتے تھے۔ یہ حالت تقریباً نویں صدی کے وسط تک رہی اس کے بعد یہ تفریق اٹھادی گئی۔

(وفاء الوفا بخار دار الصلحۃ عربی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۸ و ص ۲۳۹)

۸۸۶ء کی آگ میں جب سلطان میرس کی جالی جل گئی تو سلطان قاید بے نے مسجد کی تعمیر و ترمیم کے ساتھ حجرے کے اطراف کے واسطے تانبے اور لوہے کی ڈھلی ہوئی جالیاں تیار کرائیں۔ جو ۸۸۸ء میں محل مصری کے ساتھ ستر اونٹوں پر مدینے پہنچیں۔ ان کا وزن (۴۰۰) قنطار یعنی چھ سو من تھا۔

(تاریخ ابن ایس عربی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۲ و ص ۲۳)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲)

بعض ان کو بنی حسن و بنی حسین کہتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنے کو انہیں قبائل سے بتاتے ہیں ان کی تعداد چھ سات ہزار ہے۔ زمانہ ددا سے ان کی حالت نہایت پست ہے۔ یہ لوگ عموماً زراعت کرتے ہیں۔ بعض قصائی کا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کو ہندوستان کا کاجھی مالی سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ یہ نخلستان کا کام کرتے ہیں اس لیے ان کو نواخلہ کہتے ہیں۔ خود مدینہ منورہ میں بھی محلہ نخلہ۔ محلہ جعفر طیار اور باب رحمت کے قریب کئی گھرانے شیعوں کے آباد ہیں یہ کھلے ہوئے شیعہ ہیں اور ہندوستانی و ایرانی شیعوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ سب حکومت نجد کی طرف سے اجازت یافتہ معلم ہیں۔ ان کے علاوہ بعض سنی بھی فرمایش کرنے پر شیعہ طریق سے زیارت وغیرہ پڑھاتے ہیں۔

۱۔ مکہ معظمہ کی فضائیں بھی کوئی دوسو برس تک شیعوں کی اذال گوشتی رہی ہے اور اہل سنت کے مصلو کے ساتھ فرقہ زدہ کا مصلیٰ بھی قائم رہ چکا ہے اس زمانہ میں بھی مکہ معظمہ کے محلہ قرارہ میں شیعوں کی ایک تعداد آباد ہے جو آزادی کے ساتھ اپنے فرائض مذہبی ادا کرتی ہے۔

۲۔ شیعہ اپنی اذال میں جی علی الفلاح کے بعد جی علی خیر العمل بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں۔ درود بہترین عمل کی طرف۔

تانبے کی جالی قبلہ کی طرف لگائی گئی۔ باقی تین سمت میں لوہے کی جالیاں نصب کی گئیں۔ اس جالی میں قبیلہ کی جانب پہلے ایک لکڑی کا دروازہ لگایا پھر اس کو بھی تانبے کی جالی کا کر دیا۔ باقی دروازے لوہے کی جانی کے تھے۔ نیز حضرت فاطمہؑ کے مکان کے گرد جہاں قبر شریف بنی ہوئی ہے لوہے کی جالی لگائی جس سے یہ مکان بھی جالی کا ایک جداگانہ حصار ہو گیا۔ حجرہ شریف اور اس حصار کے بیچ کی جالی میں دو دروازے رکھے جن میں سے حجرہ شریف کی گیلری میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس جالی کے چاروں دروازے تھے جو اس وقت تک موجود ہیں۔ جانب قبلہ جو دروازہ ہے اسے باب التوبہ کہتے ہیں۔ غرب میں باب الوفود ہے جو باب عایشہ بھی کہلاتا ہے۔ مشرق میں باب فاطمہ۔ شمال میں باب تہجد۔ باقی دو دروازے بھی اسی طرف ہیں۔ ایک مثلث حجرے کے دائیں طرف ایک بائیں طرف۔ توضیحاً نقشہ ذیل ملاحظہ ہو۔ جو صفحہ (۱۰۵) پر دیا گیا ہے۔

۱۔ اہل مدینہ کی سالہا سال سے یہ عادت ہے کہ قحط و مصیبت کے وقت اس دروازے کو کھول کر توبہ و استغفار کرتے ہیں اور حضرت رحمۃ اللعالمین کا واسطہ دیکر دعا کرتے ہیں۔

۲۔ قبائل عرب کے وفد جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو حضورؐ در عالم اس مقام پر تشریف فرما ہو کر ان سے گفت و شنید فرمایا کرتے تھے چونکہ حجرہ مزارات میں حضرت عایشہؓ کا مسکونی مکان تھا اور اس وقت بھی مسجد نبویؐ میں آنحضرتؐ کے تشریف لانے کے لیے یہ دروازہ موجود تھا اس لیے حضرت عایشہؓ کے مکان کی مناسبت سے اس دروازے کو باب عایشہؓ بھی کہتے تھے۔ جب جالی تیار ہوئی اور اس میں بھی اس جگہ دروازہ رکھا گیا تو اس کا یہ نام بھی قائم رہا۔

۳۔ حضرت فاطمہؑ کا مکان و مزار اس طرف ہے اس کی مناسبت سے اس دروازے کو باب فاطمہؑ کہتے ہیں۔





سلطان قاید بے نے اس جالی کے ساتھ تانبے کے تاروں کی جالیاں بھی بھجوائی تھیں جو حجرہ شریف کے اوپر کے حصے میں نصب کی گئیں یعنی مسجد کی چھت کے قریب حجرہ شریف منہس احاطے کی دیواروں کے بیچ میں جو جگہ سیری کے طور پر چھوٹی ہوئی ہے اور جس پر کوئی چھت نہیں ہے اس کو اس جالی سے ڈھک دیا تاکہ کبوتر وہاں نہ جا سکیں۔

(خلاصۃ الونابا بخار دارالمصطفیٰ ص ۱۳۶ و ۱۳۷)

سلطان قاید بے کی لوسہ کی ڈھلی ہوئی جالی جو مشرق و مغرب و شمال میں نصب کی گئی تھی وہ اب تک موجود ہے۔ البتہ جانب جنوب جو تانبے کی جالی سلطان موصوف نے لگائی تھی اس کے بارے میں سید جعفر بزرگنجی کی مندرجہ ذیل روایت نے شبہ ڈال دیا ہے۔ اس وجہ سے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ جنوب میں جو جالی اس وقت موجود ہے وہ قاید بے کی ہے یا کوئی دوسری سید بزرگنجی فرماتے ہیں۔

”شیخ مرعی کہتے ہیں کہ سلطان احمد خاں بن محمد خاں نے حجرہ شریف کے لیے ملالائی نقش و نگار کی جالیاں بھجوائی تھیں جو مواجہ شریفہ میں نصب کی گئی تھیں ان کو سعود وہابی نے لوٹ لیا۔“ (نزہۃ الناظرین ص ۷۵)

روایت مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان قاید بے کے بعد سلطان احمد خاں بن سلطان محمد خاں نے جس کا عہد حکومت سن ۱۰۱۵ء سے سن ۱۰۲۰ء تک ہے۔ مواجہ شریفہ کی طرف یعنی حجرہ مبارک کے جانب جنوب نصب کرنے کے لیے کوئی سنہری جالی بھجوائی تھی۔ چونکہ اس روایت کے آخری جزو کی کوئی اہلیت نہیں ہے اس لیے اہل روایت بھی ضعیف معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آئندہ ثابت کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ سلطان قاید بے کی جالی کے بعد کوئی اور جالی مواجہ شریفہ کے لیے نہیں آئی اور اس وقت جو سنہری جالی نصب ہے وہ غالباً سلطان ممدوح ہی کی جالی ہے۔ مگر عربی مودخ بیتل کے لیے بھی لفظ ”خاس“ جس کے معنی تانبے کے ہیں استعمال کرتے تھے اور کبھی کبھی جب زیادہ صراحت مقصود ہوتی تھی تو تانبے کے لیے ”خاس“ لکھتے۔ ابکل اس جالی کے اوپر غلاف پڑا ہوتا ہے۔ مواجہ کے معنی سر جانے کے ہیں۔ یہاں آنحضرتؐ کے سر جانے سے مراد ہے مواجہ شریفہ کے تفصیلی حالات زیر عنوان ”علامت مواجہ شریفہ“ تحریر کیے گئے ہیں۔

اور پتیل کے واسطے ”نحاس اصفر“ (زرد تانبہ) لکھتے تھے۔ اس وجہ سے کیا عجب ہے کہ سید  
سمودی وغیرہ نے سلطان قاہرہ بے کی قبلہ رخ جالی کو جو تانبے کا لکھا ہے وہ یہی پتیل کی جالی ہو  
جو اس وقت تک موجود ہے۔ اگر بالفرض وہ تانبے کی تھی اور یہ پتیل کی جالی کوئی اور ہے تو  
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان قاہرہ بے کی تانبے کی جالی کہاں گئی۔ میں نے جہاں تک  
دریافت کیا۔ شیخ محرم و خدام حجرہ شریف نے سالانہ حجرہ کے ذخیرے میں کسی جالی کی نشاندہی  
نہیں کی اب شیخ مرعی بن یوسف الجنبلی کی روایت کی تنقید کرتے ہیں

سلطان سودا بن عبید العزیز امیر نجد نے ۲۱۹ھ میں مدینہ منورہ پر تسلط حاصل کر کے  
حجرہ شریف کے سالانہ جواہرات و زیورات و ظروف طلائی وغیرہ پر قبضہ کیا تھا۔ مورخین نے اس  
قبضہ کو لوٹ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی بعد ضرورت تفصیل حجرہ شریف کے تحالیف و ہدایا کے ضمن  
میں کیجائے گی۔ شیخ مرعی کی روایت ہم کو غلط معلوم ہوتی ہے۔ یہ عام مسلمانوں کو دہابیوں  
کی طرف سے بدگمان کرنے اور نفرت دلانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ سید جعفر بزنجمی کے  
والد دہابیوں کی فتح مدینہ کے وقت موجود تھے اور یہاں سے بھاگ کر عراق پہنچے تھے دہابیوں  
کی فتح بالوٹ کے واقعات معلوم کرنے کا ذریعہ سید صاحب موصوف کو بالراستہ حاصل تھا۔ انھوں  
نے سلطان سوہو کی لوٹ میں جن جن چیزوں کو گنمایا ہے اس میں ان جالی کا ذکر نہیں کیا۔ اجمہرتی  
کی تاریخ ”التغالبین فی الدین“ میں اہل نجد کے مال غنیمت کی فہرست موجود ہے اس میں بھی یہ  
جالی شامل نہیں ہے۔ خدیو عباس علی پاشا حاکم الجزائر نے ۱۸۳۰ء میں مدینہ منورہ کے عنوان سے ایک باب  
ہے اور چونکہ یہ محمد علی پاشا والی مصر کی اولاد میں ہیں۔ جس نے دہابیوں سے ملک حجاز واپس لیا  
تھا اس لیے انھوں نے دہابیوں کے ظلم و زیادتی کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا۔ مگر اس جالی  
کی لوٹ کا پتہ اس سفر نامے سے بھی نہیں چلتا یورپ کا مشہور سیاح برکھارٹ جو دہابیوں کے  
تخلیہ مدینہ کے دفعی برس بعد وہاں گیا تھا۔ اُس نے نجدیوں کی لوٹ کا ذکر بڑی تفصیل کے  
ساتھ اپنے سفر نامے اور اپنی تاریخ دہابیہ میں کیا ہے جس کی توضیح اس مہمیدان نے  
۱۔ خدیو عباس علی پاشا نے ۱۸۳۱ء میں سفر حجاز کیا تھا۔ ان کا سفر نامہ علامہ محمد البتونی ان کے  
ایک ہمراہی نے مرتب کیا ہے۔

حجرہ شریف کے ال و جواہرات کے ضمن میں کی ہے) وہ بھی یہ نہیں کہتا کہ وہابی حجرہ شریف کی سنہری جالی لوٹ لے گئے۔ مولوی صبنۃ اللہ صاحب مؤلف کتاب السکینہ جو سید جعفر برزنجی کے متبع ہیں اور ان کی کتاب کا ماخذ بھی جعفر برزنجی کی تاریخ نزہۃ الناظرین ہے وہ بھی اس روایت کی تردید اس طرح کرتے ہیں۔

”راقم سطور نے اپنی آنکھوں سے جو مشاہدہ کیا تو جالی مواجہ شریف کو جوابیالتہ پر ہے۔ سونے چاندی سے منقش پایا۔ معلوم نہیں یکس کی قائم کر رہا ہے۔ سلطان احمد خاں کی روانہ کی ہوئی سنہری روپہلی جالی اگر سعود وہابی لوٹ لے گیا تو پھر موجودہ جالی کیسی اور کہاں سے آئی“

(السکینہ ص ۱۲۴)

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو سلطان احمد خاں نے کوئی جالی بھیجی ہی نہیں اور موجودہ سنہری جالی سلطان قاید بے ہی کی ہے اور اگر احمد خاں نے کوئی جالی بھیجی تھی تو وہ کچھ نہیں موجود ہے وہابیوں نے اسے نہیں لوٹا۔

شعبان ۱۲۹۷ھ میں مدینہ منورہ میں ایک سخت آندھی آئی تھی جس سے شرقی جانب کی بڑی جالی گر گئی تھی اس سے لوگوں میں بڑی پریشانی پھیلی۔ اس کی اطلاع شیخ احرم خیر اللہ آندری کو کی گئی وہ اپنے ساتھ علماء کی ایک جماعت کو لیکر مسجد کی چھت پر چڑھے اور پھر اس کے نصب کرنے کا انتظام کیا۔

(نزہۃ الناظرین ص ۶۹)

حجرہ شریف کی جالی کے متعلق یہ آخری واقعہ تھا جو تیرہویں صدی کے آخر میں پیش آیا ممکن ہے کہ اس کے قبل و بعد بھی اس میں کچھ رد و بدل ہوا ہو یا کوئی حادثہ پیش آیا ہو تاہم ساڑھے چار سو برس سے یہ جالی اب تک چلی آرہی ہے۔ ۱۵۳۷ھ میں اس گھنٹکار نے بھی اس کی زیارت کی ہے۔ یہ حجرہ شریف کے گرد گیلری کے چاروں طرف نصب ہے۔ جانب قبلہ لمبستی جنوب کے رخ اس جالی کا رنگ سنہری ہے جس پر چابجا روپہلی کام ہے اور نہایت خوشنما کتبے ڈھلے ہوئے نقش و نگار اور خوبصورت پیل بوٹے جالیوں میں کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ عام لوگ

اس کو چاندی سونے کا سمجھتے ہیں مگر میری رائے ناقص میں اصل جالی اعلیٰ درجے کے پتیل کی ہے البتہ اس کے بعض نقش و نگار اور کبتے چاندی کے ہیں۔ یہ جالی چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ یعنی پتیل کے چار ستولوں کے درمیان تین بڑی جالیاں ہیں۔ ہر جالی کے دو حصے ہیں اور ہر حصہ کوئی ڈھائی گز چڑا چھ گز اونچا ہے۔ جالی کی موٹائی آدھے انچ سے کم ہے۔ زائر جب قبلہ کی طرف بیٹھتا اور اس جالی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتا ہے تو بیچ کی جالی میں اس کے بائیں طرف ایک فٹ دو در حلقہ نظر آتا ہے جس میں ہلال بنا ہوا ہے۔ یہ حلقہ شبکہ التبی یعنی آنحضرت کی کھڑکی کہلاتی ہے۔ اس کو مواجہ شریف بھی کہتے ہیں۔ مرتد منورہ میں اس کے محاذی آنحضرت کا چہرہ مبارک بیان کیا جاتا ہے۔ زائر اسی کھڑکی کے نزدیک کھڑے ہو کر آنحضرت کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ اس حلقے سے یون گز دائیں طرف ہٹ کر شبکہ ابو بکرؓ ہے۔ اس سے کوئی یون گز شبکہ عمرؓ ہے۔ یہ دونوں کھڑکیاں ایک ایک بالشت بدور ہیں۔ ان کے بیچ میں بھی چاندی وغیرہ کے نقش ہیں۔ ان دونوں صحابہ پر ان کے شبکوں کے قریب کھڑے ہو کر سلام و فاتحہ پڑھتے ہیں۔ جالی کے وسط میں تختینا پانچ فٹ اونچا۔ ڈھائی فٹ چڑا دروازہ ہے۔ جو باب التوبہ کہلاتا ہے اس کے کوڑا بھی کٹی ہوئی جالی کے ہیں جن کے ایک پیٹ پر چاندی کے کٹے ہوئے حروف میں بخط طغرلے لالہ الامامہ الملک الحق امیں اور دو سر پیٹ پر محمد رسول اللہ الصادق الوعد الامین لکھا ہوا ہے۔ اور اس کے متصل یہ دو شعر بھی جالی میں منقوش ہیں۔

یا خیر من دفنت فی القاع اعظم  
نفسی القداء بقیر انت ساکنہ  
خطاب من طید بن القاع ہکا کرم  
فیہ العفات وفیہ الجود والکرم

باب التوبہ زمانہ قحط میں یا کسی اور مصیبت کے وقت کھولا جاتا ہے اور آنحضرت کا واسطہ دے کر دعا کی جاتی ہے۔ یہ دستور کوئی پانچ سو برس سے چلا آ رہا ہے موجودہ عہد میں یہ دروازہ کئی برس سے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا موقع بھی نہ لائے۔

۱۔ ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ:۔ اے بہترین خلق آپ کی ہڈیاں ایسی ہموار زمین میں دفن ہیں جن کی خوشبو یہ زمین مٹ رہی ہے۔ میری جان اس قبر پر فدا ہو۔ ہمیں آپ یتیم ہیں اور جو عفت و جود کرم کا مہلک ہے۔  
۲۔ اس کا ذکر علحدہ بھی کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں حالات قبۃ شریف و گنبد خضراء۔



حجرہ شریف کی جنوبی جالی کی کیفیت میں مختصراً عرض کر چکا۔ باقی تین طرف جالی ہے اس کو بعض لوگ تانبے کا کہتے ہیں۔ بعض ہشت دھات کا بعض پنج سی کہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ لوہے کی ہے۔ اور اس کا لوہا اس قسم کا ہے جس کے ڈھلے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی موٹائی کوئی ایک انچ ہے اور اگرچہ ڈھلی ہوئی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چانول بھرموٹی انچ بھر چوڑی پتوں کو موڑ موڑ کر پان کی سی شکل کی بلیں بنادی گئی ہیں۔ جالی کے ایک ایک ٹکڑے میں جوگز بھر چوڑا اور چھ گز اونچا ہے۔ بیل کی چار چار قطاریں اوپر کی جانب چلی گئی ہیں۔ ہر طرف جالی کے سترہ اٹھارہ ٹکڑے ملا کر برابر برابر کھڑے کر دیے ہیں۔ جن سے ایک طرف کا پا کھا بن گیا ہے۔ جہاں دو ٹکڑے ملے ہیں وہاں نہایت سفائی کے ساتھ معلوم طور پر ایک پتی اوپر چڑھی ہے اور کیلوں سے کس دیا ہے۔ اس طرح ہر طرف مختلف ٹکڑے مل کر پندرہ سولہ گز لمبی چوڑی ایک ہی جالی بن گئی ہے۔ چونکہ مسجد کی چھت جس میں یہ جالیاں نصب کی گئی ہیں اوپر کی طرف محراب دار ہے۔ اس وجہ سے یہ جالیاں بھی اوپر کی جانب گولائی نہاں ہیں اور چاروں طرف سے پورا حجرہ شریف بلا تشبیہ ایک عظیم الشان پنجرہ نظر آتا ہے۔ جس کی لمبائی جنوب سے شمال میں (۵۰) فٹ چوڑائی مشرق سے مغرب میں ۴۵ فٹ اور بلندی ۱۸ فٹ ہے۔ چنانچہ سیدہ کے مقصورہ کی لمبائی شرقاً و غرباً (۴۰) فٹ اور چوڑائی جنوباً و شمالاً (۲۲) فٹ ہے۔ جالی کارنگ تینوں طرف بن رہی مگر دروازوں کی چوکھٹیں تیل کی ہیں۔ استدار زمانہ کے باعث جالی کارنگ اکھڑ گیا ہے اور جا بجا سے لوہا نظر آ رہا ہے۔ جالی میں علاوہ مواجہ شریفہ کی تین کھڑکیوں کے اور طرف بھی چھوٹے چھوٹے حلقے موجود ہیں جن کا کام بتھایا جالی کے زیادہ چھر چھدر ہے ہر طرف جالی میں سے اور بالخصوص ان حلقوں میں سے رائٹر گیلری کی کیفیت دیکھ سکتے ہیں مگر سایہ ہونے کی وجہ سے دن میں مشکل آنکھ جیتی ہے۔ البتہ جالی سے منہ لگا کر کھڑے ہوں اور بیرونی روشنی سے آنکھوں کو بچانے کے لیے دونوں ہتھیلیوں کی آؤ کر لیں تو گیلری کی حالت کسی قدر صاف نظر آتی ہے۔ سب طرف غلات سے ڈھکا ہوا حجرہ شریف دکھائی دیتا ہے اور اوپر کی جانب غلات حجرے کی چھت سے ٹکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

## (۱۹) مزار اقدس کے اطراف گیلری

حجرہ شریف کے چاروں طرف بطور گردش کے چھت یا گیلری ہے۔ اسے مقصورہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی چوڑائی مختلف اطراف میں خمس حجرے کے پہلوؤں کے اعتبار سے مختلف ہے کہیں زیادہ سے زیادہ چار گز اور کہیں کم سے کم پونے دو گز ہے۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حجرہ شریف اور جناب سیدہ کے مکان کے بیچ میں پتھر کا ایک چوکا پڑا ہوا تھا۔ جس پر آنحضرتؐ نماز بھی پڑھا کرتے تھے۔ اس پتھر کی نسبت امام علی ابن موسیٰ رضا علیہم السلام سے روایت ہے کہ وہ امام حسن و امام حسین علیہم السلام کی ولادت گاہ تھا۔ اس بارے میں متضاد روایتیں ہیں کہ آیا عمر بن عبید الغزیز نے حجرہ شریف کے گرد پتھر کا فرش کرایا تھا یا نہیں۔ البتہ زمانہ خلافت جعفر متوکل علی السند میں (جو ۳۲۲ھ سے ۳۳۵ھ تک رہا) حجرہ شریف کے گرد پتھر کا فرش بنوایا گیا۔ پھر خلیفہ متقی السند کے زمانہ میں جلال الدین اسفہانی نے ۳۵۷ھ میں اس فرش کی تجدید کرائی۔

(خلاصۃ الوفا ص ۱۲۴)

اس کے بعد مورخین کچھ ذکر نہیں کرتے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ حریق اول کے بعد یقیناً نیا فرش کرانے کی ضرورت ہوئی ہوگی۔ کیونکہ سنگ مرمر بہت جلد جل کر چوڑا بن جاتا ہے اور اس آگ میں پتھر کے بہت سے مستون تک جل کر کوئلہ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھو دی کے زمانے میں سلطان قایتبائی نے گیلری میں دو مرتبہ فرش کرایا۔ پہلی دفعہ ۸۸۵ھ میں ترسیم حجرہ کے وقت دوسری مرتبہ آتشزدگی کے بعد ۸۸۵ھ میں۔ اس کے بعد پتھر نہیں لگتا کہ اور کب کب اس فرش میں رد و بدل ہوا۔ ۹۲۵ھ میں اس گھنکار نے دیکھا کہ یہ گیلری جس کے اندر کسی زمانے میں مختلف قسم کے بیش بہا تحفے رکھے جاتے تھے اور اس کی چھت میں بکثرت قندیلیں آویزاں کرتے تھے۔ موجودہ زمانے میں اس کے اندر بجز صندوق مندلیں صندوق مصحف۔ چند شمعانوں

۱۔ صندوق مندلیں کا ذکر مواہب شریفہ کے زیر عنوان ملاحظہ ہو۔

۲۔ صندوق مصحف کا تفصیلی ذکر مسجد نبویؐ کی پہلی آتشزدگی کے بیان میں کیا گیا ہے۔

اور قندیلوں وغیرہ کے کوئی اور چیز نظر نہیں آتی۔ مگر دلکشی کے سالن یہاں دوسرے ہی ہیں مشتاقانہ  
جال محمدی جالی سے منہ نگائے ٹھنکی باز سے دربار احمدی کا سماں دیکھتے ہیں اور گوباشکل گیلری  
کی کچھ کیفیت اور غلاف سے ڈھکی ہوئی دیواریں ہی نظر آتی ہیں۔ مگر اسٹڈ انڈر سے شوق دید  
دل سیر ہی نہیں ہوتا۔ میں نے بغیر دیکھے یہ شعر کہے تھے۔ مگر جب آستانہ اقدس پر حاضر ہوا تو معلوم  
ہوا کہ میرے دل کو پہلے سے سب کچھ خبر تھی۔

عجب کیا ہے جو آنکھیں روزِ یو اور یونہی تھیں  
تھارے روضہ کی یا شاہ جب ہم جا لیاں نکھیں  
نظر آتا ہے روضے کا ہمیشہ اک نیا عالم  
نگاہ شوق سے شیرِ حرب نکھیں جہاں نکھیں  
رات کو روشنی سے یہ حصہ بقتہ نور نجات ہے۔ غلاف گیلری اور اس کی ہر چیز آئینہ ہو جاتی  
ہے۔ خدام حجرہ شریف کے سوا عام زایروں کی رسائی اس گیلری تک بھی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی  
کسی سمرز یا مستول یا مقدس حاجی کو شرفِ باریابی حاصل ہو جاتا ہے۔ مجھ جیسے گھنگار باوجود موقع  
پانے کے اس زمین پر اپنے ناپاک قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔

شام کے وقت اس گیلری کا فرش عرقِ گلاب سے دھویا جاتا ہے۔ خدام روشنی کرنے حجرہ  
کی دیواروں میں عطر ملنے اور عود بتیاں سلگانے کے لیے گیلری کے اندر داخل ہوتے ہیں اس  
وقت یہاں کی معطر و معنبر ہوا دماغ پر ایک خاص کیفیت دسروں پر پیدا کرتی ہے۔ عود و عنبر کی مہک  
اور عطر کی لپیٹیں زائرین کو کسی اور ہی عالم میں پہنچا دیتی ہیں اور مجھ سے خوش عقیدہ شخص  
کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے۔

کیوں عط میں ڈوبی ہوئی آتی ہیں ہوا میں  
طیبہ ہی کی سحر میں مگر خلد بریں ہے  
جس وقت خدام اپنے فرائض انجام دیکر حجرہ شریف سے باہر نکلتے ہیں تو عاشقانِ رسولؐ  
مصافحہ کرنے کے لیے دیوانہ وار اُن کی طرف چھپتے ہیں۔ دس بارہ سال قبل میں نے عام زایروں  
کی شان میں یہ شعر کہا تھا۔ خدام حجرہ شریف کے مدارج و مراتب کا اس پر قیاس فرما لیجئے۔

میں نے دیکھا ہے کہ میں یہاں برقی روشنی۔ زیتون کے گلاس اور موم بتیاں روشن ہوتے دیکھی تھیں۔ شبانہ سلسلہ  
میں حکومتِ نجد نے اس روشنی کو خلافِ شرع و اسراف سمجھکر موقوف کر دیا۔ اب مسجد بنویں برقی روشنی ہوتی ہے جس کا آجالہ اب تک پہنچا

کس زمین کی خاکِ عطر افشاں سے گزرے حاجیو  
مجھ کو تم سے آتی ہے جنت کے پھولوں کی ہوا

## (۲۰) علامتِ مواجہ شریفیہ

(بچہ)

آنحضرت صلعم کے مواجہ شریفیہ یعنی سرھانے کے امتیاز کے لیے زمانہ قدیم سے کچھ نہ کچھ علامت چلی آرہی ہے تاکہ زائر اس کے متصل یا اس کے اندازہ سے کھڑا ہو کر سلام عرض کر سکے۔

### (الف) قنیل

چوتھی صدی ہجری میں مسجد بنوی کی چھت میں ایک قنیل لٹکی ہوئی تھی۔ سلام پڑھتے وقت زائر اس کے نیچے کھڑے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ حجرے کی دیوار میں جنوب کی طرف پتیل کی ایک کھیل بھی گڑی ہوئی تھی۔ امام محمد غزالی کے زمانہ زیارت تک جو شکہ ہے یہی حالت رہی۔

### (ب) مسمار فضہ

ابن جبیر کے زمانہ یعنی ۷۵۰ھ میں چاندی کی ایک کھیل جسے مسمار فضہ کہتے تھے مواجہ شریفیہ کی علامت تھی۔ ابن نجار جن کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ مسمار فضہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ۷۵۰ھ میں یہ ٹوٹ گئی تو چار برس بعد ۷۵۴ھ میں دوسری لگا دی گئی۔ چنانچہ ۷۶۶ھ میں ابن بطوطہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ۸۵۰ھ ہجری میں حجرے کی تعمیر کے وقت اس کھیل کو علحدہ کیا گیا۔ اور بعد تعمیر چاندی کی ایک کھیل جنوبی دیوار میں اور دو کھیلیں مغربی دیوار میں نصب کی گئیں۔ ۸۵۶ھ کی آتشزدگی میں جب یہ جل گئیں۔ تو پھر کوئی مسمار فضہ نہ لگائی گئی اور صرف صندوق صندل علامت مواجہ کافی سمجھی گئی۔



### (ج) صندوق صندل

یہ ایک صندوق ہے جس کے رکھنے کا دستور زمانہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ سب سے پہلے اس کا ذکر ابن جبیر نے کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

اس دیوار کے پاس آنوس کا ایک صندوق رکھا ہوا ہے جس میں صندل بھرا ہوا ہے اور اس پر چاندی کے پترے بڑے ہوئے ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کے سر جانے کے امتیاز کی علامت ہے اس کا طول (۵) بالشت عوض (۳) بالشت اور اونچائی (۴) بالشت ہے۔

(سفرنامہ ابن جبیر عربی مطبوعہ جرینی (۱۹۳ ص ۱۱۳))

سمہودی کے زمانہ تک یہ صندوق موجود تھا وہ کہتے ہیں۔

یہ نہیں معلوم کہ اس صندوق کے یہاں رکھنے کی ابتداء کب سے ہوئی سب سے پہلے ابن جبیر نے اس کا ذکر اپنے سفرنامے میں کیا ہے جب دوسری آتشزدگی (۱۱۵۷ھ) میں یہ صندوق جل گیا تو اس کی جگہ ایک دوسرا صندوق رکھ دیا گیا اور اس صندوق کے اوپر لکڑی کی ایک منقش تختی جو پہلے نصب تھی اس کی بجائے سنگ مرمر کی ایک لوح لگا دی گئی جس پر صلوات و سلام وغیرہ لکھ دیا گیا۔

(خلاصۃ الوفاع عربی مطبوعہ مصر باب (۴) فصل (۱۱) ص ۱۲۲)

سید جعفر برزنجی فرماتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں کہ اس صندوق کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی ہو۔ اس وقت مسجد نبویؐ کی خوشبو کے لیے صندل و عود وغیرہ اس میں رکھتے ہوں گے۔ اس کے بعد دوسرے خلفاء و سلاطین نے بھی اس کی پیروی کی۔ جب صندوق وغیرہ متعدد ہو گئے تو عود وغیرہ دوسری جگہ رکھنے لگے اور یہ صندوق صندل کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔

(نزهۃ الناظرین عربی مطبوعہ مصر ص ۴۲ و ۴۳)

۱۳۴۵ھ میں اس گنہگار نے بھی حجرہ شریف کی گیلری کے مغربی و جنوبی گوشہ میں ایک صندوق سال کی لکڑی کا رکھا ہوا دیکھا۔ یہ کوئی سو آگزا اونچا اور پون گز چوڑا ہے

یہ الماری کی سی شکل کا ہے۔ علاوہ ڈھکنا کھلنے کے اس کی تین درازیں بھی باہر کھینچی ہیں۔ مغرب کی طرف سے اگر جالی کے اندر دیکھیں تو یہ صندوق کونے میں رکھا ہوا نظر آتا ہے اس صندوق ہی کی وجہ سے اس ستون کو جس کے قریب یہ صندوق رکھا ہے قدیم سے اسطوانہ صندوق کہتے ہیں بعض مورخین مثلاً مولوی صبغتہ اللہ صاحب مولفہ لکینہ بخار مدنیہ نے جو نقشہ حجرہ شریف کا دکھایا ہے۔ اس میں جالی کے اندر اس صندوق کو بھی ظاہر کیا ہے۔ اب سے چپ سال قبل تک اس صندوق میں صندل رکھنے نکالنے کی رسم ہر سال بڑی دھوم سے ادا کی جاتی تھی۔ پُرانا صندل نکال کر تبرکات زاروں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور نیا صندل عطر و عرق گلاب میں گوندھ کر صندوق میں رکھ دیتے تھے۔ نیا صندل شیخ الحرم کے مکان سے لایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اغوات (خواجہ سرا) خدام مسجد و مشایخ حرم کی عورتیں اور بعض اہل مدنیہ کی مستوراتیں نعتیہ اشعار پڑھتی ہوئی آتی تھیں اس کے بعد سب کے لیے نفیس کھانوں کا دسترخوان چُنا جاتا تھا اور اغوات و تکبیر و تسلیل کہتے ہوئے صندوق میں صندل رکھتے تھے۔ اہل نجد اس قسم کے کاموں کو خلافِ شیعہ سمجھتے ہیں اور عورتوں مردوں کا اس طرح ایک جگہ جمع ہونا اور مستوراتوں کا مردوں کے ساتھ گاتے ہوئے چلنا خواہ نعتیہ قصائد ہی کیوں نہ ہوں ناجائز سمجھتے ہیں۔ اس لیے اب خاموشی کے ساتھ صندل کی الٹ پلٹ ہو جاتی ہے۔

میں نے کپتان برٹن کے اعتراضات کے جواب میں آئندہ ایک فصل میں اس صندوق کا ذکر صراحت سے کیا ہے۔

### (۵) کوکب الدری۔

مواجهہ شریفہ کی ایک اور ممتاز علامت تھی جو حجرہ شریف میں کئی سو برس تک رہی۔ وہ مشہور چکدار ہیرا کوکب الدری تھا جسے سن۱۸۵۰ء میں سلطان احمد خاں اول نے حجرہ شریف کی نزدیکیاں اور یہ جنوبی دیوار میں روئے مبارک کے محاذی نصب تھا۔ اس کے اوپر سے غلاف کتر دیا گیا تھا اور شبکہ النبی میں سے زاپیوں کو یہ نظر آتا تھا۔ میں نے حجرہ شریف کے تحائف کے ضمن میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جنگ عمومی میں ترک مدینے کا تخیل

کرتے وقت دوسری بیش بہا چیزوں کے ساتھ اسے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

(۴) شبکہ نبی

اس زمانے میں مواجہہ شریف کی بڑی علامت وہ گول کھڑکی ہے جو قبلہ رخ جالی میں ہے اس کے قریب کھڑے ہو کر زائرین صلوٰۃ و سلام و زیارت و فاتحہ پڑھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے اصل علامت مواجہہ شریف یہی کھڑکی تھی امتیاز مزید کے لیے سمار نقشہ کو کب الدری و صندوق وغیرہ رکھے گئے تھے۔

(❖)

## (۲۱) مواجہہ شریف کے سامنے جنازے

زمانہ قدیم سے مدینے میں یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ نماز کے لیے جنازے مسجد بنوی ۲ میں لائے جاتے ہیں اور مواجہہ شریف کے سامنے تھوڑی دیر رکھ کر بقیع میں دفن کے لیے لے جاتے ہیں۔

سب سے پہلا جنازہ جو مواجہہ شریف میں رکھا گیا وہ امام حسن علیہ السلام کا تھا ان کی وصیت تھی کہ بعد وفات ان کا جنازہ ان کے ناما کی خدمت میں پہنچایا جائے۔ اور ناما کی پابندی دفن کیا جائے۔ امام مظلوم کی ایک وصیت پوری ہوئی مگر دوسری پوری نہ ہو سکی بعض مخالفوں نے مزاحمت کی اور مجبوراً جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ نویں صدی کے وسط تک تمام مسلمانوں کے جنازے خواہ سنی ہوں یا شیعہ نماز کے لیے مسجد بنوی میں لائے جاتے تھے اور مواجہہ شریف کے پاس رکھے جاتے تھے۔ ۸۴۲ھ میں الظاہر حقیق سلطان مصر نے مسجد بنوی ۲ میں بھرسادات کے عام شیعوں کے جنازوں کے لانے کی ممانعت کر دی۔ یہ بھی صرف مسجد میں لائے جاتے تھے۔ مواجہہ شریف تک نہیں پہنچائے جاتے تھے۔ چنانچہ چند سال

۱۔ یہ بادشاہ رجب الاول ۸۴۲ھ سے ۸۵۲ھ تک سلطان مصر و حجاز رہا ہے۔ اس کا لقب ملک الظاہر سیف الدین ابوسعید حقیق ہے۔

قبل تک یہی طریقہ جاری تھا اور شیعوں کے جنازوں کو (بجز مسافروں اور محتاجوں کے) مسجد نبویؐ میں لانے کی عام اجازت تھی۔ شیعوں میں اسے صرف سیدوں کی نماز جنازہ مسجد نبویؐ میں ہوتی تھی۔ باقی کی نماز مسجد سے باہر۔ عام شیعوں کو بقیع میں دفن کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ۳۲ھ میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان عبدالعزیز ابن سعود موجودہ فرامزدا سے حجاز نے یہ قید اٹھا دی۔ اب شیعوں کے جنازے بھی بلا شرط مسجد میں لائے جاتے ہیں۔ مواہبہ شریفہ میں رکھے جاتے ہیں۔ اور جنت البقیع میں دفن کیے جاتے ہیں۔

(ۛ)

## (۲۲) مزار اقدس کے تحفے اور ہدیے

شاہان اسلام اور امراء عرصہ دراز سے حجرہ شریف کے لیے جواہرات۔ زیورات۔ نادر اشیاء اور سونے چاندی کے برتن بھیجتے رہے ہیں۔ یہ چڑھاوے حجرے کی گیلری میں رکھے جاتے تھے یہ ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ و دربار جو فقیری پر ہمیشہ نخر کرتا رہا جو مسکین کے ساتھ زندہ رہنے۔ مسکین مرنے اور مسکینوں کے زمرے میں قیامت کے دن اٹھنے کی عمر بھر دعا کرتا رہا۔ اس کو مرنے کے بعد سونے چاندی، زرد زیور اور الماس و زمرد سے کیا سروکار؟ مگر نیک نیت ارباب دولت کی غرض اس قسم کی چیزیں حجرہ شریف پر چڑھانے سے یہ ہوتی تھی کہ بادشاہ اسلام اس خزانہ سے مجاہدین کی امداد کرے۔ یا اس کا روپیہ مسجد نبویؐ و حجرہ شریف کی تعمیر و ترمیم میں لگایا جائے یا کسی مصیبت و قحط کے وقت رسول اللہؐ کے پڑوسی اس سے مستفید ہوگیں۔ وقف کرنے والوں کی نیت ہمیشہ اسی قسم کی ہوتی ہے۔ لیکن وقف کے متولی عموماً کچھ اور نیت رکھتے ہیں۔

حجرہ شریف کا خزانہ جس طرح جمع ہوتا رہا ہے اس کے متعلق ابجری کی تاریخ "المتالین فی الدین" سے چند فقرے اس جگہ لکھ دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔

"آنحضرتؐ تو اس قسم کے سامان و اباب سے منزہ تھے۔ مال کا ان کے



حجرے میں جمع کرنا اور تحقیق و سائیکس و نفرا کو اس سے محروم رکھنا خلاف شریعت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس مال کا جمع کرنا اس غرض سے تھا کہ گردشِ زمانہ و مسافا کے وقت اس سے مدد لی جائے اور کفار و مشرکین سے جہاد کے وقت کام آئے اور اس سے بادشاہِ اسلام کو تقویت پہنچے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کو دیکھا کہ دولِ یورپ کے غلبہ کی وجہ سے وہ بے انتہا مصائب میں مبتلا ہوئے۔ ان کے خزانے خالی تھے۔ فرنگیوں نے ان پر بڑے بڑے تارواں جنگ عاید کر کے ملک کی شالامِ اسلام نے ذہر و پیہ اپنی رعایا پر بھاری بھاری ٹیکس لگا کر اور تاجروں کے مال پر ناجائز قبضہ کر کے اکٹھا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاجروں کا یہ ہو گئے اور رعایا فقیر بن گئی۔ مگر حجرہ شریف کے مالِ محبت سے کبھی کسی بادشاہ کو فائدہ نہ پہنچا۔ البتہ حرم کے خاتم اس سے مستفید ہوتے رہے۔ مگر غریب اولادِ رسول و علماءِ مساکین اور مسافروں کے مرنے سے

(مرآۃ المحرمین عربی مکتوبہ مصر جلد اول ص ۵۵)

مبطلہ ان بیشمار چیزوں کے جو حجرہ شریف کے خزانے میں تھیں چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ سلطان احمد خاں اول نے سن ۱۱۸۵ھ میں کبوتر کے چھوٹے انڈے سے لے کر برابر ایک ہیرا اندر کیا تھا۔ روشنی اور چمک کی وجہ سے اس کو کوب الدری کہتے تھے یہ ایک تختی میں جڑا ہوا تھا۔ اس کے گرد قیمتی جواہرات کے (۲۲۴) ٹکڑے اور تھے اس کے نیچے سونے کا ایک آویزہ تھا۔ تھا وہ بھی جواہرات سے مرصع تھا۔ کوب الدری کی قیمت کا اندازہ ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ یہ حجرہ شریف کی دیوار پر جانبِ جنوب وے مبارک کے محاذی نصب تھا۔ اور شبکہ بنی مسعود کو دکھائی دیتا تھا۔ سن ۱۱۸۵ھ میں سلطان مراد راج ابن سلطان احمد خاں نے ایک ہیرا بھیجا تھا جو کوب الدری کے نیچے حجرہ شریف میں آویزاں تھا اسی بادشاہ کے زمانہ میں مصطفیٰ پاشا سپہ سالار نے بھی ایک ہیرا جس کے گرد اور کئی ہیرے چڑھے تھے چڑھایا۔ سن ۱۱۸۵ھ میں ملک بلغاریہ کی فتح میں جو جواہرات ترکوں کے ہاتھ آئے تھے ان میں سے بہت جواہر شامی قافلہ کے ہمراہ بنگلانی علی پاشا فاتح بلغاریہ حجرہ شریف کے لیے بابِ عالی سے روانہ کیے گئے تھے۔ سن ۱۲۹۱ھ میں سلطان عادل بہت سلطان محمود خاں نے ایک سنہری تختی روانہ کی تھی جس پر ہیروں کا کلمہ لکھا۔ کوب کے معنی ستارے کے ہیں اور دُری بڑے روشن ستارے کو کہتے ہیں۔ کوب الدری کے معنی بڑا سنورا ستارہ۔

لکھا ہوا تھا یہ کوکت الدری کے قریب نصب تھی۔ ایک اور طلائی تختی بھی اس نے بھیجی تھی جس پر ہیروں سے  
حضرت فاطمہؑ کا نام لکھا ہوا تھا ان کے علاوہ حجرے میں اور بھی بہت سے قیمتی جواہرات تھے۔ حضرت  
فاطمہؑ کے حجرے کے اندر موتیوں اور مونگوں کے بہت سے ہار آویزاں تھے اور طلائی  
شعراؤں کے قریب موتیوں کے جھاڑ مرصع نیکھے جڑاؤ۔ انگلیٹھیاں۔ عود سون مرصع قرآن  
مختلف زیورات۔ گنگن۔ بالیاں وغیرہ بہت سی چیزیں مصری و ترک کی مالدار عورتوں نے چڑھائی  
تھیں۔ خدیو عباس طس پاشا کی ماں نے بہت سی قیمتی الماریاں حجرہ شریف کے نزدیک تھیں۔  
اس تمام سامان کی مجموعی قیمت کا اندازہ دس کروڑ چاس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔

(تذکرۃ الناطقین۔ رحلتہ العجازیہ۔ مرآۃ المحررین)

(\*)

## (درجہ ۲) مزار اقدس کے خزانہ میں تغلبے تصف

ہر حال اور شجر

واکر مٹی کا ڈھسج تپہ لگانا دشوار ہے کہ خلفائے ہند اور سلاطین مصر نے جو تحفے اور  
ہدیے حجرہؑ کو دیے۔ لیے بھیجے تھے وہ کس کس زمانہ میں یہاں سے نکالے گئے اور جائز  
یانا جائز طور عود امیرین کیے گئے۔ ہم نے اوپر جو چند اشیاء کا ذکر کیا ہے وہ سلاطین آل  
عثمان کے زمانہ میں ہوئے۔ یہ تھے۔ ان سے قبل کے ہدیوں کا صحیح پتہ نہیں کہ کیا کیا آیا  
چیزیں یہاں موجود تھیں اور وہ کب یہاں سے علیحدہ کر دی گئیں۔ یہ سب سہودی نے نویں صدی  
ہجری کے حسب ذیل چار واقعات بیان کیے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اس وقت بعض لوگوں  
نے اس خزانہ پر درست و رازی کی تھی۔

(۱) الناصر مجروح سلطان مصر و حجاز نے سال ۷۸۰ھ میں جاز بن ہبہ حسینی کو جو مدینہ کا  
والی تھا۔ امارت مدینہؑ سے معزول کیا تو اس نے بہت سے مفسدوں کو حج کر کے بنیاد  
کی۔ اہل مدینہ کے گھر لوٹنے لیے اور حجرہ شریف کا سامان بھی اڑا لے گیا۔ جس میں کوئی بہن  
چاندی کی اور کئی من سونے کی قندیلیں وغیرہ تھیں۔ ۸۱۲ھ میں وہ اور اس کے ساتھی

قتل کر دیے گئے مگر مال غنیمت جو اس نے کہیں دفن کر دیا تھا اس کا کچھ تپہ نہ لگا۔

(دفاع الوفا بابا خبار دار المصطفیٰ جلد اول ص ۴۱۹)

(۲) امیر عزیز بن ہباز بن ہبہ الجعفی نے امیر مدینہ سے ۲۳۰ھ میں قرض کے نام سے حجرہ شریف کا مال و اسباب نکال لیا۔ اور مرد و سرکشی آہستہ چارگی۔ اس کے پاداش میں اس کو قباہرہ لے گئے اور یہ وہیں مر گیا۔

(۳) مرغوث بن تبیر اور دیوس بن سعد جو مدینہ کے سربراہ و وہ اشخاص تھے۔ ۲۶۰ھ میں کورات کے وقت حجرہ شریف سے خزانہ نکال لے گئے۔ مدت تک کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ آخر معلوم ہوا تو امیر مدینہ نے ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ کچھ عرصہ اس مال ان سے واپس مل گیا۔

(۴) اسی طرح ۲۹۰ھ میں حسن بن زبیر النضوری نے دولت بردگی۔

(خلاصۃ الوفا ص ۴۲۰)

سلاطین عثمانیہ کے چڑھائے ہوئے تختے پہلی مرتبہ تیرھویں صدی ہجری میں حجرہ شریف سے نکالے گئے جو خدام حجرہ شریف غالب اور سود بن عبد العزیز نے حاصل کیے مگر اس کا تمام الزام اہل نجد پر ہی لگایا جاتا ہے۔ مثلاً سید جعفر بن عبد العزیز نے اس وقت حجۃ اچازہ پر تھکے ہوئے تھے۔

سود ابن عبد العزیز وہابی نے ۱۲۱۹ھ میں حجاز پر قبضہ کر کے حجرہ شریف میں جو کچھ نقد و جواہر و سونا تھا سب لوٹ لیا۔ اس میں ایک سو مہرے گوارے بھی تھے۔ سود نے طلائی و نقرئی قندیلوں کو کھنڈر کر اپنے ساتھیوں کو تقسیم کیا۔ اور باقی کے سکے ڈھال کر مدینہ میں بکوائے۔ یہ سکے سابقہ سکوں سے جدا تھے اور مدینہ میں رائج تھے۔ وہاں ہونے والے حجرہ شریف غالب کے ہاتھ اس لوٹ کا کچھ حصہ پچاس ہزار ریال (پانچ لاکھ روپیہ) میں فروخت کر دیا تھا اور کچھ سالان سود کے پاس رہا۔ جب عبداللہ ابن سود اور ملوٹون پاشا کے درمیان صلح ہو گئی تو ملوٹون پاشا نے عبداللہ سے

کچھ سالان دو ہزار مصری گنی یعنی کوئی تیس ہزار روپیہ میں خرید کر  
حجرہ شریف میں پھر رکھ دیا۔ اسی طرح عبداللہ بن سعود نے گرفتار ہو جانے کے  
بعد جو چیزیں محمد علی پاشا کی نذر کیں۔ وہ بھی اُس نے حجرے میں واپس کر دیں۔

آخر الذکر واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابراہیم پاشا فرزند محمد علی پاشا نے جو جنگ دہا بیہ کا  
خاتمہ کر دینے کے لیے بلکہ دہابیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیے حجاز گیا تھا۔ عبداللہ  
ابن سعود کو بتلایا کہ ۱۲۳۳ھ میں اُس کے اہل و عیال اور خدم و حشم کے جن کی تعداد  
چار سو تھی گرفتار کر کے قاہرہ بھیج دیا۔ عبداللہ کے وہاں پہنچنے پر بڑی خوشی منائی گئی۔ شہر آراستہ

۱۲۳۵ھ۔ ابراہیم پاشا بانی خاندان خدیوہ مصریہ محمد علی پاشا کا متبنی لڑکا تھا۔ یہ ۱۲۳۵ھ میں مقام توالا علاقہ البلینا  
میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۲۸۱ھ میں اس نے مصر صید میں ملوکوں اور عربوں کی شورش فرو کی۔ ۱۲۸۴ھ میں  
دہابیوں کے استیصال کے لیے حجاز و نجد گیا۔ ۱۲۸۵ھ میں اس نے دہابیوں کے مختلف مقامات فتح کر لیے  
اور ان کے پایہ تخت درعیہ کو جو اُس زمانہ میں اپنی عمارت، مساجد مدارس و باغات وغیرہ کی وجہ سے نجد کا  
بہترین شہر تھا اور تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ چھ مہینے کے محاصرے کے بعد فتح کر لیا۔ اور سارے شہر کو  
لکھ واکر مٹی کا ڈھیر کر دیا۔ بہت سے علماء و رساکو قتل کیا درعیہ کے قاضی احمد بن رشید کے سارے  
دانت اکھڑا دیے۔ امیر نجد عبداللہ بن سعود کے لڑکے کو گرفتار کر کے قتل کرایا اور ۱۲۸۹ھ میں  
عبداللہ بن سعود امیر نجد کو کپڑا کر مصر بھیج دیا۔ یہ سب حرکات ابراہیم پاشا نے اُس وقت کیں جبکہ صلح کے  
بعد درعیہ میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد خلیج فارس میں جہاں دہابیوں کے حملے ہو کر تے تھے انتظام  
تایم کرنے کے لیے گیا۔ پھر حجاز واپس ہوا اور اسی سال حج کے بعد مصر واپس چلا گیا۔ ۱۲۹۲ھ میں  
جب یونانیوں نے ترکوں کے خلاف جنگ آزادی چھیڑی تو سلطان کی مدد کے لیے وہاں پہنچا  
اور یونانیوں کے بہت سے شہر فتح کیے اور ۱۲۹۲ھ میں مصر گیا۔ ابراہیم پاشا کی سب سے بڑی حرکت  
اُس کا شام کا حملہ ہے جو اُس نے والی عکہ سے تکرار ہو جانے پر ۱۲۹۳ھ میں کیا اور اپنے آقا ترکوں سے  
جنگ کر کے ملک شام فتح کر لیا۔ اس موقع پر دل یورپ ہیج میں کود پڑیں۔ ملک مفتوحہ ترکوں کو واپس  
دلا دیا اور محمد علی پاشا پدر ابراہیم پاشا نے ملک مصر اپنے خاندان کے لیے ہمیشہ کے واسطے مخصوص کر لیا۔  
جنوری ۱۲۹۸ھ میں محمد علی نے بوجہ ضعف و پیری عزلت اختیار کر کے (بقیہ حاشیہ بر ص ۱۲۲)



کیا گیا۔ ایک ہزار توپیں چھوڑی گئیں اور شہر میں اُس کی تشہیر کی گئی۔  
عبداللہ کو اسماعیل پاشا ابن محمد علی کے محل واقع بولاق میں ٹھہرایا۔ دوسرے دن پاشا  
نے اس سے ملاقات کی۔ محمد علی نے اس سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ  
فتح و شکست خدا کے ہاتھ ہے۔ محمد علی نے کہا میں تم کو سلطان کی خدمت میں بھیج دوں گا عبداللہ  
نے جواب دیا جو کچھ تھدیر میں ہے وہ ضرور ہوگا۔ عبداللہ نے پاشا کو ایک صندوق چھین کر دیا  
جس میں تین مرصع قرآن تین سو بڑے بڑے دانوں کے موتی اور کئی بڑے بڑے زمرد تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱)

ابراہیم پاشا کو والی مصر مقرر کیا۔ چند مہینے بعد نومبر ۱۸۳۰ء میں ابراہیم پاشا نے وفات پائی۔ حملہ شام کی  
یادگار میں قاہرہ کے کئی راستوں پر ابراہیم پاشا کی مجسم تصویر اسادہ ہے جس میں وہ ایک زبردست  
گھوڑے پر سوار تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔ گویا مصریوں سے کہہ رہا ہے کہ شام کی  
طرف بڑھے چلو۔

۱۷۔ عبداللہ بن سعود ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد منجبر  
ہوا تھا۔ اسی سال محمد علی پاشا تکمیل فتوحات کے لیے حجاز گجھا تھا اس نے اپنے روپیے اور حکومت علی سے  
عربوں کو اپنی طرف بلا لیا۔ عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر صلح کی۔ مگر جنگ کا سلسلہ پھر بھی ۱۸۱۵ء  
تک چلتا رہا۔ آخر عبداللہ نے ترکوں کی حکومت حجاز کو تسلیم کر کے صلح جاہی۔ مگر محمد علی پاشا نے  
منتظر نہ کیا اور اپنے فرزند ابراہیم پاشا کو ولایتوں کا نام و نشان سنا دینے کے لیے حجاز کی طرف بھیجا  
اس نے مختلف لڑائیوں کے بعد عبداللہ کو قید کر کے قاہرہ روانہ کر دیا۔ محمد علی اور اس کے لڑکے ابراہیم پاشا نے  
ان لڑائیوں میں جس جس طرح عہد شکنی کی اور صلح پسندوں امن طلب کرنے والوں اور قیدیوں کے ساتھ  
جیسا بڑا و کجائیاں کے لحاظ سے یہ لڑائی جس کو جہاد کہا جا رہا تھا ایک بری قسم کی دنیوی جنگ تھی۔

۱۸۔ دریائے نیل کے مشرقی بندرگاہ کا نام بولاق ہے۔ کسی زمانے میں یہ جزیرہ تھا مگر اب خشکی سے  
ملا دیا گیا ہے تجارت کی بڑی منڈی ہے تجارتی مال کی کشتیاں بھرت یہاں آتی رہتی ہیں۔ کپڑا بننے کے  
کارخانے۔ ہتیار بنانے کا کارخانے اور سرکاری مطبع یہیں واقع ہے۔

۱۹۔ یہ زمانہ سلطان محمود خاں ثانی کا تھا جس کا عہد حکومت ۱۲۲۲ء سے ۱۲۵۵ء تک رہا۔

عبداللہ نے کہا کہ یہ وہ سالان ہے جو میرے والد نے حجرے میں سے لیا تھا۔ پاشا نے پوچھا کہ حجرے کے مال کثیر ہیں سے کیا تمہارے والد نے صرف اتنا ہی لیا تھا۔ عبداللہ نے جواب دیا یہ خیال کہ ہمارے فتوحات کے وقت حجرے کا سالان جوں کا توں رکھا ہوا تھا غلط ہے۔ امرائے عرب۔ اہل مدینہ اور حرم شریف کے اغوات بہت سے سالان پر پہلے ہی تصرف کر چکے تھے۔ پاشا نے جواب دیا واقعی یہ صحیح ہے۔ ہم نے بھی شریف غالب کے پاس لباس و خلعت وغیرہ کی قسم سے بہت سی چیزیں دیکھی تھیں۔ ۱۹ / محرم ۱۲۳۱ء کو عبداللہ مع اُس کے ساتھیوں کے قسطنطنیہ بھیجا گیا۔ جہاں تشہیر کے بعد باب ہایوں کے پاس اس کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھی شہر کے دوسرے مقامات پر قتل کیے گئے۔

(مرآۃ المحرین جلد اول ص ۴۵۶)

فرنگی سیاح برکھارٹ جو ۱۲۳۱ء میں مدینے گیا تھا وہ حجرہ شریف کے مال و اسباب کی نسبت حذبِ ذیلِ ریادک کرتا ہے۔ معاصر ہونے کی وجہ سے اس کا بیان خاص اہمیت رکھتا ہے:-

مدینے کے محلہ حجرے کے زمانے میں ان نوازوں کا بڑا حصہ خصوصاً سونے کے تمام برتن شہر کے بڑے آدمیوں نے نکال لیے تھے۔ حیلہ یہ کہیا تھا کہ غریبوں میں تقسیم کریں گے مگر اہل میں اُنھوں نے آپس میں ہی بانٹ لیے۔ جب امیر سعود نے مدینہ فتح کیا تو وہ خود حجرے میں داخل ہو کر غلات تک پہنچ گیا اور جو کچھ اُس کو وہاں ملا اُس پر قبضہ کر لیا۔ اس لوٹ میں سے اُس نے ایک حصہ شریف مکہ کے ہاتھ فروخت کیا اور باقی درعیہ لے گیا۔ سب سے زیادہ بیش قیمت چیز جو سعود کے ہاتھ لگی وہ کوکب الدری تھا۔ یہاں ہر قسم کے برتن بھی جمع تھے۔ علاوہ ان کے جڑاؤ زیور۔ لچھے۔ بالیاں۔ گلوبند ہیکلیں اور دوسرے زیورات بھی تھے۔ جو سلطنتِ ترکی کے مختلف صوبوں سے لوگوں نے بطور تحفہ بھیجے تھے اور بڑے بڑے مالدار حاجیوں نے یہاں آکر چڑھاے تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ کل ذخیرہ ملا کر بڑی قیمت کا

ہوگا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کی قیمت کا اندازہ ہی نہ ہو سکے۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ شریف غالب نے جو سالانہ خرید تھا۔ اس کا تخمینہ دھائی لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ شہر کے امراء تخمیناً ایک من سولہ سیر سونے کے برتن اڑالے گئے تھے جو زیادہ سے زیادہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے ہوں گے سودنے جو کچھ لیا وہ خصوصاً سوتی مونگے کی چیزیں تھیں اور یقیناً شریف غالب کے ہتھے کی قیمت سے زیادہ کی نہ تھیں۔ غرض کہ حجرے کے کل مال کی قیمت سات آٹھ لاکھ روپیہ ہوگی۔ طوسوں پاشانے مدینے پہنچکر سونے کے ان ہتھوں کی تلاش کی جو یہاں کے امیروں نے شہر والوں کے ہاتھ بیچے تھے اور جو ابھی تک گلائے نہیں گئے تھے چنانچہ بہت سے برتن اُس کو مل گئے جو اس نے پچیس ہزار روپیہ میں خرید لیے اور پھر اُن کو حجرے میں رکھ دیا۔

(سفرنامہ برکھارٹ جلد دوم)

برکھارٹ نے حجرہ شریف کے اُس خزانے کی کیفیت بیان کی ہے جو غالباً سلاطین آل عثمان کے حجاز پر قابض ہونے کے بعد سے ۱۲۱۹ء تک جمع ہوا تھا برکھارٹ نے مال غنیمت میں کوکب الدرہی کا شمار بھی کیا ہے۔ لیکن جعفر بزرگنجی وغیرہ دوسرے مورخ بصراحت اس کا نام نہیں لیتے۔ واپس شدہ جواہرات میں بھی اس کی گنتی نہیں ہے اس کا وجود وہابیوں کے قبضہ حجاز اٹھ جانے کے بعد سے حجرہ شریف میں برابر پایا جاتا ہے چودھویں صدی کے تمام سیاح اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہابیوں سے نہیں لیا تھا ورنہ ایسی بیش بہا چیز جس کی قیمت ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ خاموشی کے ساتھ کہاں سے آگئی۔ کیونکر آئی۔ کس وقت آئی۔ وہابیوں نے خود بخود رکھ دیا کسی نے ان سے لیکر بیان پہنچا دی۔

نزکوں کے دوبارہ حجاز پر قابض ہونے کے بعد سے یعنی ۱۲۳۳ء سے ۱۳۳۲ء تک ایک سو برس میں جو چڑھاوے حجرہ شریف میں چڑھائے گئے اور جو کچھ زر و جواہر یہاں جمع ہوا اس کی قیمت کا تخمینہ حسب اندازہ صاحب مرآۃ احرار میں درجہ الجازیہ و اسکینہ وغیرہ

دس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ ۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں جب جنگ عمومی شروع ہوئی۔ اور شریف مکہ حسین ایشانے ترکوں سے بغاوت کی تو پھر یہ زمانہ آگیا کہ جو جس کے ہاتھ آیا وہ اُس نے دھڑ گھسیٹا بہت سی بیش قیمت چیزیں یہاں سے ہائے وقت خود ترک لے گئے۔ کچھ سالان خدام و اغوات نے غائب کر دیا۔ باقی سب شریف نے ہضم کر لیا اور ۳۳۲ھ میں جب وہابیوں نے بسہرہ کردگی سلطان عبدالعزیز ابن عبدالرحمان آل سعود شریف کو نکال کر حجاز پر قبضہ کیا۔ تو ان کو حجرہ شریف کی صرف درباری ملی۔ تیرہویں صدی کے آخر میں اور چودھویں صدی کے ایک ربع چھتے تک حجرے کے خزانے جواہرات و زیورات و بیش قیمت اشیاء سے بھرے ہوئے تھے۔ اور گیلری میں لاکھوں کروڑوں روپیے کا مال تھا اب وہاں معمولی چند طلائی قندیلیں کچھ شمعدان اور چند عود سوز ہیں۔



## (۲۴) مزار اقدس میں روشنی

زمانہ قدیم سے شاہان اسلام و امراء و حکام مسجد نبوی اور حجرہ شریف میں روشنی کرنے کے لیے بیش قیمت قندیلیں اور طلائی فانوس وغیرہ بھیجتے رہے ہیں۔ جن کی توضیح سید سمودی نے اپنی کتاب دفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ میں کسی قدر کی ہے۔ قندیلوں اور فانوسوں کی کثرت کی وجہ سے یہ مضمون ایسا وسیع ہو گیا تھا کہ اس پر امام سبکی نے ایک رسالہ تالیف کیا جس کا نام "تنزیل السکینہ علی قتادیل المدینہ" ہے۔ اس میں مولف نے قندیلوں تاریخ اور حجرہ شریف میں ان کی روشنی کے جواز و عدم جواز پر بحث کی ہے۔

(خلاصۃ الوفا ص ۱۲۶)

کبھی کبھی بطور منت یا بغرض حصول ثواب بھی حجرہ شریف میں قندیلیں لٹکانی جاتی تھیں۔ آغا کی حج اغوات ہے۔ مسجد نبوی و مزار اقدس کے خادموں کو جو خواجہ سرا ہیں آغا کہتے ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات ایک مستقل عنوان کے تحت میں تحریر کیے گئے ہیں۔



مثلاً الناصر محمد بن قلاوون سلطان مصر نے جس کا عہد حکومت ۷۰۹ھ سے ۷۴۱ھ تک  
لوہے کی ایک بہت بڑی قندیل جس پر سنہری کام کیا ہوا تھا اور سونے کے حروف  
میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ تیار کرائی اور حجرہ شریف میں اپنے ہاتھ سے اُسے لٹکایا۔

حجرہ شریف کی قندیلیں اور فانوس کئی مرتبہ چرائے بھی گئے ہیں۔ بعض امراء  
مدینہ نے ان پر تصرف بھی کیا ہے اس طرح ان میں کمی بھی ہوتی رہی ہے۔ جن کی بھرتی  
پھر ہو گئی۔ ۸۲۸ھ میں محمد علی پاشا والی مصر کے فرزند طوسون پاشا نے اپنے والد کی

۱۔ محمد علی پاشا کے حالات جنت المعسلے کے ضمن میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔

۲۔ طوسون پاشا بانی خاندان خدیویہ مصر کا منجملہ لڑکا تھا۔ ۸۰۹ھ میں جبکہ اس کی عمر صرف  
تیرہ چوبیس سال کی تھی اُس نے ملکوں کی جنگ میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اکتوبر ۸۱۱ھ میں محمد علی پاشا  
نے اس لڑکے کو بڑی و بھری فوج کا کمانڈر بنا کر دہابیوں کے مقابلہ کے لیے حجاز روانہ کیا تھا۔ اُس نے  
وہاں مختلف لڑائیوں میں داد شجاعت دی شکست کے سوتھوں پر بھی اُس کے پائے ثبات میں لغزش  
نہیں آتی تھی۔ اوائل ۸۱۲ھ میں جب بقیام جدیدہ پچیس ہزار دہابیوں نے آٹھ ہزار ترکوں کو شکست  
فاش دی تھی اُس وقت بھی یہ میدان جنگ میں ڈنار ہا حالانکہ اس کے تمام ساتھی بھاگ گئے تھے  
اور صرف دو سوار اس کے پاس رہ گئے تھے۔ اسی طرح جنگ طرابہ میں بھی اس نے بھوک پیاس اور  
طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر اپنی بہسادی کا ثبوت دیا تھا۔ یہ لڑائی نومبر ۸۱۳ھ میں دہابیوں سے  
ہوئی تھی۔ اس کے دو ہزار ساتھیوں میں سے چار سو سوار بچے تھے۔ طوسون پاشا پانچ سال تک حجاز  
دہابیوں سے جنگ کرتا رہا۔ اسی دوران میں محمد علی پاشا بھی حجاز پہنچ گیا اور ان باب بیٹوں نے بالآخر  
اپنی زرباشی و حکمت عملی و سازشوں سے ملک حجاز دہابیوں سے واپس لے لیا۔ مدینہ منورہ و یثرب وغیرہ مقامات  
طوسون پاشا کے ہاتھ پر فتح ہوئے تھے۔ ۸۱۵ھ کو جب طوسون پاشا قاہرہ واپس گیا تو اسکے  
آنے کی خوشی میں مصر کو آراستہ کیا گیا۔ اور تمام ملک نے اس سن فاتح کا پر جوش استقبال کیا۔ ۸۱۶ھ  
میں بقیام بندرگاہ رشید جہاں وہ ساحل کی حفاظت کے لیے ایک بڑی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ بیس سال  
کی عمر میں طاعون سے اُس کا انتقال ہوا۔

فرنگی سلاح اس کے اخلاق و فیاضی کے بہت مصروف ہیں۔ دہابیوں کو بھی (بقیہ مضمون برصغیر)

طرف سے خالص سونے کا ایک بڑا شمعدان اور چاندی کے دو شمعدان نذر کیے تھے۔ جن پر یہ عبارت کندہ تھی۔

”العبد المذنب محمد علی والی مصر ۱۲۲۸ھ“

۱۲۴۴ء میں سلطان عبدالحمید خاں نے دو شمعدان بھیجے تھے جن کی بلندی قد آدم تھی۔ یہ خالص سونے کے تھے اور اوپر سے نیچے تک ان میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جن کی چاک سے آنکھیں چندھیائی تھیں۔ ان کی قیمت تخمیناً اکیس لاکھ روپیہ بتائی جاتی ہے۔ یہ دونوں شمعدان حجرہ شریف کی گیلری میں جنوب کی طرف رکھے ہوئے تھے۔ ایک آنحضرتؐ کے فرق مبارک کے محاذی۔ دوسرا پائے مبارک کے قریب ان میں بہت موٹی موٹی ہونٹیاں چلتی تھیں۔ مذاہران کا لکھلا ہوا سوم جو نیچے گر جاتا تھا تبرکاً لے جاتے تھے اور وہ پیٹ کے درو کے لیے نہایت مفید ہوتا تھا۔

حیدرآباد کے وزیر اعظم نواب سرائیہ صاحب مرحوم نے بھی دو طلائی تزیلیں چڑھائی

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۶

اس کا اعتراف تھا کہ ترکوں کی فوج میں صرف یہی ایک بہادر تھا۔ برکھلڈٹا نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اپنے خاندان بھر میں صرف یہی ایک شخص تھا جس کے دل میں شریفانہ خیالات تھے لیکن چالبازیوں میں وہ اپنے باپ اور اپنے بھائی ابراہیم پاشا سے اسی قدر گھٹا ہوا تھا جتنا کہ اخلاق میں بڑھا ہوا تھا۔ فنانی ایک دوسرا سیاح حجاز کہتا ہے: ”کہ مارچ ۱۸۱۸ء میں جب اسکے باپ کے حکم سے ملوک چین چین کر قتل کیے جا رہے تھے۔ بہت سے ملوک خاندانوں نے اپنے تئیں اس کی حفاظت میں دیدیا۔ اور اس نے کسی کو نپاہ دینے سے انکار نہ کیا۔ یہ بڑا مروت والا بیواؤں کا سہارا اور یتیموں کا کفیل تھا“ مونسوں نے اپنی وفات پر ایک چھوٹا سا لڑکا چھوڑا تھا جو ۱۸۴۹ء میں عباس پاشا اول کے نام سے خدیو مصر ہوا۔

۱۸۴۷ء حضرت غفران رکاں نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے زمانہ میں وزیر اعظم تھے۔ ۱۸۴۸ء قعدہ ۱۲۶۴ھ سے جادی الاول ۱۲۶۵ھ تک وزیر رہے۔ ان کا ذاتی علاقہ جو پچیس تیس لاکھ روپیہ کہے اس پر اب ان کے فرزند عالیجناب نواب محسن الدولہ بہادر وزیر افواج آصفیہ قاصد متصرف ہیں۔

تھیں جو حجرہ شریف کی گیلری میں رکھی رہتی تھیں۔  
یورپ کی جنگ عمومی سے قبل گیلری کی چھت چاندی سونے کے جھاڑوں سے  
ڈھکی ہوئی تھی۔ خصوصاً روسے مبارک کے سامنے جنوبی جانب بکثرت درین فانوس  
تھے جن میں سے (۲۱) فانوسوں میں جواہرات برطے تھے اور طلائی زنجیروں میں  
لٹک رہے تھے۔ حجرہ شریف کے کل چراغوں کی تعداد (۱۰۶) بیان کی جاتی ہے۔ پُرانے  
چراغوں کے علاوہ حجرہ شریف میں برقی روشنی بھی تھی۔ جب شریف حسین نے علم بغاوت  
بلند کیا۔ یہ قندیلیں اور فانوس کچھ ترک لے گئے۔ کچھ شریف نے جھپٹ لیے۔ اس کے  
بعد مدنیہ پراہل نجد کا قبضہ ہوا اور بجز برقی چراغوں کے اُن کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ زمانہ کارنگ  
ہل گیا۔ اب یہ نئی روشنی کا زمانہ ہے۔ جس نے پُرانی روشنی کو مدھم کر دیا۔ برقی روشنی  
کے مقابلہ میں چراغ ٹٹٹانے لگے اور قندیلوں کی آنکھیں جھپک گئیں میں نے ۱۳۳۵ھ  
میں دیکھا ایک بڑا برقی گولا جانب جنوب مواجہ شریف کے قریب گیلری میں روشن  
کیا جاتا ہے۔ ایک جانب شمال اور چھوٹے چھوٹے گولے مشرق و مغرب کی طرف روشن  
ہوتے ہیں ان کے علاوہ موم بتیاں بھی روشن کی جاتی ہیں اور بحیثیت مجموعی یہ روشنی  
اور مسجد کی برقی روشنی ملکر حجرہ شریف میں کافی روشنی ہو جاتی ہے۔ جس سے گیلری کی  
ہر چیز صاف نظر آتی ہے پلے

۱۔ شریف حسین پاشا ۱۳۲۳ھ میں شریف مکہ مقرب ہوا۔ ۱۳۳۲ھ میں جبکہ یورپ کی جنگ عظیم  
چھڑی تو ترکوں سے بغاوت کر کے علم آزادی بلند کر کے سلطان محمد لقب اختیار کیا۔ دس بارہ برس  
تک شریف حسین کی بادشاہت رہی۔ حجاز کی تاریخ میں یہ زمانہ انتہائے ظلم و استبداد کا زمانہ تھا کوئی  
ایسی مصیبت نہ تھی جو شریف اور اس کے بیٹے علی نے حاجیوں پر خصوصاً اور اہل حجاز پر عموماً نہ ٹڈی ہو۔  
آخر ۱۳۳۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ملک حجاز جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز  
ثانی ابن سعود امیر نجد کے تصرف میں آ گیا۔

۲۔ ۱۳۳۶ھ میں جو حاجی مدنیہ منورہ سے واپس آئے۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ اب حکومت حجاز نے گیلری کے  
اندھ کی روشنی خلاف شریعت و اسراف سمجھ کر موقوف کر دی۔ البتہ مسجد کی روشنی سے یہ حصہ بھی منور رہتا ہے۔

## (۲۵) مزار اقدس کا غلاف

سب سے پہلے سلسلہ میں ہارون الرشید کی ماں خیزران نے حجرے پر غلاف ڈالا تھا۔  
اس میں حزام یعنی سیج میں ایک خوشنما ٹپی بھی تھی۔

سلسلہ میں حسین ابن ابی الہیجاء نے جو ملک الصالح سلطان مصر کا خسر اور وزیر  
تھا۔ دیباے سفید کا غلاف مصر سے روانہ کیا تھا۔ اس پر زرد و سرخ ریشم کے نقش و نگار تھے  
اس کا حزام سرخ ریشم کا تھا جس پر سورہ یسین کڑھی ہوئی تھی۔ امیر مدنیہ قاسم بن مہنی نے  
حجرے پر اس کے ڈالنے سے انکار کیا۔ کہ جب تک خلیفہ وقت مقتضی لامر اللہ اس کی اجازت  
نہ دے یہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ آخر خلیفہ مذکور کی اجازت کے بعد ڈالا گیا۔ اس کے چن در برس  
بعد خلیفہ المستضیٰ بامر اللہ نے بنفشی رنگ کا اطلس کا غلاف بھیجا جس پر چار یار کے نام  
اور بادشاہ وقت کا نام بنا ہوا تھا یہ غلاف حجرے پر ڈالا گیا اور ابن ابی الہیجاء کا غلاف حضرت  
علی کے مزار پر ڈالنے کے لیے بخت اشرف بھیجا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر لدین اللہ نے  
جس کا زمانہ حکومت ۵۴۵ھ سے ۶۲۲ھ تک تھا سیاہ اطلس کا ایک غلاف روانہ کیا اس کو  
بنفشی غلاف کے اوپر ڈالا۔ جب خلیفہ ناصر لدین اللہ کی ماں حج سے واپس ہوئی تو اس نے  
بھی اسی قسم کا ایک غلاف بھیجا جس کو سابقہ غلاف کے اوپر ڈال دیا گیا۔ ابن نجار جو خلیفہ

۱۔ ہارون الرشید بغداد کے خلفائے عباسیہ میں پانچواں خلیفہ ہے۔ اس کی مدت حکومت سلسلہ سے  
۱۹۲ھ تک ہے۔ ملکہ خیزران نے سلسلہ میں حج کیا تھا۔ مکہ و مدینہ میں اس کے بعض کام یادگار ہیں۔ ہارون الرشید  
کی بیگم ربیدہ کی بھی زبردست یادگار نہر ربیدہ مکہ معظمہ میں اب تک ایک فیض جاریہ ہے۔

۲۔ اس کا زمانہ حکومت سلسلہ سے ۵۵۵ھ تک ہے۔

۳۔ مستضیٰ بامر اللہ ۵۶۶ھ سے ۵۷۵ھ تک خلیفہ رہا۔

۴۔ ابن نجار محب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمود بغدادی شافعی بڑے محدث و مورخ ہیں ان کی تاریخ بغداد  
مشہور ہے ان کی ولادت ۵۷۸ھ میں اور وفات ۶۲۳ھ میں ہوئی۔



ناصر کے ہم عصر ہیں کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں حجرہ شریف پر تہہ بہ تہہ تین خلافت تھیں  
 ۶۸۷ء میں سلطان الصالح اسماعیل بن الناصر محمد بادشاہ مصر نے کسوتہ کعبہ و کسوتہ حجرہ شریف  
 کے لیے رقم بیت المال سے ایک گاؤں خرید کر کے وقف کر دیا۔ کسوتہ کعبہ ہر سال کسی جاتی  
 تھی اور غلات حجرہ چھٹے سال یہ سیاہ دیا کا ہوتا تھا جس پر سفید ریشم سے کتبہ نقش و نگار  
 اور دائرے کڑھے رہتے تھے۔ اور حزام پر سنہری روپوں کا کام بھی ہوا تھا۔

(خلافت: المملوک: ۱۲۵۰ء)

جب ملک مصر و حجاز سلاطین آل عثمان کے قبضے میں آیا تو یہ خدمت ان کے ذمہ  
 ہو گئی اور ہر نئے سلطان کی تخت نشینی کے وقت قسطنطنیہ سے غلات آنے لگا۔ پناخبر  
 سلطان عبد المجید خاں ثانی کا تیار کرایا ہوا غلات ۱۲۶۹ء میں سلطان عبد العزیز خاں کے  
 عہد میں آیا۔ اس کے ساتھ ایک پردی نسخ اطلس کا بھی آیا تھا۔ جس پر آنحضرت اور حضرت  
 ابو بکر و حضرت عمرؓ کے نام کڑھے تھے۔ اور یہ قبروں کے سامنے لٹکایا گیا تھا۔ اس کے بعد  
 سبز اطلس کا غلات جس پر سفید ریشم سے کلمہ و درود و آیات قرآنی و بادشاہ وقت کا نام  
 بنا ہوا ہوتا تھا آنے لگا۔ اس گمنگار نے چودھویں صدی ہجری کے زائرین کے پاس درود  
 کڑھے ہوئے غلات کے ٹکڑے دیکھے ہیں۔ ۱۳۳۵ء میں جب یہ فقیر زیارت سے مشرف  
 ہوا تو اس نے حجرہ شریف پر سبز اطلس کا غلات دیکھا۔ جس میں سفید ریشم سے "إِنَّ اللَّهَ  
 وَمَلَائِكَتَهُ يَكُونُونَ عَلَى النَّبِيِّ" اور اس کے نیچے درود بنا ہوا ہے اور یہی دو چیزیں  
 مسلسل اوپر سے نیچے تک کڑھی ہوئی ہیں۔ نیز بعض جگہ آیت "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ  
 أَلْفِ الْوَحْدَةِ" اور کلمہ پناہ ہوا ہے اور ان کے درمیان بہت سے دائرے ہیں جن پر آنحضرت ص کے

۱۔ سلطان سلیم خاں اول کے زمانے میں ۹۲۳ء میں ملک مصر و حجاز سلاطین ترکی کے قبضے میں آ گئے سلطان  
 سلیم کا عہد حکومت ۹۱۰ء سے ۹۲۶ء تک رہا۔

۲۔ سلطان عبد المجید خاں ثانی کا عہد حکومت ۱۲۵۵ء سے ۱۳۴۴ء تک رہا۔

۳۔ عبد العزیز کا زمانہ سلطنت ۱۲۶۴ء سے ۱۲۹۳ء تک ہے۔ سلطان عبد المجید خاں کی زندگی نے وفات کی  
 تو اس کا بنوایا ہوا غلات اس کے جانشین کے زمانہ میں روانہ کیا گیا۔

اسماء مبارک مرقوم ہیں۔ زمین سے کوئی تین گز کی بلندی پر آدھ گز چوڑی مسخ محل کی ایک پٹی جسے حزام کہتے ہیں۔ حجرے کے چاروں طرف چلی گئی ہے۔ اس پر زردوزی کا کام میں سورہ انا فتحنا کر دھی ہوئی ہے جو دیوار جنوبی سے شروع ہو کر غربی و شمالی دیواروں پر ہوتی ہوئی مشرقی جانب تمام ہوتی ہے۔ آخر میں اس پر بادشاہ وقت سلطان عبد الحمید عالمی کا نام بھی لکھا ہے۔ حجرے کی جنوبی دیوار کے غلاف پر مسخ محل کے چار ٹکڑے ٹکے ہوئے ہیں۔ ان پر زردوزی حروف میں سب ذیل کتبے کڑھے ہیں۔

هنا قبر النبي صلى الله عليه وسلم لا اله الا الله محمد رسول الله

هنا قبر ابی بکر الصديق ساعی الله عنه

هنا قبر عمر فاروق رضى الله عنه

موجودہ غلاف سلطان عبد الحمید عالمی کی تخت نشینی کے وقت ۱۲۹۳ء میں آیا تھا یہ چیمیاں ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ امتداد زمانہ سے اب اس کا سبز رنگ دھوا ہوا ہے اس کے بعد سلطنت ترکی میں انقلابات ہوتے رہے اور جدید غلاف نہیں آیا۔ ۱۳۵۷ء میں خدام حجرہ کے پاس میں نے پرانے غلاف کے ٹکڑے دیکھے تھے۔ بعض اُن میں ایسے تھے جن پر کچھ بھی نہیں کڑھا تھا۔ بعض پر آیہ مذکورہ اور درود بنا ہوا تھا۔ آدھ گز کے ایک ایک ٹکڑے کا دیہ ڈیڑھ سو روپیہ بیان کیا گیا ہے۔ حجرہ شریف کے پرانے غلاف کی خرید و فروخت کے متعلق وہی احکام ہیں جو غلاف کعبہ کے ہیں۔ پرانا غلاف شیخ الحرم کا حق ہوتا ہے۔ وہ اس غلاف کے خاص خاص حصے مثل حزام وغیرہ کے قسطنطنیہ بھیجتا ہے۔ وہاں شہزادوں اور پادشاہوں کے مقبروں پر ڈالے جاتے ہیں معمولی ٹکڑے خدام میں ہی تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ جو حاجیوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ مدینہ والوں نے مجھ سے بیان کیا کہ بازار میں غلاف کے مصنوعی ٹکڑے بھی فروخت ہوتے ہیں اور سبز اطلس پر سفید ریشم سے کلمہ وغیرہ مشین سے کڑھ کر اصلی غلاف بتایا جاتا ہے۔ میں نے مدینہ منورہ کے بازار میں غلاف تلاش کیا مگر نہ اصلی دکھائی دیا نہ نقلی۔ صرف خادموں کے پاس چند ٹکڑوں کی زیارت کی جو اصلی تھے ان کی سبز زمین بہت مدھم ہو گئی تھی۔

## (۲۶) جالی کے اندر کے پردے

اس کا پتہ نہیں لگتا کہ جالی مبارک پر اندر کی جانب جو پردے لٹکے ہوئے ہیں ان کی ابتداء کس زمانے سے ہوئی۔ سید جعفر برزنجی کہتے ہیں کہ سلسلہ میں حجرہ شریف کا جو غلاف قسطنطنیہ سے آیا تھا اس کے ساتھ جالی کے واسطے پردے بھی آئے تھے۔ ان کی بہتر ریشم کی زمین تھی اور اس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ مولوی صبغتہ اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۲۲۵ء میں جو پردے انھوں نے دیکھا تھا وہ ہرے ریشم کا بالکل سادہ تھا۔ ۱۲۲۵ء میں بھی اس فقیر نے جو پردے دیکھے وہ بھی بالکل سادہ تھے ان کا رنگ گہرا کاہی تھا کپڑا شل ریشمی ساٹن کے تھا۔ خدام سے معلوم ہوا کہ پانچ برس قبل یہ لٹکائے گئے تھے۔ انکی کل تعداد اٹھارہ ہے۔ ہوا اور کھولنے لپٹنے کی وجہ سے یہ جلد خراب ہو جاتے ہیں اور پانچ سات برس بعد ان کے بدلنے کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ ان پردوں کی لمبائی جالی کے بالائی حصے سے سطح زمین تک ہے۔ صبح جب مسجد میں جھاڑو ہوتی ہے تو ان کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ حجرہ شریف میں گرد نہ جائے اس کے بعد اٹھا کر ستونوں کے برنجی کندوں سے باندھ دیتے ہیں۔ اس طرح زائروں کو ہر وقت جالی مبارک کے اندر مشاہد کا موقع مل جاتا ہے۔



## (۲۷) جالی کے اندر چھوٹے بچوں کو پہنچانا

مدینے والوں میں دستور تھا کہ چلے کے بعد دو شنبہ و چھ شنبہ کے دن زچائیں اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر اور اچھے کپڑے اور پھول کے ہار پہنا کر حجرہ شریف میں داخلی کے لیے لاتی تھیں بچوں کے پیٹ سے ایک ایک روٹی بندھی رہتی تھی۔ جس خواجہ سرور کی

باری اُس دن روشنی وغیرہ کے لیے جالی مبارک میں داخل ہونے کی ہوتی وہ بچے کو اپنی گود میں لیس کر حجرہ شریف کی گیلری میں داخل ہوتا تھا اور چند منٹ تک بچے کو مواجہہ شریفہ کے قریب حجرے کے غلاف میں رکھ کر اُس کی ماں کے پاس پہنچا دیتا تھا۔ ان بچوں پر حاضری مسجد اور زائرین کا ہجوم ہوتا تھا اور بچوں کے پاس کی روٹی اور پھول تبرکاً لینے کے لیے ان پر گرتے تھے اور ان کو چھوتے چومتے اور پیار کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت ان بچوں کو غسل کراتے تھے اُس وقت سے دوسرے دن صبح تک یہ گم صم ہو جاتے تھے نہ دودھ پیتے تھے اور نہ بول و براز کرتے تھے۔ یہاں والوں کا خیال ہے کہ ان بچوں کے منہ پر آنحضرت م کا دست مبارک پھرتا ہے اس کے اثر سے ان پر یہ حالت بخودی طاری ہ جاتی ہے۔ ایک بد عقیدہ شخص نے مجھ سے کہا کہ بچوں کو کوئی مندرادوا کھلا دی جاتی تھی جس سے وہ انطا غنیل ہو جاتے تھے۔ ۱۳۲۷ء میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل نجد نے اس رسم کی مخالفت کر دی ہے کہ ایسے نام سمجھ بچوں کو جو اپنی حوائج پر قابو نہ رکھتے ہوں حجرہ شریف میں پہنچانا خلاف ادب و احتیاط ہے۔

مفتی

عبد اللہ

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

مفتی

(\*)

## (۲۸) حجرہ شریف کی کنجی اور بچے

جس طرح بیت اللہ کی کنجی کے مشابہ کسی سو برس سے یہ خیال چلا آ رہا ہے کہ جو بچہ گولنگا۔ ہنگلا۔ یا کم سخن ہو اُس کے منہ میں کلیب رکھ دینے سے فصیح و بلیغ ہو جاتا ہے۔ اسی قسم کا خیال حجرہ مزار اقدس کی کنجی کی نسبت بھی ہے اور خوش عقیدہ لوگ تیرگا یہ کنجی بچوں کے منہ میں دیتے ہیں۔ لوگوں کا تجربہ ہے کہ اس کی برکت سے بہت سے پڑبہ دہن بچے فصاحت کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ اس معجزے سے انکار کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ منکرین معجزہ غور کریں کہ قوت ارادی و خیالی کے دنیا میں کیا کیا کر شے ہو رہے ہیں۔ میرا چھوٹا لڑکا جس دن گیارہ برس کی عمر تک تملاتا تھا بہت سی تدبیریں کی گئیں مگر یہ عیب کسی طرح رفع نہ ہوا



آخر اس نے ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھے اور یہ امید کی کہ شاید اس کی برکت سے تو تلامذہ دور ہو جائے۔ خدا کی قدرت کہ دس پانچ روزوں کے بعد اس کا یہ نقص جاتا رہا۔

(❖)

## (۳۹) مزار اقدس کا غسل

حجرہ شریف کی دیواروں اور گیلری کو سال میں تین بار دھوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ ۹ ربیع الاول کو۔ دوسری بار یکم رجب کو پھر ۸ اذہقہ کو۔ اگر آندھی وغیرہ کی وجہ سے ضرورت ہو جائے تو ان تاریخوں کے علاوہ بھی غسل دیتے ہیں۔ غسل کے وقت حجرہ شریف کے گرد بڑا مجمع ہوتا ہے اور غسل کا پانی لوگ شیشوں میں بھر بھر کر تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔

(❖)

## (۴۰) حجرے کی دیواروں کا عطرا ملنا

حجرہ شریف کی دیواروں پر عطرا ملنے کی رسم بہت قدیم ہے۔ سب سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید کی ماں خیزران نے جو شامہ میں زیارت کے لیے مدینہ منورہ گئی تھی اپنی ایک کینز مونسہ نامی۔ سے حجرے کی دیواروں پر عطرا ملوایا تھا۔ سید سمہودی کے زمانہ (نویں صدی) میں یہ طریقہ موقوف ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دسویں صدی ہجری میں سلاطین عثمانیہ نے پھر جاری کیا۔ اور محل شامی کے ساتھ جہاں دوسری بہت سی چیزیں مدینہ منورہ بھیجی جاتی تھیں۔ عطرا و عود وغیرہ بھی آتا تھا۔ بعض زائرین بھی اپنے گھروں سے عطرا لے کر چلتے ہیں۔ اور حجرے کی دیواروں پر ملنے کے لیے خادموں کی تذر کرتے ہیں اہل نجد نے بھی اس طریقہ کو

برقرار رکھا۔ پھر شام گئے ہیں اس فیض نے دیکھا کہ شام کے وقت گیلری کا فرش عرق لگا رہا ہے۔ خدام کو کشتی کرنے کے حجرے کی دیواروں میں عطر ملنے اور عود بتیاں لٹکانے کے لیے گیلری کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہاں کی سطر و مضمر ہوا اور اش پر ایک خاص کیفیت و سرور پیدا کرتی ہے اور عود و صندل کی مہک اور عطر کی لپٹیں اور ہر کسی اور ہی عالم میں پہنچا دیتی ہیں۔ خوش عقیدہ شخص کی زبان سے سب سے اچھا اثر نکل جاتا ہے۔

کیوں عطر میں ڈوبی ہوئی آتی ہیں ہوائیں  
طیبہ ہی کی سرحد میں مگر خلد بریں ہے  
جس وقت خدام اپنے فرائض انجام دے کر حجرہ شریف سے باہر نکلتے ہیں تو عاشقان رسول مصافحہ کرنے کے لیے دیوانہ وار اُن کی طرف چھپاتے ہیں۔ دس بارہ سال قبل میں نے زایروں کی شان میں یہ شعر کہا تھا۔ خدام حجرہ شریف کے درارج و مراتب کا اس پر قیاس نہرایلیجئے۔

کس زمیں کی خاک عطر افشاں سے گزرے حاجو  
مجھ کو تم سے آتی ہے جنت کے پھولوں کی ہوا

(\*)

## (۲۱) مزار اقدس کے خدام و اغوات

حجرہ شریف کی نگرانی۔ جاروب کشی۔ رکشہ و صفائی اور انتظام کے لیے دو قسم کے ملازم مامور ہیں۔ ایک تو معمولی اہل مدینہ یا مہاجر دوسرے خواجہ سرا یعنی خواجے جن کو اغوا سمجھتے ہیں۔ عہد مصری و بابلی سے اس وقت تک خواجوں کا دستور چلا آرہا ہے۔ یونانی مورخ ہیرودوٹس ان کا موجد ایرانی بادشاہوں کو بتاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے محلات کے ساتھ ساتھ خواجہ سراؤں کا نام بھی چلا آتا ہے۔ لفظ خواجہ بگڑ کر خواجہ ہو گیا ہے (بقیہ مضمون بر ص ۱۳۶)

تعلیم ان کو آغا (آقا) کہتے ہیں۔ آغا کی جمع اغوات ہے۔ علامہ ابن سلیمان اپنی کتاب

(بقیہ ماسشیہ صفحہ ۱۳۵)

روم کے عیسائی بادشاہوں میں بھی خوب سے بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ ایشیا، یورپ دونوں جگہ ان کو سلطنت میں بعض اوقات بڑے بڑے عہدے ملتے رہے ہیں۔ علامہ ابن سلیمان علانی کا یہ سال ملک کا فوراً فتح دکن دنیا میں مشہور ہے۔ اسی طرح شہنشاہ روم بسطین کا کائنات مارشبرگ میں خاص شہرت رکھتا ہے۔

خوب سے بنانے کا طریقہ زمانہ جاہلیت کی وحشیانہ رسوم کی یادگار ہے اور غالباً یہ اس طریقہ والوں کی ایجاد ہے۔ وہاں سے ایشیا ہوتا ہوا یورپ پہنچا۔ اٹلی۔ یونان و انگلستان فرانس میں خوب سے بنانے والوں کا کام دیتے تھے اور عموماً اسی غرض سے ان کو خوب بنایا جاتا تھا۔ محض آواز باریک ہو جانے کے خیال سے اٹلی میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک باوجود پاپائے روم کی مخالفت اور قانونی روک تھام کے چار ہزار لڑکے سالانہ گانے کے لیے خوب سے بنائے جاتے تھے جب پوپ سیزدہم ۱۸۷۸ء میں سند نشین ہوا تو اس نے قطعی احکام جاری کیے اور اس وقت سے یہ طریقہ موقوف ہوا۔ قبل بلوغ خوب بنادینے سے رجولیت ختم ہو جاتی ہے اور اکثر بابتوں میں زنانہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاڑھی منہ نہیں نکلتی ہی نہیں اور اگر نکلتی بھی ہے تو بہت کم۔ بعد بلوغ اگر کسی کو خوب کیا جائے تو اس کی آواز بتدریج گھٹتی ہے۔ اور رجولیت ضایع ہونے میں کچھ عرصہ لگتا ہے۔ چونکہ اس عمل سے اکثر لڑکے مر جاتے ہیں۔ اس وجہ سے معمولی غلاموں سے خوب سے غلام کی قیمت بھی چوگنی ہوتی ہے۔ عموماً شمالی و مشرقی افریقہ میں۔ غلاموں کو خوب بنایا جاتا تھا۔ وہاں سے دور دراز مقامات پر ان کو بھیجتے تھے۔ بعض لوگ پرہیزگاری کے خیال سے بھی خوب سے بن جاتے تھے۔ تیسری صدی عیسوی میں یورپ میں اس خیال کے لوگ بہت تھے روس میں اب بھی ایک بہت بڑا مندر موجود ہے۔ جو پٹری نامی کسی درویش کی تقلید میں خوب سے بننا ہے۔

۱۔ چونکہ ان لوگوں کا مردوں میں شمار نہیں ہے۔ اس لیے مونث جمع بنا دی گئی۔

ذخرا النافع میں لکھتے ہیں کہ حجرہ شریف کے تقدس کے خیال سے سب سے پہلے سلطان نور الدین محمود شہید بادشاہ شام و مصر نے یہاں جو جے مامور کرنے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں اس کے وزراء نے بھی مدد کی۔ اور بارہ خوبے جو حافظ قرآن و عابد و زاہد تھے بہت سے منورہ روانہ کیے۔ ان کے انتخاب کے وقت یہ امر بھی ملحوظ رکھا کہ وہ اہل حبش سے ہوں۔ رومی۔

اس کے بعد سلطان صلاح الدین بن ایوب فاتح بیت المقدس نے بارہ خوبے اور بھیجے بعض لکھتے ہیں کہ اولاً سلطان صلاح الدین نے ہی چوبیس خوبے روانہ کیے تھے اور ان کی تختیاہوں کے مصارف کے واسطے مصر حید میں دیا گئے تھے۔ ان خوبوں کا سردار بدر الدین الاسدی و قبائل ادرقیہ سندیس کی ایک تہائی آمدنی وقف کر دی تھی۔ ان خوبوں کا سرور بدر الدین الاسدی تھا جب ملک الصالح کا زمانہ آیا تو اس نے قریہ سندیس کی باقی دو تہاں آمدنی بھی ان کے اخراجات کے لیے وقف کر دی۔ اس کے بعد سلاطین مغرب و شام ان سوڈان نے خوبے روانہ کیے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک سو ہو گئی اور ملازمین وغیرہ ملا کر دوسو ہو گئے اور رفتہ رفتہ وہ قیود جو شہ مردع میں عملید کیے گئے تھے سب اٹھ گئے اور بڑی تعداد یہاں کے اغوات میں ہندیلوں کی ہو گئی۔

(تزیینہ الناظرین ص ۹۰ و مراۃ المحرین جلد اول ص ۱۰۰)

حجرہ شریف کے خوبے ملازمین کی تین قسمیں ہیں۔ اول بواب جن کا کام محض نگرانی یا یاد دہانی ہے۔ دوسرے خزیہ جو مسجد بنوی کے اندرونی حوال اور حجرہ شریف کی جاوہب کشی

۱۔ اس بادشاہ کا محل تذکرہ قبل ازیں ذکر خندق الرصاص میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

۲۔ تکروری افریقہ کہے باشندے اور حبشیوں ہی کی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ان سے زیادہ وحشی اور نیم برہنہ۔ حجاز میں یہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں اور بڑے غریب ہوتے ہیں۔ ان کے مو بھی ایک تہمت باندھتے ہیں اور عورتیں بھی صرف ایک تہمت سپینہ کے اوپر باندھتی ہیں۔ عورتوں کے سر پر بال بھی نہیں ہوتے اس لیے سرسری نظر میں عورت مرد میں شکل سے تمیز ہوتی ہے۔

۳۔ مغرب سے مراد اسپین ہے۔



کرتے ہیں۔ تیسرے بٹالین جن کے ذمے فراشی۔ صفائی اور ہر قسم کے معمولی ادنیٰ کام ہیں۔ ان تینوں گروہوں میں ہر گروہ کا ایک ایک شیخ علیحدہ ہے جس کو مستلم یعنی داروغہ کہتے ہیں۔ خوبے چونکہ عالم انسانیت سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا جسم بھی غیر فطرتی ہو جاتا ہے۔ یہ عموماً حبشی ہوتے ہیں۔ ڈاڑھی مونچھیں ان کے منگھلی نہیں۔ خوبے ہو جانے سے ان کی شکل و شمائل بہت ہی مہیب ہو جاتی ہے۔ ان کے کالے جھریوں دار نیچے کی طرف کھچے ہوئے چہرے۔ موٹے ہونٹ۔ سفید دانت۔ لمبے قد۔ مردوں کا سا ڈھانچہ بدن۔ پتلے دبلے سوکھے ہاتھ پاؤں اغوات کی کھلی ہوئی علامتیں ہیں۔ ان کی آواز مردانہ تو رہتی ہی نہیں مگر عورتوں کی سی بھی نہیں ہوتی۔ ان کا مزاج تلخ اور لہجہ درشت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اپنے منزل جسموں کو چھپانے کے لیے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں۔ مگر ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کپڑوں کے اندر ہڈیوں کا ہار ہے۔ ان کا لباس بھی خاص قسم کا ہوتا ہے۔ یہ سر سے پاؤں تک سفید رہتے ہیں۔ ان کی قبائیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ دو خوبے ان میں چھپ سکیں۔ اسٹین ہاتھ بھر چوڑی ہوتی ہیں۔ اور اتنی بڑی کہ چھوڑیں تو انگلیوں سے آدھ گز نیچے لٹکنے لگیں۔ سر پر ہندوستان کے فوجیوں کے سے فٹ فٹ بھراونچے سفید عامے باندھتے ہیں۔ کمر سے پٹکے لپیٹے ہیں جن کے نیچے نیچے دوڑوں پلو لٹکتے رہتے ہیں۔ ہاتھوں میں لمبی لمبی لکڑیاں رکھتے ہیں۔

اغوات اپنی خدمت کی وجہ سے مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ عوام دعا جی ان کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اور بادشاہ و شہزادے تک ان کے ہاتھ چومتے ہیں۔ برکھارٹ جو ۱۲۱۲ء میں مدینہ گیا تھا۔ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ باب عالی سے جس طرح جدے کا والی بطور سزا کے بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بڑے خواجہ سرا کو بھی سزا دینے کے لیے جلا وطن کر کے مدینہ بھیج دیتے ہیں۔ اس کے زمانہ کا شیخ الاغوات ایک بڑے مرتبہ کا شخص تھا جو ہر مائیس کے درجے تک پہنچا تھا۔ یہ لوگ نہایت آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں ان کے مکانوں میں فرنیچر و ساد و سالان امیرانہ ہوتا ہے۔ جو ان اغوات زر خرید لوٹدیوں سے شادی بھی کرتے ہیں۔ مسجد نبوی م کے جانب مشرق محلہ حارۃ الاغوات میں

ان کے مکانات ہیں مسجد نبویؐ میں جانب شمال ان کے اُٹھنے بیٹھنے کے لیے ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جسے دکنۃ الاغوات کہتے ہیں۔ سالانہ وغیرہ رکھنے کو ایک حجرہ بھی ان کے لیے مخصوص ہے۔ اغوات میں قوت انتظامی بہت ہوتی ہے۔ ان کی بے مردتی و قساوت قلبی بھی ان کے خاص جوہر ہیں۔ بہادری کے اوصاف بھی ان میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ ضرورت کے وقت ہتیار خوب چلاتے ہیں۔ بعض اوقات ان میں اور اہل مدینہ میں لڑائی جھگڑے ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ ٹپا کے ہاتھ جھاڑنے اور سیف کے ہاتھ نکالنے میں جواں مردوں سے کبھی کم نہیں رہے۔

حجرۂ شریف کے اغوات کی تعداد مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہے۔ فوجی فراری کی وجہ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی بھرتی بھی ہو جاتی ہے۔ ۱۲۳۲ھ میں برکھارٹ نے ان کی تعداد چالیس پچاس لکھی ہے۔ ۱۲۶۹ھ میں جبکہ مشہور فرنگی سیاح برٹن نے مدینہ کا سفر کیا تھا۔ اس وقت (۱۲۰) تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں صاحب مرآۃ البحرین نے ان کی تعداد (۵۷) بتائی ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں جب یہ گنہگار مدینہ گیا تھا تو معلوم ہوا کہ گزشتہ پندرہ سولہ برس میں ان کی تعداد امراض و قحط و جنگ کی وجہ سے بہت گھٹ گئی۔ اور اب صرف (۲۸) اغوات رہ گئے ہیں۔ عرصہ دراز سے کوئی نیا آغا آیا بھی نہیں۔ موجودہ میں (۲۷) حبشی ہیں ایک بخاری ہے اس کا نام حسن آغا ہے۔ اس کو بخارا کے کسی امیر نے حجرۂ شریف کی خدمت کے لیے بھیجا تھا بمقابلہ دوسرے اغوات کے اس کی شکل و شمائل اتنی بھونڈی نہیں ہے اس کے چہرے پر کچھ گوشت بھی ہے اور اس کا بدن بھی نرمی ڈلیوں کی مالا نہیں ہے۔ اس کی عمر کوئی پچاس سال ہے حبشی اغوات میں سب سے زیادہ بدصاحب و اللطیف آغا ہے۔ اس کو سلطان عبد الحمید خاں نے بھیجا تھا مصورت و شکل میں یہ اغوات کا خالص نمونہ ہے۔

شہر عاں لوگوں کو حجرۂ شریف یا مسجد نبویؐ یا بیت اللہ کی خدمت کے لیے متعین کرنا بدعت ہے۔ مگر انتظاماً ان مقامات پر ان کی تعیناتی مناسب سمجھی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ بہت سی کمزوریاں سے یہ متبراہوتے ہیں۔ عورتیں جو زیارت کے لیے آتی ہیں۔ ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو ایک جگہ سے اٹھانے اور کہیں دوسری جگہ ٹھکانے میں ان کو

چھو بھی سکتے ہیں اور یہ کام اسے ہیں جو دوسرے مرد ملازم نہیں کر سکتے۔  
 ترکوں کے زمانے میں معمولی اغوات کی تنخواہ بیس کمپیس روپیہ ماہوار سے لگا کر چالیس  
 پچاس تک اور ان کے شیوخ کی تنخواہیں پچاس ساٹھ سے سو روپیہ تک تھیں شیخ احمد  
 یعنی ان سب کا صدر چار سو روپیہ ماہوار پاتا تھا۔ اس زمانے میں ملک کی آمدنی کے لحاظ سے  
 ان کی تنخواہوں میں کمی کر دی گئی ہے۔ قرضوں کے حساب سے ان کو ملتا ہے جس معمولی  
 خوجوں کی، بیس کمپیس روپیہ ماہوار ہے۔ اغوات کے شیوخ تھینا تیس تیس روپیہ پاتے  
 ہیں اور شیخ احمد آغا محمد سرور کی تنخواہ کوئی دھالی سو روپیہ ہوتی ہے۔

پیشتر اغوات کو اسلامی ممالک سے نذرانے اور تحفے تحائف بھی بہت آتے رہتے تھے  
 اور حاجی و زائر بھی ان کو کچھ نہ کچھ نذر کرتے رہتے تھے۔ اب مسلمان کے لیڈروں اور بعض  
 حالموں کی مہربانی سے اس زمانے میں حج و زیارت ہی حرام ہے ان کو کون بھیجے۔ جو لوگ  
 زیارت کو جاتے ہیں ان سے جو کچھ بن پڑتا ہے ان کو بھی دیدیتے ہیں۔ میں نے بعض  
 اغوات سے باتیں کیں ان کی گفتگو کا حاصل یہ تھا۔

من از سگالنگاں ہم گرگز نالم  
 کہ باسن انچہ کرداں آشنا کرد

یہ لوگ وہابیوں کے اتنے شاکی نہیں ہیں جتنے ہمارے مولویوں اور ہندوستان کے  
 مسلمانوں کے۔

۱۵  
 پانچویں دن بات بے وزن سرور کی



## (۳۲) حضرت شفیع المذنبین کی خدمت میں ایک گنہگار کی حاضر

۳۲ء میں جب اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار کو حج و زیارت کی توفیق عطا کی۔ تو  
 غلبہ شوق و جوش سرت سے بے اختیار یہ شعر زبان پر آ گیا۔

بخت بیدار دینے لیے جاتا ہے مجھے  
ہر طرف کعبہ ہی کعبہ نظر آتا ہے مجھے

اسی دھن میں مکہ معظمہ پہنچا۔ مگر بحری سفر کی ناموافقت سے بیماری میرے ساتھ تھی۔ اور ناتوانی میرے ہمراہ۔ حج کے بعد ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ کو سب سے پہلی سوتر جو مکہ سے مینے روانہ ہوئی۔ اُس میں اس فقیر کو بھی جگہ مل گئی تھی۔ اُس وقت بھی ضعف میرا رفیق اور شوق میرا رہنما تھا۔ جب ہماری موٹر مدینے کے کوہ و صحرا میں سپاٹے بھرتی چلی جا رہی تھی میں یہ اشعار لکھنا رہا تھا اور ان کا ہر لفظ میرے لیے حدیٰ خوانی کا کام کر رہا تھا۔

۱۔ آخر میں یہ ایک غزل ہو گئی جس کے دو شعر یہ ہیں:-

خاکِ مہرائے عرب ہے مری قومی تاریخ      ذرہ ذرہ بیاں اخبار سنا ہے مجھے  
رہ نور دانِ مجازی کی یہ سمیٹ دیکھو      بحرِ خار بھی قطرہ نظر آتا ہے مجھے

۲۔ جاتے وقت سمندر کی آب دہوا مجھے بہت ناموافقت آئی تھی جس سے ایک بدترین قسم کا غصہ انہیں ہو گیا تھا اس کے ساتھ اختلاجِ قلب و ضعفِ دماغ وغیرہ مختلف مارضہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے جب میں مکہ معظمہ پہنچا ہوں تو بہت بیمار اور نہایت کمزور تھا۔ مگر احتاجِ پروین سرمدی محمد الیاس صاحب برنی قادری اُپشتی کی دعا و دعا کی برکت۔ حاجی حکیم بشیر احمد صاحب طبیب قانا، حیدر آباد کی توجہ اور حاجی عبدالقادر صاحب محاسب تھکڑا ایش بلوہ حیدر آباد کی زبردست ہمدردی سے اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت و سکون قلب بخشا۔ تمام مناسک حج و عمرات زیارت میں نے ادا کیے جن سے ملنے کا تھا ملا اور جو کچھ دیکھنے کا تھا دیکھا۔ الحمد للہ الحمد للہ۔

۳۔ حدیٰ آن گیتوں کو کہتے ہیں جو ساربان اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے گاتے ہیں ان کے اثر سے اونٹوں پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور پھر نہ ان کو مکان معلوم ہوتی ہے اور نہ بلوہ۔ جھوم جھوم کر منزل طے کرنے لگتے ہیں اور ست قدم میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے عینی کا یہ شعر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

لوا تلخ تری زن چو ذوقِ نغمہ کمیابی  
حدیٰ را تیز تری خواں چو گلِ اگرالِ بینی



اب مدینے حاجیوں کا ررواں آنی کو ہے      یا محمد اک ہجوم عاشقاں آنے کو ہے  
 تو نے وہ سنجشی ہے قوت ادھولے شیریں      چو کڑی بھرتا ہوا ہر نالوں آنے کو ہے  
 کھینچ مشتا قول کو اپنے لے مبارک سریں      قافلہ پر دسیو نکامیہاں آنے کو ہے  
 سفر حج سے اکیس برس قبل جو خواب میں نے دیکھا تھا اس کی تعمیر اب پوری ہوئی  
 جب وہ شعر میں نے کہے تھے اُس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ چو کڑی بھرتے والا تاوان حاجی  
 میں ہی ہوں گا۔ اور میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی تصدیق اُس وقت ہوگی جب  
 حجاز میں موٹیں چلنے لگیں گی۔ جل جلالہ میں سمجھتا تھا کہ مدینے پہنچ کر میں اپنی کیفیت دلی و ارادت  
 قلبی کو نظم کر سکوں گا اور وہاں میرا حال کچھ حال کی صورت اختیار کر لے گا۔ مگر میں اُس  
 انصاف العرب کے دربار میں بالکل عجم (گوٹھا) بن گیا۔ سوائے ان دو شعروں کے جو حوالی  
 مدینے میں ہو گئے تھے ایک لفظ نہ کہہ سکا۔

در اقدس یہم لے شاہ اُمم پہنچے ہیں      اللہ اللہ کہاں اپنے قدم پہنچے ہیں  
 تشنگی اب تو ہماری بھی بھجانی ہوگی      تیرے ساحل یہم لے بزم کرم پہنچے ہیں  
 اب یہ گنہگار حضرت شفیع المذنبین کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔  
 سلاموں کا تحفہ دل میں۔ کتاب زیارت ساتھ۔ ایک خطا دار حرم اقدس کی طرف چلا  
 جا رہا ہے۔ باب جبریل میں قدم رکھا اب پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ جوں توں مسجد کے مشرق  
 رویہ والاں سے گزرتا ہوا حجرہ شریف کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف حضور سرور عالم کی  
 پائنٹی ہے۔ عقل کہتی ہے۔

بے ادب پاسنہ اینجا کہ عجب درگاہت

شوق کہہ رہا ہے

ز عشق تابہ صوری ہزار فرنگ است

آخر ایک بزرگ مملوک نے اس سیہ کار کو باب التوبہ پر پہنچا دیا۔ اب مواجہہ شریف  
 سامنے ہے۔ ایک نالائق غلام اپنے آقا کے حضور میں سر جھکائے کھڑا ہے۔ اب اس  
 کے ہوش بجا نہیں رہے۔ اس کی زبان میں تشنج اورد ہاتھوں میں رعشہ ہے۔ اس کو ذاب

سلام یا در ہانہ صلوٰۃ۔ اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنکھیں مینہ برسا رہی ہیں۔ اس کا منہ زور سلطان دو جہاں کی خدمت میں سلام عرض کر رہا ہے اور یہ بچکیاں لے لیکر اس کا ساتھ دے رہا ہے۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ السَّيِّدُ الْكَرِيمُ وَالرَّسُولُ الْعَظِيمُ وَالْحَبِيبُ الرَّؤُوفُ الرَّحِيمُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيعَ الْمَذْنُبِينَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ أَرْسَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ۔ يَاطَّة۔ يَا لَيْلِينَ۔ يَا مُقَلَّدَ جَيْشِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَهَإِنَّا يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ قَدْ جِئْنَاكَ هَامِرًا بِأَمْنٍ ذُنُوبِي وَمَنْ عَلَيَّ وَمُسْتَشْفَعًا وَمُسْتَجِيرًا بِكَ إِلَيَّ رَبِّي۔ فَاشْفَعْ لِي يَا شَفِيعَ الْأُمَّةِ۔ اشْفَعْ لِي يَا كَاشِفَ الْغَمَّةِ يَا سَرَّاجَ الظُّلُمَةِ۔ اجْرِنِي مِنَ النَّاسِ۔ يَا بَنِي الرَّحْمَةِ۔ يَا رَسُولَ اللَّهِ آتَيْنَاكَ مِنْ أَثَرِينَ وَقَدْ نَاكَ رَاغِبِينَ۔ وَعَلَى بَابِكَ الْعَالِيِّ وَاقِفِينَ وَبِحَقِّكَ عَامِرِينَ فَلَا تَرُدُّنَا خَائِبِينَ وَلَا عَنْ بَابِ شَفَاعَتِكَ هَمْرًا وَمِنْ أَشْجَلِ أَمْرِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ بَلَغَتْ الرِّسَالَةَ وَآخِرَتِ الْأَمَانَةُ وَنُصَحَتِ الْأُمَّةُ وَكُشِفَتِ الْغَمَّةُ وَجُلِيَّتِ الظُّلُمَةُ وَجَاهَلَتِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ دَعْبُدَّتْ سِرَابُكَ حَتَّى أَمَّاكَ الْيَقِينُ۔ جَزَاكَ اللَّهُ تَعَالَى عَنَّا وَعَنْ وَالدِّينَا وَعَنْ الْإِسْلَامِ خَيْرِ الْخِزَاءِ۔ وَنَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ۔ إِنَّ تَشْفَعُ لَنَا عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْعَرْضِ۔ يَوْمَ الْفَرَسِ الْأَكْبَرِ۔ يَوْمَ يُنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ۔ اشْفَعْ لَنَا وَلِوَالِدِنَا وَلِحَبِيرِنَا وَلِمَنْ أَحْسَنَ الْإِنْسَانُ وَلِمَنْ أَوْصَانَا وَقَدْ نَاكَ بَدْعَاءُ الْخَيْرِ وَالْزُّلُمَةِ۔ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سُلْطَانَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

ترجمہ۔ اے نبی۔ اے مہربان سرور۔ اے عظیم الشان پیغمبر۔ اے خدا کے حبیب۔ اے است پر شفقت و رحمت کرنے والے آپ پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اے عربی کی مقنی عبارت اور اس کی تاثیر اردو میں نہیں آسکتی پھر بھی یہ ترجمہ دلوں کو بچھلا دینے کیلئے کافی ہے۔

ہمارے آقا۔ اے ہمارے مولا آپ پر سلام۔ اے گنہگاروں کی خدا سے شفاعت کرنے والے  
 آپ کی ذات اہل عالم کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ آپ پر سلام۔ اے محمد بن عبد اللہ بن  
 عبد المطلب ابن ہاشم اے طاہر۔ اے یسین۔ اے فوج انبیاء کے سر لشکر۔ آپ پر رحمت  
 و سلام۔

اے میرے سرکار اب مجھ پر نظر عنایت ہو جائے۔ میں نے اپنے گناہوں اور بد اعمالیوں  
 سے بھاگ کر آپ کے در پر پناہ لی ہے۔ اب آپ کی مدد و درکار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 سے آپ میری شفاعت فرمائیں گے۔ اے شافع امت اے مالوسی کو دور کرنے والے اب  
 میری سفارش کیجیے۔ اے اندھیرے کے چراغ۔ اے بنی رحمت۔ مجھے آتش دوزخ سے  
 بچا دیجیے۔ یا رسول اللہ ہم آپ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ ہمارا اشتیاق ہیں یہاں تک  
 پہنچ کر لایا ہے۔ آپ کے آستانہ پر ہم مقیم ہیں آپ کے مرتبہ کو ہم پہنچا سکتے ہیں۔ ہم کو ناکام  
 واپس نہ کیجیے۔ اپنے دروازے سے ہمیں خالی نہ پھیریے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے  
 خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ آپ نے اپنی امانت ادا کر دی۔ آپ نے امت کو نصیحت  
 فرمائی۔ جہالت کی گھٹا کو دور کیا۔ اندھیرے کو اجالا بنا دیا۔ اللہ کی راہ میں آپ نے وہ کوشش  
 کی جو کوشش کا حق تھا اور آفر دم تک آپ عبادت الہی میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو  
 ہماری طرف سے۔ ہمارے والدین کی طرف سے اور دین اسلام کی طرف سے جزا دے  
 تیسرے۔

جس دن نامہ اعمال پیش ہوں اور جب مال کام آئیگا اور اولاد اور جو بڑا خوشحال  
 دن ہوگا اس روز آپ ہماری۔ ہمارے والدین کی ہمارے محبتوں کی۔ ہمارے پیروسیوں کی  
 اور جنہوں نے ہم سے آپ کی خدمت میں سلام پہنچا دینے کی خواہش کی ہے۔ ان سب  
 کی شفاعت فرمائیے گا۔ اے نبیوں کے سر تاج آپ پر درود و سلام۔ آپ پر خدا کی رحمت  
 و برکت۔

میرا پہلا دن بخود دیوی ہوئی میں گورا۔ دوسرے روز مجھے ہوش آیا۔ اور اب میں  
 سمجھا کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں اب مجھے کسی مزدور و رہنما کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت

ردت و رحیم کی شفقت نے مجھے گستاخ بنا دیا تھا۔ روزانہ دس بارہ گھنٹے خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ہر طرف اہلا گھلا پھرتا تھا۔ مزار اقدس کے قریب جہاں چاہتا تھا بیٹھ جاتا تھا۔ پہرے تک تجلیات ربانی و انوار الہی کا مشاہد کیا کرتا تھا اور عربی فارسی اردو جس زبان میں چاہتا تھا سلام عرض کرتا تھا۔ میں نے کوئی سپردہ برس قبل منت مانی تھی کہ اگر اُس آستانہ میری رسائی ہوگی تو یہ سلام پڑھوں گا۔ الحمد للہ میں وہاں پہنچا اور میں نے عرض کیا۔

یا حبیب خدا سلام علیک	یا شفیع الوری سلام علیک
رہبر و رہنما سلام علیک	مرشد و پیشوا سلام علیک
وعلیک السلام یا ہادی	یا امام الہدی سلام علیک
زیدہ کائنات صلی علی	فخر ارض و سما سلام علیک
مرحبا یا مدثر و طاہر	احمد محبت سلام علیک
سید المرسلین تعالی اللہ	خاتم الانبیا سلام علیک
قاطع کفر و شرک صلی اللہ	غیر رشت و غا سلام علیک
جدا شاہ سند الفقر	خرقہ پوش رضا سلام علیک
معدن خلق و منبع رحمت	بحر حلم و رحیم سلام علیک
قبلہ دین و کعبہ ایمان	مرجع اصفیا سلام علیک
افتخار زمین در دو سلام	نور عرش العلی سلام علیک
التمیسات یا رسول اللہ	یاشہ و دوسرا سلام علیک
مصدر روحی و مہبط جبریل	مرکز حق تمنا سلام علیک
بارک اللہ شانغ محشر	صدر روز جزا سلام علیک

دست بستہ بعد ادب بشیر  
کہہ رہا ہے شہا سلام علیک

ایک دن میں نے عالم شوریگی میں غسزل پڑھی۔ میری حالت غیر تھی۔  
اور سننے والوں پر بھی خاص اثر تھا۔



الہی یہ میرے سامنے ہے در رسالت مآب کیا  
 میں جاگتا ہوں کہ سو رہا ہوں یہ دیکھتا ہوں میں خواب کیا  
 کہاں یہ شبیر میرے معاصی کہاں جناب رسول ہر مکی  
 ہوئی ہے کایا پلٹ یہ کیسی ہوا ہے یہ انقلاب کیا  
 جو میں ہوں محو ملوث کعبہ تو دل ہے مصروف سیر طیبہ  
 یہ دو دو ہاتھوں سے لوٹتا ہوں جناب عالی ثواب کیا  
 حضور میرے امام میرے جناب خیر الانام میرے  
 بنادو اب سارے کام میرے غلام پر ہے عتاب کیا  
 ہزار تم سے جدا پڑا ہوں اسیر حرص و ہوا پڑا ہوں  
 مگر جو در پر اب آ پڑا ہوں تو مجھ پہ شاہ عذاب کیا  
 اگرچہ کی ہیں بہت خطائیں بجا ہے جھگڑیں جو ہم سزائیں  
 مگر جو سرکار بخشائیں تو عیب کیا صواب کیا  
 متاع عصیاں کو ہم نے بیچا تمھاری رحمت نے ہے خرید  
 ہوا ہے سب لین دین پورا ہمارے ذمے حساب کیا  
 تمھارا جب نام لے کے شاہ لکھیں گے جنت میں بے تماش  
 تو منہ تکیں گے ملک ہمارا سوال کس کا جواب کیا  
 ایک مرتبہ جالی مبارک سے منہ لگا کر میں اپنی ایک نظم کے دو شعر پڑھ رہا تھا  
 اور اس کے الفاظ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کو ایک خاص لہجے میں بار بار دہرا کر فقیروں  
 کی طرح ضربیں لگا رہا تھا۔ ایک دوہالی سپاہی میرے قریب آکر سننے لگا۔ جب میں نے  
 اسے سمجھایا کہ میں حضرت کی خدمت میں کیا عرض کر رہا ہوں تو وہ بھی جھومنے لگا اور  
 میرے ساتھ ساتھ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنے لگا وہ اشعار یہ تھے۔  
 سرور عالم احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم  
 ختم رسالت اکبر و اکمل صلی اللہ علیہ وسلم

ہاتھ میں اُن کے دوزخ و جنت سر پر اُن کے تاج شفاعت  
 پھر اس پر اوڑھیں کالاکل صلی اللہ علیہ وسلم  
 مدت ہوئی میں نے ایک غزل لکھی تھی جس کا مقطع مجھے ہمیشہ کھٹکتا تھا۔ میں جذبات  
 مذہبی کے انہار میں مبالغہ جائز سمجھتا ہوں لیکن اپنے ہی متعلق تعلق اچھی نہیں معلوم ہوتی  
 تھی۔ عالم تصور میں ایک بڑی بات منہ سے نکل گئی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ جب میں  
 اُس دربار میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ میرا دعویٰ بالکل بے دلیل نہ تھا۔ وہ غزل یہ تھی۔  
 مدینے جو مرا پہنچا دے ایک بار سلام  
 کدول ادب سے میں جھک جھکے اسکو جیسا سلام  
 صبا تو روضہ اقدس پر میری جانب سے  
 بصد ہزار ادب عرض کر ہزار سلام  
 غریب پہنچے نہ دربار شاہ طیبہ تک  
 وطن ہیں آگئے کر کے مالد ار سلام  
 حضور سرور عالم بلائیے اس کو  
 پڑھے غلام بھی آکر سرسرا سلام  
 بہادوں آنکھوں سے شبیر چشمہ زمزم  
 پڑھوں جو روضہ پر رورو کے زار زار سلام  
 یہ گنہگار، ارذی حجہ ۱۳۵۵ء کو جمعہ کے دن بعد عشاء مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ موٹروں میں  
 جانے والوں کو آنے جانے کے دو دن نکال کر کامل تین روزہ مدینے میں ٹھہرنے کا موقعہ  
 ملتا ہے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنے میں موٹروالوں کا نقصان ہے آخر ۲۲ مئی کو ہمساری  
 روانگی کا دن آگیا۔ اگرچہ مدینے کے گورنر امیر شاری ابن جلیوی ابن سعود نے جو موجود  
 سلطان حجاز کے چچا ہیں۔ مجھ سے ازراہ مہربانی یہ فرمایا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو تو تمہاری موٹر کو  
 ہم روک لیں مگر میں نے عرض کیا کہ یہ مناسب نہ ہو گا کہ جس موٹر والے نے بڑے بڑے  
 امیروں کے سوال رد کر کے حج کے بعد سب سے پہلے مجھے یہاں پہنچایا اُس کے بدلے میں  
 اُس کی خلافت مرضی یہاں ٹھہرا کر میں اس کا نقصان کروں۔ غرض کہ منگل کے دن بعد  
 نماز عصر میں اپنے آقا بولا کی خدمت میں آخری والوداعی سلام عرض کر کے بادلِ برار  
 و با چشم گریاں یہ کہتا ہوا رخصت ہوا کہ  
 ”سرکار میری یہ زیارت آخری زیارت نہ ہو پھر بھی اس غلام کو بھی یاد فرمائیے“

ہم مدینے سے جدے چلے ہماری موٹر ہوا میں اڑنے لگی اور ہم سے قبل جو موٹر  
 زود آمد ہوئی تھیں ان سب کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ کئی گز تک ہم گنبدِ نبویؐ  
 کی محراب سے دیکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے اور کوئی امید باقی نہیں رہی تھی کہ پھر  
 ہم کو زیارت نصیب ہوگی۔ مدینے سے ہم کوئی پچیس میل نکل آئے۔ تھے کہ یکایک موٹر  
 کی کمانیاں ٹوٹ گئیں اور اب یہ ایک پہاڑ کے نیچے رک گئی۔ پیچھے والی موٹر آئیں  
 اور ہمارے پیچھے رہتی ہوئی چلی گئیں۔ ہم نے سمجھ لیا تھا کہ اب جدے سے کوئی موٹر کسی پستی کی  
 جس کی موٹر میں ہم سوار تھے۔ آکر ہیں جدے پہنچائے گی۔ یہ خیال نہ تھا کہ مدینے واپس  
 جانا بھی ہو سکتا ہے۔ آخر ایک موٹر مدینے سے آئی اس کے ڈرائور اور ہمارے ڈرائور نے  
 ٹوٹی ہوئی کمانیوں کو اوپر نیچے تنگے رکھ کر اس طرح بازو دیا جیسے کہ ٹوٹا ہوا ہاتھ۔ اب یہ  
 چلنے کے قابل ہو گئی۔ مگر جدہ بہت دور تھا اور مدینہ قریب۔ صلاح یہ ٹھہری کہ مدینے ہی  
 چلے چلیں۔ ہم آہستہ آہستہ چل کر صبح پھر مدینے پہنچ گئے اور مدینے والوں نے کہا تم کو  
 جانے کی ابھی اجازت نہیں ہے میں در اقدس پہ حاضر ہوا اور عرض کیا۔  
 ”یا رسول اللہ۔ یہ نالایق غلام پھر حاضر ہوا ہے۔“

یہ دوسری زیارت ہوئی۔ چار شنبہ کا سا رادن گزرا۔ موٹر کی مرمت ہو گئی۔ جمعرات کی  
 صبح کو پھر چلنے کی تیاری ہوئی۔ اور میں نے بعد نماز فجر نہایت شرمندگی کے ساتھ اجازت  
 مانگی اور عرض کیا کہ

”اے میرے آقا۔ اے میرے مولا۔ جس طرح اس غلام کو دو مرتبہ زیارت  
 سے سرفراز فرمایا گیا ایک دفعہ اور بھی۔“

ہمارا سالانہ موٹر میں رکھ دیا گیا ہم بھی جا بیٹھے مگر ہماری موٹر کی کپسی والوں نے چلنے  
 سے بعض وجوہ پر عذر کر دیا۔ اور پھر ہم واپس ہوئے پھر شرف باریابی حاصل ہوا اور پھر یہ  
 نظام دار نہستا اور دو حاضر شفیع المذنبین میں حاضر ہوا اور اس طرح احمد رضا ایک زیارت  
 میں تین زیارتیں نصیب ہوئیں۔ آخر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد الوداع یا رسول اللہ  
 الفراق یا رسول اللہ کہتا ہوا رخصت ہوا۔ اور رخصت ہی ہو گیا۔

## (۳۳) سلام و زیارت

حضور سرور عالم کے دربار میں پہلی حاضری کے لیے زائر نہاد ہو کر عطر لگا کر حاضر ہوتے ہیں اور باب جبریل سے داخل مسجد ہو کر سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے مرقد منورہ کے قریب پہنچ کر ٹھہرتے ہیں اور اذن سلام طلب کرتے ہیں یعنی کلمہ شہادت اور تیس مرتبہ اللہ اکبر کھلے سکون و وقار کے ساتھ ایک دو قدم آگے بڑھتے ہیں پھر چالیس مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرقد پر نور کے قریب کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ بہت سے زائر بغیر اذن کے بھی سلام پڑھتے ہیں۔ بعض دوسرے طریق پر بھی اذن طلب کرتے ہیں۔ پہلی زیارت کے بعد داخلہ باب جبریل اور اجازت طلبی کا اہتمام باقی نہیں رہتا۔ البتہ سلام پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

مرقد مبارک حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبلہ رو جالی کے وسط میں ایک گول حلقہ ہے جس کو شبکہ نبی کہتے ہیں۔ اس سے ڈھائی گز کے فاصلہ پر مودب و سرنگون کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے۔ اوقات سلام عموماً پنج وقتہ نماز کے بعد اور خصوصاً نماز صبح و مغرب کے بعد ہیں۔ اس کے علاوہ اور وقت بھی سلام عرض کر سکتے ہیں۔ حضور اقدس کی خدمت میں کوئی خاص سلام پڑھنے کی پابندی نہیں ہے عام طور پر زبان عربی میں سلام پڑھا جاتا ہے۔ مدینے میں جو سلام رائج ہے اور جو ہال کے تمام مزدوروں اور معلموں کو یاد ہے وہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے۔ ضرورت و موقع کے لحاظ سے اس میں کمی و بیشی کی جاسکتی ہے۔ خلاصۃ الونفا۔ نزہۃ الناظرین۔ اور فاہی کی کتاب "حسن التوصل فی زیارت افضل الرسول" اور حلیۃ المتقین مولفہ ملا باقر مجلسی میں اور بھی بعض سلام موجود ہیں۔ جن کا مضمون قریب قریب اسی سلام کے ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضور اقدس کے مختلف اسمائے ذات و صفات کے اعتبار سے جس جس طرح چاہیں سلام و زیارت پڑھی جاسکتی ہو کم سے کم صرف اس قدر کھدینا بھی کافی ہے۔



”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

جب کسی غیر کی طرف سے سلام پڑھا جاتا ہے تو اکثر یہ مختصر صورت ہی اختیار کی جاتی ہے۔ اہل مدینہ مختلف ممالک کے لوگوں کی طرف سے بھی فرمایشِ حیند روزِ تہ سال بھر تک نیابتہ سلام عرض کر دیتے ہیں۔ جس کے معاوضہ میں اُن کو کچھ نذر کرنا پڑتا ہے مدینے میں کوئی خطا باہر سے ایسا نہیں آتا۔ جس میں کاتب کی طرف سے روضہ اقدس پر سلام عرض کرنے کی استدعا نہ کی جاتی ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا کون سا مسلمان ہوگا جو مدینے خط بھیجے۔ وہاں والوں کو خط میں سلام لکھے اور اس سلطانِ دو جہاں کو مجھول جائے۔

عام حاجی چونکہ سلام پڑھنے کے طریقے سے ناواقف ہوتے ہیں اور بہت سے حاجیوں کو سلام یاد بھی نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنے مزدور کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں زیارت کرانے والے کو مزدور کہتے ہیں ان کا دوسرا نام معلم بھی ہے مدینہ منورہ کے مزدوروں نے مختلف ملکوں کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا ہے پنجابیوں کے معلم علیحدہ ہیں۔ بنگالیوں کے الگ۔ حیدرآبادیوں کے جدا۔ حاجی اپنے معلم یا اُس کے نائب کے ہمراہ زیارت پڑھتے ہیں۔ معلم کا یہ فرض ہے کہ نماز کے بعد وہ اپنے حاجیوں کو سلام پڑھائے جس شخص کا کوئی معلم نہیں ہوتا تو وہ کسی دوسرے معلم کے حاجیوں کے ساتھ ہو کر سلام کے الفاظ دہرا دیتا ہے۔ شام کے وقت جب روشنی سے مسجد نبویؐ بوقتِ نوزین جاتی ہے۔ حاجیوں کے غول اپنے اپنے مزدور کے ساتھ سلام پڑھنے کے لیے مواجہہ شریفہ پر حاضر ہوتے ہیں مزدوروں کا مناسب آواز سے سلام پڑھنا۔ حاجیوں کا ادب و وقار کے ساتھ الفاظ کا دہرانا اہل درو کا سلام پڑھتے وقت روتے ہوئے۔ لہجے اور ہچکیوں سے مضمون سلام کو رقت آمیز بنانا۔ ختم سلام کے بعد حاجیوں کا مقید پُرنور کے اطراف پھر کر انہی پاسبی آنکھوں کو سیراب اور اپنے مشتاق دلوں کو مطمئن کرنا ایک ایسا نظارہ ہے جس کی تصویر لفظوں میں نہیں کھینچی جاسکتی۔ اس گہنگار نے سولہ برس قبل اپنی نظم ”مدینے کی چاندنی“ میں یہ سماں اس طرح دکھایا تھا۔

صل علی سلام کی اب بچ رہی ہے دھوم روشن ہوئے ہیں سنی اصحابی کا لہجہ م  
سیارے آفتاب کے گرد اب لپے ہیں گھوم ہے روضہ شریف پہ حجاج کا ہجوم  
منڈلا رہی ہیں بلبلیں باغوں کے ارد گرد پروانے اُڑ رہے ہیں چراغوں کے ارد گرد

سلام کا دوسرا نام زیارت بھی ہے شیعہ سلام پڑھنے کو زیارت پڑھنا کہتے ہیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سلام پڑھا جاتا ہے اس میں شیعہ سنیوں میں کچھ فرق  
نہیں ہے۔ اہل سنت آنحضرت والہ بیت و صحابہ پر سلام پڑھنے کے بعد فاتحہ بھی پڑھتے ہیں  
شیعہ صرف سلام پر اکتفا کرتے ہیں۔ اہل سنت مرقہ منورہ کی جنوبی دیوار کی طرف منہ کر کے  
شبکہ نبی کے محاذی جسے مواجہہ شریفہ کہتے ہیں سلام پڑھتے ہیں شیعہ مغربی جانب  
جالی کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ یہاں آنحضرت کا بالکل سر ہانا ہے  
شبکہ نبی سے ایک قدم داہنی جانب ایک چھوٹی سی مدور کھڑکی اور ہے۔ اسے شبکہ ابوبکرؓ  
کہتے ہیں۔ آنحضرت پر سلام کے بعد یہاں سلام پڑھا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ سلام رائج ہے۔  
ضرورت ہو تو اسے گھٹا بڑھا بھی سکتے ہیں۔

السلام علیک یا سیدنا ابوبکر الصديق - السلام علیک یا خلیفہ  
رسول اللہ فی التحقيق السلام علیک یا صاحب رسول اللہ - السلام  
علیک یا خلیل حبیب اللہ - السلام علیک یا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار  
السلام علیک یا امام المهاجرین والانصار - السلام علیک یا من اتفق مالہ  
کلمہ فی حب اللہ وحب رسولہ حتی تخلل بالعبا - ما فی اللہ تعالیٰ عنک  
واما ضاک احسن الرضاء وجعل الجنة منزلک ومسکنک ومحلی  
وما ولک - السلام علیک یا اول خلفائے راشدین و تاج العلماء المصلین  
السلام علیک صہ المصطفیٰ البتہ الامین و رحمة اللہ وبرکاتہ۔  
یعنی اے ہمارے سردار ابوبکر صدیقؓ آپ پر سلام۔ اے رسول اللہؐ کے حقیقی جانشین  
آپ پر سلام۔ اے رسول اللہؐ کے صحابی آپ پر سلام۔ اے اللہ کے حبیب کے دوست

آپ پر سلام۔ آپ وہ ہیں کہ آپ کی شان میں ”غار کے دو چھپے والوں میں دوسرا“ وارد ہوا ہے  
 آپ پر سلام۔ آپ وہ ہیں کہ آپ نے اپنا تمام مال خدا و رسول کی محبت میں خرچ کر دیا۔ یہاں تک کہ  
 آپ کے پاس ایک عیارہ گھئی۔ آپ پر سلام۔ اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ کو اچھی طرح راضی کر  
 جنت کو آپ کا گھر۔ آپ کا مسکن اور آپ کا لجا و ماویٰ بنائے۔ اسے خلفائے راشدین میں سب سے  
 پہلے خلیفہ۔ اسے ہدایت پائے ہوئے علماء کے سر تاج۔ اسے نبی امین محمد مصطفیٰ کے خسر آپ پر  
 سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت آپ پر نازل ہو۔

شبکہ ابو بکرؓ سے ایک قدم داہنی طرف ہٹ کر شبکہ عمرؓ سے یہاں بالعموم حسب فیہ السلام  
 پڑھتے ہیں۔ موقع محل کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل بھی کر دیا جاتا ہے۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنا عَمْرٍو ابْنِ الْخَطَّابِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَاطِقَ بِالْعَدْلِ وَالْأَمْرِ السَّلَامُ عَلَيْكَ  
 يَا مَظْهَرِ دِينَ الْإِسْلَامِ۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَكْتُمَ الْأَصْنَامِ۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَيْدِي الْفَقْرِ وَالضُّعْفِ وَالْأَسْرَارِ  
 وَالْأَيَّامِ۔ اَنْتَ الَّذِي قَالَ فِي حَقِّكَ سَيِّدُ الْبَشَرِ لَوْ كَانَ نَبِيٌّ مِنْ بَنِي إِدْرِي كَانَ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْكَ وَارْتَضَا  
 أَحْسَنَ التَّرْضَاءِ وَجَبَلَ الْجَنَّةَ مَنَازِلَ وَمَسْكَنَكَ دَحْلَكَ وَمَا وَلَكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ثَانِي خُلَفَاءِ وَبَاحِ الْعُلَمَاءِ  
 وَصَهْرِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى وَرَحْمَةِ اللَّهِ وَبَرَكَاتِهِ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :- اے ہمارے سرور و سرور ابن خطاب  
 آپ پر سلام۔ اے انصاف و حق کی بات کہنے والے آپ پر سلام۔ اے دین اسلام کے پھیلانے والے آپ پر سلام۔ اے  
 بتوں کو توڑنے والے آپ پر سلام۔ اے فقیروں و غنیوں بیواؤں۔ اور یتیموں کے مال باپ آپ پر سلام۔ آپ وہ ہیں کہ آنحضرتؐ  
 نے آپ کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو بیشک عمرؓ اس کے حق تھے ”اللہ آپ سے راضی ہو اور  
 اچھی طرح آپ کو راضی کرے اور جنت کو آپ کا مسکن و لجا و ماویٰ قرار دے۔ اے دوسرے خلیفہ اے علماء کے  
 تاج اے محمد مصطفیٰ کے خسر آپ پر سلام۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت۔

ترکوں کے زمانے میں بعض اوقات شیعوں کو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ  
 پر بھی سلام پڑھنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔ انگلستان کے مشہور سیاح برٹن نے  
 جو ۱۶۹۱ء میں مدینہ گیا تھا اپنے سفر نامے میں حضرت شیخینؓ پر ایرانیوں  
 کے سلام پڑھنے کی کیفیت لکھی ہے اس کا بیان یہاں درج کرنا غالباً بے محل ہوگا  
 وہ کہتا ہے :-

جب کوئی پر جوش مذہبی کسی ایرانی کے پاس سے گزرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اے خنزیر حضرت عمر کے نام پر فاتحہ پڑھ اور اشاعت اسلام میں جو انھوں نے سچی تبلیغ کی ہے اُس پر آفرین و مر جاکہ یہ فرمایش ایرانیوں کو موت سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ اُس وقت اُن کے دل میں غیظ و غضب کا جو طوفان برپا ہوتا ہے اُس کے آثار ان کی پیشانی کی غضبناک کشش، آنکھوں کی ڈراؤنی گردش اور منہ کے پاس کی رگوں کے پھٹکنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

(سفرنامہ برٹن انگریزی جلد اول ص ۴۳)

موجودہ فرماؤ اے حجاز سلطان عبدالعزیز ابن عبدالرحمان آل سعود نے شیعوں کو اس بارے میں کامل آزادی دیدی ہے اور اب یہ باطنیان تمام کسی مزدور کے ساتھ یا کسی کتاب میں دیکھ کر یا زبانی جس طرح چاہیں زیارت پڑھ سکتے ہیں۔ خلاف عقیدہ کوئی کام کرنے پر اُن کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ عام طور سے بھی اہل نجد نے زیارت حضرت سرور کائنات ﷺ کے متعلق کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی ہے۔ ملوۃ و سلام و فاتحہ کی سب کو اجازت ہے۔ ہر فرقہ و مذہب کا آدمی اپنے طریق پر جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے۔ مرقہ منورہ کو سجدہ و طواف تو پہلے بھی حرام تھا۔ اسی خوف سے اگلے لوگوں نے قبر شریف کو بند کر دیا اور حجرے کو باہر سے مریع نہ بنایا کہ لوگ اسے کعبہ سمجھ کر کہیں اس کا بھی طواف نہ کرنے لگیں۔ اب رہا جالی مبارک کا چومنا یہ مسئلہ مسلمانوں میں مختلف فیہ ہے۔ امام مہر غزالی نے کیا اے سعادت میں ادب سے دور کھڑے ہو کر سلام عرض کرنا ہی مناسب سمجھا ہے۔ اور جالی کو چومنا خلاف ادب لکھا ہے۔ غیر ان باتوں کا تصفیہ علماء کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ جالی کو چھوننا۔ چومنا۔ اس سے لپٹنا یہ سب محبت کے کرشمے ہیں۔ ہر شخص اپنے جوش و جذبہ کی مناسبت سے غلو میں کا اظہار کرتا ہے۔ دیکھنے والے سمجھ نہیں سکتے کہ یہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔ میں خود بار بار جالی سے منہ لگا کر کھڑا ہوا گستاخانہ اور بے ادبانہ جالی کے آس پاس ہر جگہ بیٹھا۔ مجھے کسی نے نہیں ٹوکا۔ مگر ایک مصری عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ جالی مبارک کی



طرف بڑھنا چاہتی تھی تاکہ اس کو چھو کر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرے۔ بخدی سپاہی نے اشارہ سے اُس کو منع کر دیا کہ ایسا مت کرو تاہم مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض حاجیوں نے مختلف طریقوں سے جالی مبارک سے اظہار عقیدت کیا۔

(\*)

## (۳۴) مزار اقدس کی نسبت عیسائیوں کے شبہات

الف۔ کپتان برٹن اور پادری زومر کے خیالات۔

دنیا کے بیشمار انبیاء و مرسلین میں صرف دس بارہ پیغمبر ہی ایسے ہیں جن کی قبروں کی اس وقت نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے اور ان قبروں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ان کی نسبت بھی ایسی مسلسل و متواتر صحیح روایتیں موجود ہیں جن کی بناء پر ان کے اصلی ہونے میں کوئی شک نہ رہے۔

دنیا میں یہ شرف صرف ہمارے ہی آقا حضور سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ ان کے مزار پر انوار کے متعلق بہت سے جزوی جزوی حالات موجود ہیں اور سلف سے آج تک کبھی کسی مورخ کو اس بارے میں شبہ نہیں ہوا کہ آنحضرت کا مقبرہ شریف جو وقت وفات سے آج تک مسلمانان عالم کا زیارت گاہ چلا آ رہا ہے وہ اصلی مدفون نہیں ہے یا یہ کہ قبر شریف اس جگہ نہیں۔ مدینے میں کسی اور جگہ ہے۔ یا دنیا میں کسی اور مقام پر ہے یا کہیں ہے ہی نہیں مگر حیرت کی بات ہے کہ کپتان برٹن صاحب جو حاجی برٹن کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کو اہل یورپ بہت بڑا محقق اور علوم عربی و فارسی کا زبردست فاضل مانتے ہیں اور جن کی قابلیت کے ڈٹکے یورپ میں بک رہے ہیں۔ اپنے سفر نامہ حجاز میں آنحضرت کے مزار اقدس کی نسبت یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ ”وہ ایک فرضی قبر ہے“۔ برٹن صاحب اگر صرف قیاسی دلائل پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھتے تو اتنا مضائقہ نہ تھا مگر غضب یہ کیا کہ اپنے شبہات کو تقویت پہنچانے کے لیے

انہوں نے بعض عربی مورخوں کے حوالے بھی دیدیے ہیں جن سے بظاہر ان کی حجت کی بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن اصل کتابوں سے جب مقابلہ کیا جاتا ہے تو برٹن صاحب کی تعلیمی کھل جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنکھوں میں خاک ہی جھونکی ہے۔

اکثر غیر مسلم ماہرین علوم مشرقی کی یہ عادت دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ یا تو (۱) ناقابلیت کی وجہ سے یا (۲) تعصب کے باعث یا (۳) اس تہیت سے کہ ان کی کتاب کھڑا کھڑا فروخت ہو جائے اسلام و اہل اسلام کے صحیح حالات لکھتے لکھتے بعض ایسے واقعات بھی تحریر کر جاتے ہیں جو ان کے ہم مذہب اہل ملک کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ برٹن صاحب کا آنحضرت کی قبر شریف کی نسبت شبہ کرنا بھی انہیں تین وجوہ میں سے کسی وجہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ برٹن صاحب کی دیکھا دیکھی بلکہ انہیں کے اعتراضات لے کر اور ان میں کچھ بے یقینی باتیں اپنی طرف سے اضافہ کر کے امریکن پادری زونمر صاحب نے بھی اپنی کتاب ”کریڈل آف اسلام“ (گہوارہ اسلام) میں جو عراق و عرب و عمان کے حالات پر مشتمل ہے اور ۱۸۹۹ء میں انگریزی میں شائع ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ کے مرقد مبارک کو اپنے معمولی پادریانہ لہجے میں فرضی قبور بیان کیا ہے۔ پادری صاحب سے ہمارے حیدر آباد والے خوب واقف ہیں ۱۹۲۲ء میں یہ یہاں آئے تھے اور عربی کتابوں کا حوالہ دے دیکر جا بجا لکھ دیے تھے۔ لوگ ان کو بڑی معلومات کا آدمی سمجھتے تھے لیکن اگر ان کی کتاب کریڈل آف اسلام ملاحظہ فرمائی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ زونمر صاحب نے اسلام و بانی اسلام پر جو اعتراض کیے ہیں اور جس لہجے سے کیے ہیں وہ کسی ذی علم و ذی اخلاق آدمی کے قلم سے نہیں نکل سکتے تھے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کارخانہ اخبار وطن لاہور نے چھاپا ہے مگر افسوس ہے کہ اس میں بجز دو ایک اعتراضات کے نہ تمام اعتراض درج ہیں اور نہ ان کی تردید چونکہ زونمر صاحب دراصل مسٹر برٹن ہی کے ریزہ چیں ہیں اس لیے ان کو علیحدہ بالتفصیل جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے تاہم برٹن صاحب کے شبہات رفع کرنے کے بعد ان کے اعتراضات تمہید وار لکھ کر ان پر بھی مختصر ریمارک کر دیا جائے گا۔

چونکہ برٹن صاحب بڑی شخصیت رکھتے ہیں اس لیے ان کے شبہات ایسے نہ تھے جن کو

نظر انداز کر دیا جاتا۔ چنانچہ اس ہیچرپاں نے ان کے اعتراضات کا مفصل و شرح جواب اس سے کئی برس قبل اپنی کتاب "حجاز کے فرنگی سیاح" میں تحریر کیا ہے جو رنج الاول ۱۳۴۲ھ میں حیدرآباد کے ایک ادبی و تاریخی رسالہ ترجمان میں بھی شائع ہوا تھا۔ اب اس کتاب کی مناسبت سے ضرورت ہے کہ اس مضمون کو بہتر ترتیب و درج کیا جائے تاکہ مزاراقدس کے حالات نامکمل نہ رہ جائیں۔ لیکن برٹن صاحب کے شہادت رفع کرنے سے قبل مناسب یہ ہے کہ پہلے ان کی سوانح عمری لکھ دی جائے تاکہ ان کا مرتبہ بلند و پایگاہ رنج معلوم ہو جائے۔ سوا ناظرین دیکھیں کہ ایسے بڑے بڑے آدمی کیسی بڑی بڑی غلطیاں کر جاتے ہیں۔

### (د) کپتان برٹن صاحب کی سوانح عمری۔

حجاز کے فرنگی سیاحوں میں حاجی عبد اللہ عرف کپٹن سر رچرڈ فرڈرک برٹن صاحب سب سے زیادہ مشہور ہیں یہ زبردست سیاح و مصنف جن کے علم و فضل کے ڈٹکے یورپ میں رائج رہے ہیں۔ اور جن کی عربی و فارسی قابلیت اور اسلامی واقفیت پر اہل یورپ ناز کرتے ہیں۔ ۱۹ مارچ ۱۸۷۱ء کو بمقام ہرٹفورڈ شائر پیدا ہوئے تھے ان کا لڑکپن فرانس واپسی میں گزرا۔ جہاں کچھ بول ہی بے قاعدہ طور پر تعلیم ہوئی اس کے بعد ٹرنٹی کالج آکسفورڈ میں تعلیم پائی اور یہیں عربی زبان بھی شروع کی۔ ۱۸۷۲ء میں وہ "اٹھارہویں بیٹی پلٹن" میں نصٹنٹی کے عہدے پر مامور ہو کر ہندوستان آئے اور ریاست بڑودھ میں ستمین ہوئے یہاں کپتانی تک ترقی پائی۔ لیکن یہ ملازمت ان کو پسند نہ تھی اس لیے فوجی زندگی سے اکتا کر محکمہ پیمائش میں تبادلہ کر لیا اور اس طرح ان کو سندھ کی سیر اور مختلف زبانوں کے سیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ ۱۸۷۹ء میں جب پنجاب میں انگریزوں اور سکھوں کی لڑائی ہو رہی تھی انھوں نے اس جنگ میں ترجمان مقرر ہونے کے لیے درخواست کی مگر وہ نامنتظر ہو گئی اور اس سے ان کی اس قدر دشمنی ہوئی کہ وہ تین سال کی

۱۔ ہرٹفورڈ شائر ڈسویہ لندن کا ایک ضلع ہے۔ اس کی آبادی تخمیناً تین لاکھ ہے۔ ۲۔ انگلستان کا ایک شہر ہریانہ کی یونیورسٹی اور ٹرنٹی کالج نہایت مشہور ہے۔



خصیت غیر معمولی حاصل کر کے ولایت چلے گئے۔ ۱۸۵۲ء تک اہل یورپ کو مشرقی وسطیٰ عرب کے حالات کافی طور پر معلوم نہ تھے۔ برٹن صاحب کی طبیعت بہت ہی متلاشی واقع ہوئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کے ملک و قوم کے لیے مفید ہو اس لیے اب انھوں نے سفر حجاز کی ٹھان لی۔ اور لندن کی "رائل جیوگرافیکل سوسائٹی" سے زادراہ کا بندوبست کر کے اپریل ۱۸۵۳ء میں وہ انگلستان سے مصر روانہ ہوئے اور اسلامی طرز معاشرت اور عربی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ڈھائی تین مہینے قاہرہ میں گزارے اور وہاں کے ایک مشہور عالم شیخ محمد الططار کے شاگرد ہو گئے اور اُس سے شافعی فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بقول برٹن صاحب اس میں مصلحت یہ تھی کہ فقہ شافعی بمقابلہ دوسرے مذاہب کے آسان ہے۔ نیز شیعوں کے مسائل اس فقہ کے مسائل سے ملتے جلتے ہیں جن سے برٹن صاحب ایسا قبول کی صحبت میں بہت واقف ہو گئے تھے۔ برٹن صاحب نے اپنا نام مرزا عبد اللہ خاں رکھا تھا لیکن حاجی دلی عرف ڈاکٹر دین کی رائے سے بعد میں عبد اللہ خاں رکھ لیا۔ اور جہاں کہیں پوچھ گچھ ہوئی اپنے تئیں رنگون کارہنے سننی المذہب شافعی مشرب پٹھان بتا دیا۔ برٹن صاحب کو علم طب میں بھی دخل تھا۔ اس وجہ سے لوگ ان کو حکیم عبد اللہ خاں کہتے لگے تھے۔ جولائی ۱۸۵۳ء میں ورج کے ارادے سے چند مصر لوہ کے ساتھ قاہرہ سے روانہ ہوئے اور سوئز تک اونٹوں پر سفر کیا یہاں سے جہاز پر سوار ہو کر ینبع داخل ہوئے۔ پھر حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ

۱۔ لندن کی ایک مشہور کھپٹی تھی جس کے مقاصد و اغراض دنیا کے نامعلوم حصوں کے حال معلوم کرنا تھا۔  
۲۔ شخص کسی زمانے میں سرکاری خطیب تھا ان دنوں محلہ بجالیہ واقع قاہرہ میں اس کی عمارت کی دکان تھی۔

۳۔ ڈاکٹر دین ایک روسی سیاح تھا جس نے ۱۸۵۲ء میں عرب کے بعض حصوں کی سیاحت کی تھی اور حج بھی کرایا تھا مگر اس نے اپنا سفر نامہ نہیں لکھا۔ ہماری کتاب حجاز کے فرنگی سیاح میں اس کے تفصیلی حالات درج ہیں۔



پہنچے۔ اس کے بعد شامی قافلے کے ہمراہ مکے گئے اور حج میں شریک ہو کر جدے کی راہ سے انگلستان واپس ہو گئے۔

۱۸۶۱ء میں انھوں نے محکمہ خارجہ کی ملازمت اختیار کی اور امریکہ - افریقہ - ایشیا یورپ کے مختلف ممالک میں وہ انگریزی سفارت کے عہدے پر فائز رہے آخر عمر میں اٹھارہ برس تک سلطنت آسٹریا کے بندرگاہ ”ٹریسٹ“ میں قونصل کے عہدے پر مامور رہے وہیں ستر برس کی عمر میں ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۰ء کو انتقال کیا۔ ان کی لاش کو کافور وغیرہ لگا کر انگلستان لے گئے اور وہاں قصبہ ہارٹلیک میں سپرد خاک کیا۔ برٹن صاحب کی عربی سیاحت کی یادگار میں ان کی قبر پر سنگ مرمر کا ایک عربی وضع کا خیمہ ان کی بوی آئیل برٹن نے بنوایا اور اب یہ سیاح عرب اس میں سو رہا ہے۔

اسٹینلی لین پول جس نے برٹن صاحب کے سفرنامہ حجاز مطبوعہ ۱۸۹۸ء پر ویباچہ لکھا ہے تحریر کرتا ہے کہ:-

”وہ اٹھارہ زبانوں میں مہارت رکھتے تھے انگریزی ان کی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فرانسیسی - اطالوی - اردو - فارسی - عربی - گجراتی - مرہٹی - ملالی پنجابی و سندھی زبان وہ اس طرح بولتے تھے جیسے کوئی مادری زبان بولتا ہے ۱۸۶۷ء میں رخصت بیماری پر جب وہ بغرض تبدیل آب و ہوا دکن گئے

۱۸۷۰ء ٹریسٹ آسٹریا کا بندرگاہ بڑی تجارت کی جگہ ہے۔ عمارت لکڑی - آرائشی سامان - اور منمل و شکریاں کی دکانیں۔

۱۸۷۱ء۔ ہارٹلیک دریائے ٹیمز کے کنارے لندن سے جانب غرب و جنوب آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے یہاں اکثر مشہور آدمیوں کی قبریں ہیں۔

۱۸۷۲ء۔ یہ ایک مشہور مورخ اور عالم آثار قدیمہ ہے ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ عربی کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ ۱۸۷۴ء تک ٹرنٹی کالج ڈبلن میں عربی کا پروفیسر رہا ہے۔ اس کی تصنیفات میں موسس ان اسپین (تاریخ اسپین) آرٹ آف سریننر (مسلمانوں کے علوم و فنون) ”مصر ازمنہ متوسط میں“ اور قاہرہ کی کہانی مشہور ہیں۔

تو وہاں تال و تلنگی وغیرہ زبانیں سیکھ لی تھیں۔ ان کے سوا ترکی سنسکرت  
پشتو اور ارمی زبان بھی اچھی طرح بول سکتے تھے۔

مذکورہ بالا بیان بہت ہی مبالغہ آمیز ہے۔ اہل یورپ اپنی اصطلاح میں جس کو زبان  
جاننا کہتے ہیں ہم اسکو زبان بگاڑنا سمجھتے ہیں۔ یورپ میں برٹن صاحب کو عربی کا بہت بڑا  
محقق و ماہر خیال کیا جاتا ہے مگر ہم آگے ثابت کریں گے کہ وہ عربی عبارت کا مطلب  
نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اگرچہ ان کے سفرنامہ حجاز میں بہت سے محققانہ و عالمانہ مضامین  
ہیں مگر بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ان کی قابلیت و تحقیق پر پانی پھر گیا۔ چنانچہ  
مضمون ہذا ایک اسی قسم کی غلطی کی اصلاح کی غرض سے تحریر کیا گیا ہے۔ برٹن صاحب  
کی تصنیفات بکثرت ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

مغربی افریقہ کا سفر۔ کروئس کے حالات۔ شاہ دھوئی کی خدمت میں وفد۔ گوریلا کی  
سرزمین۔ کانگو کا راستہ۔ مدین کی سنہری کانیں۔ سرزمین مدین۔ ترجمہ الف لیلا

۱۔ کروئس افریقہ کا مشہور پہاڑ ہے۔ کبھی کبھی آتش فشاں بھی کرتا ہے۔ جنگ یورپ سے قبل یہ  
جزیرہ کا علاقہ تھا اب وہاں انگلستان و فرانس کا قبضہ ہے۔

۲۔ دھوئی مغربی افریقہ میں فرانسیسیوں کا ایک ملک ہے۔

۳۔ مغربی افریقہ کے بعض مقامات کبیا وغیرہ میں ایک قسم کا بہت بڑا بندر ہوتا ہے۔ اسے  
گوریلا کہتے ہیں۔

۴۔ کانگو افریقہ کا بہت بڑا دریا ہے اس میں افریقہ کے تمام دریاؤں سے زیادہ پانی ہے۔ اس کی  
تیلٹی میں گھنے جنگل ہیں جن میں رہنے کے درخت۔ تاربین کا تیل اور ہاتھی دانت پایا جاتا ہے۔ یہاں  
بلجیئم کی حکومت ہے۔

۵۔ مدین بحر احمر کے مشرقی ساحل پر ایک پرانی بستی اور بڑی تجارت کاہتھی ہیں کے تاجروں کے  
قافلے کے ہاتھ حضرت یوسف فرخت کیے گئے تھے (قرآن شریف سورہ قصص و تورات کتاب پیدائش  
باب (۲۴) حضرت موسیٰ بھی فرعون کے پاس سے بھاگ کر مدین پہنچے تھے اور اسی مقام پر شعب کی  
کلکی صفورہ سے شادی کی تھی (توریت خروج باب ۲) اس شہر کے کھنڈراب تک (بقیہ مضمون بعد)

زنجبار اور ملک شام کا نامعلوم حصہ ان کتابوں میں سے اکثر دو دو جلدوں میں ہیں برٹن صاحب کا ترجمہ الف لیلہ نہایت ہی دلکش و سلیس مانا گیا ہے۔ جس پر انھوں نے بیش بہا حاشیہ چڑھایا ہے۔ برٹن صاحب کی سوانح عمری ان کی بیوی "اسبل برٹن" نے دو جلدوں میں بڑی شج و بسط کے ساتھ تحریر کی ہے۔

برٹن صاحب نے ۱۸۶۱ء میں چالیس برس کی عمر میں اس عورت سے شادی کی تھی۔ سوانح عمری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اس عورت سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی۔ اور لیڈی برٹن کو اپنے شوہر سے جو عقیدت ہے وہ تنظیم سے گزر کر عبادت و پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اس وجہ سے اس سوانح عمری پر مبالغہ کا ایک گہرا رنگ چڑھ گیا ہے۔ برٹن صاحب کا سفر نامہ حجاز جو ہمارے مضمون کا مآخذ ہے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول کا نام المصہ حصہ دوم کا المدینہ۔ اور حصہ سوم کا المکہ ہے۔

یہ سفر نامہ کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۰ء میں "جارج ہیل اینڈ سنز لنڈن" نے اس کو دو جلدوں میں مع تصاویر و نقشہ جات طبع کرایا اور یہی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹)

موجود ہیں۔ ابو الفدا کے زمانہ ۷۲۲ء تک وہ کنواں جس پر حضرت موسیٰ نے شیب کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ زیارت گاہ تھا۔ واضح ہو کہ اس مدین کو مدائن صالح نہ سمجھ لینا چاہیے جو علاقہ شام میں حماد ریلوے پر ایک اسٹیشن ہے اور جہاں حضرت صالح کے زمانہ کی صد ہا عمارتیں ویران پڑی ہیں۔ عراق عرب میں نوشیروان کا پایہ تخت مدین بھی اس کے علاوہ تھا۔ جہاں مشہور کاخ کسرا کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ جن کے مرقبے میں خامانی ان کی زبان حال سے کہتا ہے۔

ماہر گاہ وادیم اس وقت ستم بر ما  
بر کاخ شنگاراں آیا چہ رود خدا لا

زنجبار شرقی افریقہ میں انگریزی علاقہ کا ایک بندر گاہ اور تجارت کا مرکز ہے۔ لونگ کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ برائے نام یہاں ایک سلطان سلطان بھی ہے۔

۱۹۰۲ء میں اس درویش نے اردو میں اس سفر نامے کا ترجمہ شروع کیا تھا اور تقریباً نصف کتاب کا ترجمہ کر بھی ڈالا تھا مگر اس وقت اشاعت کا انتظام چونکہ ہو نہیں سکتا تھا اس لیے کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا۔ ۱۹۱۰ء میں دفتر اخبار وطن لاہور کی کتب مطبوعہ کی زہرست میں سفر نامہ برٹن کے ترجمہ کا اشتہار شائع ہوا جسے دیکھ کر میں اس کے ترجمہ کے خیال سے دست بردار ہو گیا۔ دفتر وطن کے اس ترجمہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ صرف مدنیہ منورہ کے حالات کا ترجمہ ہے جو ”سفر دارالمصطفیٰ“ کے نام سے چھاپا گیا ہے اس کے مترجم مولوی محمد انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار وطن اور مولوی مصلح الدین صاحب ہیں۔ اس میں اکثر عربی الفاظ و اصطلاحات و مقامات وغیرہ کے نام غلط لکھ دیے ہیں۔ بعض جگہ ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض فاش غلطیاں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ برٹن صاحب کے اعتراضات و نکتہ چینی اور خصوصاً ان شبہات کی جو انہوں نے آنحضرتؐ کے روضہ کی نسبت کیے ہیں اور اس کو ایک فرضی قبر بیان کیا ہے۔ کافی تردید بھی نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ برٹن صاحب نے شبہات مذکورہ کے ضمن میں مسودی۔ قلعہ شندہ۔ وغیرہ کے جو غلط حوالے دیے ہیں۔ ان کا اہل عبارت سے مقابلہ تک نہیں کیا۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے سفر نامہ برٹن کے باقی دو حصوں کے ترجمے کا وعدہ بھی دیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے ان حصوں کی اشاعت بھی دوسرے شخص کے لیے اخلاقاً ممنوع ہو گئی۔ قصہ مختصر اس طرح میں نے اس سفر نامے کے ترجمے کا خیال ہمیشہ کے لیے ترک کر کے ترجمہ شدہ حصے کو کسی مناسب مقام پر دفن کر دینے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ اللہ بس باقی ہوں۔

اس موقع پر برٹن صاحب کے بھیس بدلنے کے متعلق چند سطریں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب اپنے ترجمہ دارالمصطفیٰ کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

”ہدایت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کپتان برٹن نے اس اہم و بڑے خطریاقت کو ہدایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور لطف یہ ہے کہ ان کی کوئی اصلی شناخت نہ کر سکا۔“



مولوی صاحب موصوف نے اس راسخہ میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس مصلحت سے انھوں نے حقیقت کا اخفا فرمایا۔ برٹن صاحب کی اہلیت و قومیت کے متعلق جو شکوک سفر حجاز میں ان پر کیے گئے اُن کے بارے میں وہ خود اپنے سفر نامے میں قاہرہ سے سوئز تک کے حالات میں لکھتے ہیں۔

”باوجود ہر قسم کی ہوشیاری کے کئی مرتبہ مجھ پر شبہ ہوا اور ایک دفعہ تو مجھ سے بھی غلطی ہو گئی۔ میں نے اپنے قافلے کے حاجیوں کو ایک آلہ پائش دکھایا جس سے وہ لوگ چونک گئے۔“

اس سے بڑھ کر اور ثبوت ملاحظہ ہو۔ برٹن صاحب اپنے ملازم و مطوف محمد البسونی کی نسبت کہتے ہیں۔

”جب وہ نماز پڑھتا تو میرے پیچھے کھڑا ہوتا اور اس طرح وہ اُس شک کا جو میری جانب سے اس کے دل میں تھا ثبوت دیا کرتا تھا اس کو ابتداء ہی سے مجھ پر کم سے کم کافر ہونے کا شبہ تھا۔“

اہل حجاز کی اصطلاح میں کافر سے ہمیشہ انگریز مراد ہوتی ہے۔ برکھارٹ و برٹن کے سفر ناموں میں جا بجا اس کی تفصیل موجود ہے۔ جدے کے حالات میں برٹن صاحب اسی لڑکے کے نسبت لکھتے ہیں:-

”وہ بہت سرد مہری کے ساتھ مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا اور اس کا بہت چند روز بعد میرے ملازم شیخ نور نے مجھ سے بیان کیا۔ اس لڑکے (محمد) کو میں اپنے ساتھ جہاز پر لے گیا تھا وہاں اس کے دل میں بہت بُرا شبہ ہو گیا اس نے شیخ نور سے کہا ”اب میں سمجھا تمہارا آقا ہندوستان کا صاحب لوگ ہے۔ وہ ہماری ڈاڑھیوں پر سنہیں گیا۔“

۱۷۔ محمد البسونی کے کارہنہ والا ایک لڑکا تھا۔ برٹن صاحب نے قاہرہ میں اس سے احرام خریدنا تھا قاہرہ سے روانگی کے بعد رگیستان سوئز میں اس کو ملازم رکھ لیا تھا۔ مکہ معظمہ میں اسی کے مکان پر قیام کیا تھا اور اُسی کو اپنا مطوف مقرر کیا تھا۔

اس کے علاوہ برٹن صاحب کے سفر نامے سے ظاہر ہے کہ اور بھی کئی مرتبہ ان پر شبہات ہوئے تھے۔ ان کا راز افشاء ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے قافلے کے ہمراہیوں کیساتھ بہت داد و دہش کرتے تھے اور خصوصاً محمد البسونی کو تو انھوں نے اپنی تھیلی کا مالک ہی بنا رکھا تھا علاوہ اس کے برٹن صاحب نے اس سفر میں اپنے تئیں ہندوستانی ظاہر کیا۔ اور عربوں کے ساتھ حج و زیارت کی اور انھیں کے پاس قیام کیا۔ ان کے سامنے ان کی ہندوستانیہ کیا ثابت ہو سکتی تھی۔ اب رہا ان کا پنجابی ملازم شیخ نور وہ اردو کیا جانے زیادہ سے زیادہ اُس نے یہی سمجھا ہو گا کہ رنگون میں ایسی ہی اردو بولتے ہوں گے۔ ہاں اگر وہ ہندوستانیوں کے ساتھ کہ مدینہ کی سیر کرتے تو ایک منٹ میں تعلیمی کھل جاتی۔ پھر بھی ان کے عرب ملازم محمد نے تاڑ ہی لیا تھا کہ یہ ہندوستان کا صاحب ہے مگر ستار عیوب“ لیکن روپیے کا یہ کرشمہ تھا کہ ان کو گرفتار نہ کرایا۔ اس میں شک نہیں کہ برٹن صاحب مسلمانوں کے رسم و رواج سے بہت کچھ واقف تھے۔ فارسی میں ان کی قابلیت معقول تھی۔ ان کی عربی دانی کے متعلق اگرچہ یورپ میں بہت دھوم مچ رہی ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ عربی عبارت کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے۔ البتہ مسلمانوں کے تاریخی حالات سے بہت آگاہی تھی اور بیس بدلنے میں وہ پیرا نے مشاق تھے۔ ہندوستان کے دوران قیام میں کئی مرتبہ علاقہ سندھ میں اسی قسم کے نہیں بدل چکے تھے۔ اور ایرانیوں اور افغانیوں کے

۱۔ کتاب کریمز ایٹ مکہ (مکہ میں پیر وانیسج) جو ہمارے مضمون ”حجاز کے فرنگی سیاح“ کے گیارہ سال بعد ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا مؤلف ”اے رالی“ بعض حالات برٹن حاشیہ میں لکھتا ہے کہ مدینہ مکہ کی راہ میں ایک شخص نے برٹن کو تاڑ لیا۔ مگر خوش قسمتی سے وہ دوسرے دن صبح خنجر سے مقتول پایا گیا۔ یعنی برٹن نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ حکایت لندن میں عام طور پر مشہور تھی۔ چنانچہ برٹن کی شادی کے وقت ایک دوست ڈاکٹر نے اس سے اس طرح علیک سلیک کی۔

ڈاکٹر۔ کسی آدمی کو قتل کرنے کے بعد تمہارا مزاج کیسا رہتا ہے۔

برٹن۔ نہایت بشاش۔ مزاج مشرف ڈاکٹر صاحب۔

عادات و فضائل کی مشق بھی کر لی تھی۔ لیڈی برٹن نے ان کے روپ بھرنے کے متعلق جو پچھپ  
 رمیا کر اپنی مولفہ سوانح عمری میں کیا ہے ہم اس کا ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔  
 ”کندھوں پر زلفیں لٹکائے سینہ پر لمبی ڈاڑھی لہراتی ہوئی چہرہ اور ہاتھ پاؤں  
 مہندی سے رنگے ہوئے آپ کا خادم مرزا عبداللہ بوشہری بڑے بڑے  
 کھیل کھیل چکا ہے۔ کبھی وہ بزاز بن جاتا اور لمبل خاصہ چھینٹ کی پوٹلی نبل میں  
 مارے گلی کوچوں میں پھیری لگاتا اور اپنا سالانہ دکھانے کے لیے زانخانے  
 میں بھی بلا لیا جاتا۔ کبھی وہ ایک ایسے سوداگر کا بھیس بنا کر کسی گاؤں کے  
 قریب ڈیرے ڈالتا۔ اور مسلمانوں کا لباس پہنے ہاتھ میں نیزہ لیے کمر میں  
 پستول لٹکائے باہر نکلتا۔ ڈروک گاؤں والے اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے  
 اور وہ ان سے مختلف قسم کی معلومات حاصل کرتا کبھی وہ کوئی دکان کرایہ پر  
 لیتا اور چپکیتی ہوئی کھجوریں گڑ، تباکو، سوٹھ تیل، مٹھائی، بیچنے لگتا۔ کبھی مرزا  
 کسی مسجد میں جا اترتا اور ان طالب علموں کے ساتھ جو مسجد کے خاک آلود  
 فرش پر لیٹے عربی، دینیات کی پچھی پرائی ملی۔ دلی کتابیں مٹی کے ٹمٹماتے  
 ہوئے چراغ سے پڑھا کرتے تھے رات گزارتا۔ کبھی وہ ریشا تیل۔ سرگھٹے  
 چندھی آنکھوں والے ملاؤں سے بحث کرتا۔ کبھی وہ بھلے مانسوں کے سے سفید  
 کپڑے پہنے۔ گانے بجانے کی محفل میں جا گھستا اور ”السلام علیکم“ کہہ کر  
 بے تکلف بیٹھ جاتا۔ کبھی وہ فیملوں اور گانجہ پینے والوں کی صحبت میں وقت گزارتا  
 کبھی وہ مشاطہ عورتوں سے جو مسلمانوں میں شادی بیاہ کراتی ہیں۔ رسم و رواج  
 کے متعلق ضروری باتیں پوچھتا۔ اللہ اکبر کیا کیا تا شے اُس نے دیکھے۔ کیا کیا  
 واقعات اُس پر گزرے اگر وہ تفصیل کے ساتھ بیان بھی کرتا تو کسی کو یقین  
 نہ آتا۔“

اب ہم ان کے سفر نامے پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ مصر کے

۱۔ علاقہ سندھ میں برٹن صاحب نے مرزا عبداللہ بوشہری کے نام سے سیاحت کی تھی۔

متعلق ہے۔ اور قاہرہ سے ينبوع تک کے حالات اس میں درج ہیں چونکہ برٹن صاحب سے پیشتر اکثر سیاحوں نے مصر کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس لیے انہوں نے صرف قاہرہ کے مسافر خانوں کی زندگی اور رمضان کا سال دکھایا ہے۔ ایک باب مسجد کے عنوان سے ہے جس میں مساجد کی وضع قطع کی تاریخ لکھی ہے اس سے مسلمانوں کے مذاق فن تعمیر پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک باب میں قاہرہ سے سوئز تک رستے کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں مدینہ منورہ کے تاریخی و معاشرتی ہر قسم کے حالات نہایت وضاحت سے تحریر کیے ہیں اس حصے میں بجز چشم دید حالات کے باقی تمام تاریخی حالات ”کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب“ مصنف شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے لفظ بہ لفظ اخذ کیے ہیں۔ برٹن صاحب سے قبل کسی یورپین سیاح نے مدینہ منورہ کے حالات ایسی شرح و بسط کے ساتھ نہیں لکھے تھے۔ ان حالات کے متعلق جو نوٹ انہوں نے تحریر کیے ہیں وہ بھی انہیں کا حق ہے۔

تیسرے حصے میں مکہ معظمہ کے حالات، مناسک حج، اور مقامات تبرکہ و جدے کے حالات و واقعات ہیں۔ اس حصے میں تاریخی حالات کتاب ”تاریخ الاعلام باعلام بیت اللہ اکرام“ مولفہ قطب الدین کمی سے لیے ہیں اور بیت اللہ کے متصل حالات سفر نامہ برکھارٹ سے نقل کیے ہیں۔ برٹن صاحب نے مکہ معظمہ کے حالات اس وضاحت سے نہیں لکھے جیسے کہ مدینہ منورہ کے اور حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے حالات برکھارٹ سے بہتر آج تک کسی مسلمان یا عیسائی سیاح کے سفر نامے میں نظر سے نہیں گزرے۔ برٹن صاحب نے اپنے سفر نامے میں عموماً واقعات کا اظہار بے کم و کاست کیا ہے۔ لیکن بعض بعض مقامات پر ان کا فطرتی قومی تعصب بے اختیار ظاہر ہو گیا ہے اور دیشے کے حالات میں تو زیارت مرقد منورہ کا

۱۔ ينبوع ساحل بحر احمر پر مدینہ منورہ کا مشہور سب درگاہ ہے جدے سے قہاز میں جائیں تو ایک دن میں ينبوع پہنچتے ہیں یہاں سے مدینہ منورہ پانچ منزل ہے۔

۲۔ کتاب جذب القلوب سلسلہ میں تالیف ہوئی ہے محدث مدوح کی وفات ۱۵۲۰ھ ہجری میں ہوئی۔



ذکر کرتے ہوئے وہ تحقیقات کے نشے میں اس قدر بے خود و سرشار ہو گئے کہ ان کی عربی کی کم استعدادی پر جو زبردست طمع چڑا ہوا تھا وہ سب انہوں نے گھڑچ کر پھینک دیا۔ اور آنحضرتؐ کی قبر مطہرہ کو ایک فرضی قبر بیان کر کے اپنی قابلیت کو بڑھ لگا لیا۔ اس وقت ہم برٹن صاحب کی دوسری لغزشوں سے قطع نظر کر کے صرف آنحضرتؐ کے مرقد مبارک کے متعلق ان کے ہر اعتراض کا جواب اس کے نیچے درج کرتے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۴۰)

### (ج) برٹن صاحب کے اعتراضات اور ان کا جواب

#### اعتراض نمبر (۱)

برٹن صاحب کہتے ہیں ”اگرچہ ہر پڑھے اور بے پڑھے سندان کا یہ یکا عقیقہ ہے کہ آنحضرتؐ کا جسد اطہر مدینے کے حجرے میں دفن ہے لیکن میں یہ شبہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ جگہ بھی ویسی ہی مشتبہ ہے جیسی کہ بیت المقدس میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر۔“

#### جواب اعتراض نمبر (۱)

حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی نسبت البتہ شبہ ہو سکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسوی معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ صلیب دینے کے بعد حضرت مسیحؑ کی لاش ان کے ایک شاگرد یوسف نامی نے پلاطس سے مانگی اور اسے ایک قبر میں جو بہ اخلاقِ روا کسی چٹان یا کسی باغ میں کھودی گئی تھی رکھ کر قبر کے منہ پر ایک بڑا پتھر ڈھکھا دیا۔ مریم مگدینی اور یوسس کی ماں مریم قبر کے سامنے بیٹھی دیکھ رہی تھیں۔ یہودیوں نے اس خیال سے کہ

۱۔ پلاطس وہ مجسٹریٹ تھا جس نے یہودی علماء سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر کھینچنے کا حکم دیا۔  
۲۔ تو کا وہی چٹان میں قبر بتاتے ہیں جو جناب بلخ بیان کرتا ہے۔

۳۔ انجیل متی باب ۲۷ آیت (۵۰ تا ۶۱)

حضرت عیسیٰ کے شاگرد لاش کو چڑانہ لیجائیں اس قبر پر بھاری پہرہ مقرر کر دیا تھا مگر اس روز پہرے والے سپاہی ایک عید منانے میں مصروف ہو گئے تھے اور وہ قبر پر محفوظ حالت میں ہی چھوڑ دی گئی تھی یسوع کے روز مریم مگدالینی اور دوسری مریم جب قبر پر گئیں تو انہوں نے پتھر کو دھککا ہوا پایا اور قبر کے اندر لاش کا پتہ نہ تھا اس کے بعد ایک فرشتے کی شہادت پر ان دونوں عورتوں نے جناب سح کے شاگردوں کو مطلع کر دیا کہ آپ زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ نیز حضرت سح نے بھی اپنے شاگردوں پر ظاہر ہو کر اس کی تصدیق فرمائی۔

بیان مذکورہ بالا سے جوتی ولوتا دیو حنا کی انجیل سے اخذ کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کو ایک ہی آدمی نے دفن کیا تھا اور مقام قبر میں بھی اختلاف ہے کہ وہ کسی باغ میں تھی یا کسی چٹان میں۔ قبر پر پہرہ بھی تھیں تھا جس کی وجہ سے معتقدان سح اس کے پاس جا بھی نہ سکتے تھے اور قبر کو خالی دیکھنے والی بھی یہ اختلاف روایات دو تین ہی عورتیں تھیں اور حضرت سح صرف تین ہی دن قبر میں رہے اور یہ قبر دشمنوں کے علاقے میں واقع تھی جو اس کے مہدم کر دینے اور مٹا دینے میں بھی تامل نہیں کر سکتے تھے۔ پس ایسی قبر کا اگر پتہ و نشان کسی کو یاد نہ رہے اور اگر کسی فرضی گڑھے کو قبر سح مشہور کر دیا جائے تو کچھ حیرت کی بات نہیں ہے علاوہ ازیں چوتھی صدی عیسوی کے آغاز تک قبر سح یعنی ”ہولی سلیکر“ کا وجود تاریخوں میں نہیں پایا جاتا سب سے پہلے ۳۲۶ء میں ”قسطنطین“ اول شاہ روم نے اپنی ماں ملکہ

۱۔ یہودیوں کا اب بھی یہ خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو ان کے شاگرد قبر میں سے نکال لے گئے اور یہ مشہور کر دیا کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔ ہمارے زمانہ کے بعض مسلمان علما نے بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت سح صلیب کے بعد قبر سے نکال لیے گئے۔ اور تندرست ہو کر عرصہ تک زندہ رہے۔

۲۔ انجیل متی باب ۲۸۔ ۳۔ ”قسطنطین“ اول اپنے باپ کو نیسٹین ٹیس کلارکس کے مرنے کے بعد ۳۲۶ء میں روم کا بادشاہ ہوا۔ اس کو ایک جنگ کے وقت آسمان پر ایک آتش صلیب نظر آئی تھی اور یہ الفاظ دکھائی دیے تھے کہ ”اس صلیب کی خاطر فتح کر“ چنانچہ وہ عیسائی ہو گیا اور سلطنت روم کا مذہب عیسائی قرار دیا۔ ۳۲۶ء میں اس نے شہر قسطنطنیہ آباد کر کے اسے اپنی سلطنت کا پایتخت قرار دیا۔ ۳۲۹ء میں پیدا ہوا تھا اور ۳۳۷ء میں مر اس کو قسطنطین اعظم بھی کہتے ہیں۔

ہلینا کے ساتھ بیت المقدس کی زیارت کی اور وہاں "بشپ مکاریس" کی مدد سے قبر شریف جناب سیج (ہولی سیکر) اور صلیب عیسیٰ کا پتہ لگایا۔ حضرت عیسیٰ کے ساتھ جن دو قیدیوں کو صلیب دی گئی تھی۔ ان کی صلیبیں بھی اسی وقت برآمد ہوئیں مگر اصلی صلیب کی شناخت اس طرح کی گئی کہ ایک بیمار عورت نے اُس کو چھوا اور وہ تندرست ہو گئی اس معجزے سے ثابت ہوا کہ یہ اصلی صلیب ہے اس کے بعد قسطنطین اور اس کی ماں نے اس جگہ جہاں سے

۱۷۔ یہ ایک نان پائی کی لڑکی تھی جس کو روم کے سپہ سالار کوئسٹن کلاریس نے بیوی بنا لیا تھا یہ شخص شاہی خاندان کا ایک ممبر تھا تخت روم خالی ہونے پر بادشاہت کے لیے اس کا انتخاب کیا گیا مگر اس کے رسم و رواج کے لحاظ سے بادشاہ ایک ادنیٰ طبقے کی عورت سے تعلق نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے اس نے ہلینا کو طلاق دیدیا اور وہ اپنے لڑکے قسطنطین (اعظم) کے ساتھ نہایت رنج و غم کی زندگی بسر کرنے لگی۔ جب قسطنطین روم کا فرما نروا ہوا اور اُس نے مذہب عیسوی قبول کر لیا تو یہ بھی عیسائی ہو گئی۔ اور اپنے تئیں خدمت مذہب عیسوی کے لیے وقف کر دیا اور خاوند کے طلاق دیدینے کی وجہ سے جو گوشہ تنہائی میں پڑی ہوئی تھی اس سے باہر نکلی اور کوئی انٹی برس کی عمر میں بیت المقدس کی زیارت کے لیے اپنے فرزند قسطنطین اعظم کے ساتھ روانہ ہوئی اور اصلی صلیب کا پتہ لگایا۔ ہلینا بیت المقدس میں کچھ عرصہ تک رہی اور بیت الہم اور جبل زیتون پر گرجے بنوائے آخر روم کو واپس ہوئی اور ۳۲۷ء میں انٹی برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ عورت عیسائیوں میں بڑی بزرگ اور ولی سمجھی جاتی ہے اور اسی امتبار سے اس کو سینٹ ہیلینا کہتے ہیں۔

۱۸۔ اس صلیب کے برے بڑے واقعات ہیں نہایت مختصر یہ کہ ہیلینا نے اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ بیت المقدس کے پادری کو دیدیا اور دوسرا حصہ قسطنطین بھیج دیا۔ بیت المقدس اس وقت ہرقل شاہ روم کی سلطنت میں تھا ایرانی جوہر قل کی سرحد پر اکثر چھاپے مارا کرتے تھے صلیب کے اس ٹکڑے کو بیت المقدس سے لے گئے۔ ہرقل نے سنہ ۶۰۰ء میں جنگ کے بعد واپس لے لیا اور بغرض حصول برکت قسطنطینہ اس کو لا کر اولا کلیسہ اباصوفیہ کے گرجے کے مندرجہ پر رکھا۔ پھر بیت المقدس پہنچا دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں اور مجاہدین صلیب کے درمیان جوڑائیاں ہوئیں اور جنگاں لڑیں ۱۰۹۹ء سے ۱۲۹۱ء تک چلتا رہا۔ ان میں صلیب کا یہ ٹکڑا کبھی ادھر سے ادھر آیا اور ادھر سے ادھر گیا۔ (بقیہ مضمون برص ۱۶۹)

صلیب برآمد ہوئی تھی۔ مزار شریف اور ایک گرجا تعمیر کرادیا اور قبر جناب مسیح نمودار ہو گئی۔  
آنحضرتؑ کے مرقہ مبارک کی یہ حالت نہیں ہے متعدد اشخاص نے آپ کو دفن کیا۔ نمیناً  
۳۵ ہزار آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ نہ آپ کی قبر شریف مخالفوں کے علاقے میں تھی۔ نہ  
اس پر کوئی پہرہ مقرر کیا گیا تھا۔ نہ اس کے محل وقوع میں سلف سے آج تک کسی کو اختلاف  
ہوا بلکہ صحابہ ہمیشہ اس کی زیارت کرتے رہے۔ حضرت مسیح کی قبر سواتین سو برس تک لاپتہ رہی  
آنحضرتؑ کی قبر ایک دن بھی بے پتہ نہیں رہی۔

### اعترض نمبر (۲)

برٹن صاحب کہتے ہیں کہ ”آنحضرتؑ کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی مدینے میں ہاتل  
مچ گئی تھی اور لوگوں نے آنحضرتؑ کو غیر فانی سمجھ کر آپ کی وفات کا یقین نہیں کیا تھا۔ یہاں تک  
کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو دھکی بھی دی کہ اگر کوئی اس خبر کو سچ سمجھے گا تو قتل کر دیا جائے گا  
علاوہ ازیں آنحضرتؑ کا جسد (مبارک) ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ خلافت کے متعلق مہاجرین و  
انصار میں جھگڑا ہو گیا جس کے بارے میں شیعوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کے  
مکان کو جو اس جگہ سے جہاں اب روضہ (منورہ) ہے چند ہی قدم کے فاصلے پر واقع تھا آگ  
لگا دینے کی دھمکی دی گئی اور اسی رات کو حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنائے گئے۔

جواب نمبر (۲)۔ اس میں شک نہیں کہ آنحضرتؑ کی وفات سے مدینے میں

### (بقیہ حاشہ ص ۱۶۸)

صلیب کے دوسرے حصے میں سے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے عیسائی دنیا کے تمام بڑے بڑے گرجوں  
میں تقسیم کر دیے گئے اور یہ تبرک اب بھی بہت سے مقامات پر موجود ہے۔ چنانچہ حیدرآباد کے رہن کیتھولک  
عیسائیوں کے گرجے میں بھی اس صلیب مقدس کا ایک ٹکڑا کوئی پانچ انچ لمبا اور تین انچ چوڑا شیشے کے ایک  
فریم میں رکھا ہوا ہے۔ جو یوم صلیب مسیح کی تقریب میں نکالا جاتا ہے۔ یہ گنہگار بھی کئی مرتبہ اس کو آنکھوں سے  
لگا چکا ہے۔

”ایچ جین گین“ ”بک آف نائج“ ”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ ”سائیکلو پیڈیا آف انڈیا“ ”چمبرز انڈیا  
پیڈیا وغیرہ۔“



کھل بی ضرور مچ گئی تھی۔ مگر مسلمان آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ”انا البشر مثلكم تن چکے تھے اور قرآن شریف میں یہ آیت پڑھ چکے تھے کہ ”وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابکم“ ”یعنی محمدؐ بھی خدا کے رسول ہیں۔ جیسے ان سے قبل بنی گزرے ہیں اگر وہ مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم لوگ اپنے قدیم طریقے پر لوٹ جاؤ گے“ اس وجہ سے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان خلافت تعلیم قرآن آپ کو غیر فانی سمجھے ہوئے تھے۔ البتہ آنحضرتؐ کا مزاج ردِ باصلاح ہو جانے کے بعد جب کہ کسی کو اندیشہ نہ تھا کہ انتقال ہو جائیگا۔ وفات ہو جانے سے صحابہ حیران و ششدر ہو گئے تھے اب رہی انبیاء و شہداء کی حیات بعدِ موت وہ ایک دوسری چیز ہے اور وہ حیات مانعِ فنا سے جسمانی نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا آنحضرتؐ کی وفات کی خبر کو سچ نہ سمجھا یا اس کے یقین کرنے والے کو قتل کی دھمکی دینا ممکن ہے کہ فرط غم کے باعث ہو یا کسی سیاسی مصلحت پر مبنی ہو جیسا کہ اکثر بادشاہوں اور ناموروں کی موت کا اخفا کیا جاتا ہے اور نظم و عشق و انتظام قائم ہونے تک اس کا افشا خلافت مصلحت سمجھتے ہیں اسی طرح کیا عجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اس خیال سے کہ ملحد مرتد۔ یا منافق کوئی فساد برپا نہ کر دیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر مشہور کر دینا مناسب نہ سمجھا ہو مگر کچھ دیر بعد انھوں نے بھی وفات کا اعلان کر دیا۔ اور پھر وفات یا قبر شریف کے متعلق ان کو کوئی شبہ نہ رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کو وہاں دفن کیا اور خود بھی آنحضرتؐ کی پائنتی دفن ہوئے۔ اب رہا مسئلہ خلافت اور حضرت فاطمہؓ کے مکان کو جلانے کی دھمکی دینا یہ بالکل بے تعلق بات ہے اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ کا جسد اطہر حجرہ بنوی میں سپرد خاک نہیں کیا گیا۔

اعتراض نمبر (۳)

برٹن صاحب کہتے ہیں ”اگر کوئی شخص حیرت کرے کہ یہ ممکن نہیں کہ آنحضرتؐ جیسے مشہور

۱۔ میں بھی تمھارے مشکل آدمی ہوں۔

۲۔ یہ وہ واقعات سنی شیعوں میں مختلف فیہ ہیں۔ ان کے متعلق میں کچھ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا جو صاحب تفصیل معلوم کرنا چاہیں وہ کوئی تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔

شخص کی قبر لاپتہ ہو تو اس کو مدینے میں ہی ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً حضرت فاطمہؑ کی قبر مدینے میں تین جگہ بتائی جاتی ہے۔ حالانکہ ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی اور ائمہ (اہل ہار) کی والدہ ماجدہ کسی غیر مشہور قبر میں دفن نہ کی گئی ہوں گی۔

جواب۔ حضرت فاطمہؑ صلوات اللہ علیہا کی تجہیز و تکفین و تدفین ان کی وصیت کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ ان کے انتقال کی اطلاع کسی کو نہیں کی گئی تھی۔ ان کی نماز جنازہ میں حضرت علیؑ اور اہل بیت میں سے چند آدمیوں کے سوا اور کوئی شریک نہ تھا اور رات کے وقت آپ دفن کی گئیں تھیں۔ غالباً اس عدم تشہیر کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے چونکہ بہت سے دشمنان دین مارے گئے تھے اس لیے جنابہ فاطمہؑ کے مدفن کو ظاہر نہ کیا گیا کہ مہلک مقتول کفار کے درناؤ قبر شریف کی بے حرمتی کریں یہی سبب ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی قبر کی نسبت مختلف اقوال ہیں اور مختلف گیارہ مقام پر ان کا مدفن بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن جنابہ سیدہؑ کی قبر اطہر کی مثال حضرت سرور کائناتؐ کے مرقہ منورہ سے نہیں دی جاسکتی۔ جس کے محل وقوع اور جگہ کے تعین میں آنحضرتؐ کی تاریخ وفات سے آج تک کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ آپ کی تجہیز و تکفین کوئی مخفی طور پر عمل میں نہیں آئی تھی جس کے سبب اہل مدینہ کو آپ کے مدفن کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں یہ ضرور نہیں کہ اگر کسی مشہور و معروف شخص کی قبر کے تعین میں اختلاف ہو تو دوسرے مشاہیر کی قبروں کی نسبت بھی ہم شبہ کرنے لگیں۔

### اعتراض نمبر (۴)

برٹن صاحب کہتے ہیں کہ ابتداء سے آج تک آنحضرتؐ کی قبر کی وضع عالم اسلام میں کسی کو معلوم نہیں ہوئی یہی سبب ہے کہ بعض ممالک میں قبریں اُبھری ہوئی بنائی جاتی ہیں اور بعض جگہ اچھپی۔ اگر قبر (شریف) کی شکل معلوم ہوتی تو لوگ اُسی کو سنت قرار دے کر اُسی شکل کی قبریں بناتے اور پھر قبروں کی وضع میں اختلاف نہ ہوتا۔

جواب۔ حجرہ مبارک جس میں آنحضرتؐ دفن ہیں۔ ابتدائیں وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے مکان میں کھجوروں کی شاخوں سے بنا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسی حجرے میں وفات فرمائی۔ اور وہیں دفن کیے گئے اور حضرت عائشہؓ بھی بدستور اسی میں مقیم رہیں قبر شریف

اور ان کے گھر کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی مسلمان زیارت قبر شریف کے لیے آیا کرتے تھے۔ بعد میں حضرت عائشہؓ نے اپنے مکان اور قبر شریف کے بیچ میں ایک دیوار اٹھائی۔ اس کے بعد سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اسی میں دفن کیے گئے آنحضرتؐ کی قبر کے دیکھنے کا لوگوں کی اچھی طرح موقع ملا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب مسجد نبویؐ کی تعمیر کرائی تو سلسلہ میں حجرہ شریف کو کچی انیٹوں سے بنوا دیا اور اس میں ایک دروازہ بھی رکھا۔ جس میں داخل ہو کر زیارت کرتے تھے۔ دیوار میں ایک سوراخ بھی تھا اس میں سے ہاتھ ڈال کر لوگ تبرکات مقدسہ کی خاک بھی اٹھا لیا کرتے تھے زیارت بھی کر سکتے تھے۔ بعد ازاں سلسلہ میں حضرت عمرؓ اسی حجرے میں دفن کیے گئے اب پھر تمام اہل مدینہ کو حجرہ شریف میں داخل ہونے اور آنحضرتؐ کے مزار کے دیکھنے کا اچھی طرح موقع ملا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی سلسلہ میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ اُن کو اسی حجرے میں یعنی ان کے نانا کے پہلو میں یا جنت البقیع میں دفن کریں۔ جناب امام حسن علیہ السلام کی یہ وصیت خاندان رسالت کے ایک بڑے رکن ہونیکی وجہ سے اس امر کے ثبوت کے لیے کہ آنحضرتؐ اسی حجرے میں مدفون ہیں بہت اہم شہادت ہے۔ سید سمہودیؒ بروایت معتبر نقل کرتے ہیں کہ جب قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ نے اپنی بیوی بھی حضرت عائشہؓ سے ان قبروں کی زیارت کے لیے عرض کیا تو انھوں نے حجرہ کھول دیا قاسم نے تین قبریں دیکھیں جو نہ تو زاید بلند تھیں اور نہ زمین سے ملی ہوئی۔ یعنی کسی قدر اٹھی ہوئی چوٹی قبریں تھیں اور ان پر موضع عرصہ کے سرخ رنگ کے سنگریزے بچھے ہوئے تھے قبروں کی ترتیب یہ تھی کہ اول آنحضرتؐ کی قبر ان کے دوش مبارک کے محاذی حضرت ابوبکرؓ سر حضرت ابوبکرؓ کے کندھے کے نزدیک حضرت عمرؓ کا سر (خلاصۃ الوفا باب ۴ فصل ۱۰ ص ۱۲۱) علاوہ ازیں حدیث کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں سفیان ثوری اور ابو داؤد کی دو روایتیں موجود ہیں جن سے آنحضرتؐ کی قبر کا سطح یعنی چٹیا ہونا ثابت ہے۔ (نزہۃ الناظرین مولفہ جعفر برزنجی ص ۱۵۰) قاسم حضرت ابوبکرؓ کے پوتے اور جلیل القدر تابعی تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ان کے نواسے تھے۔ قاسم کی وفات سلسلہ میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

مطبوعہ: مطبعہ عالیہ مصر ص ۶۵

امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر ایک بالشت اونچی چوٹی پر تھی۔ ان امور کے متعلق وضع و ہیئت قبور کے زیر عنوان تفصیل سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت عمرؓ کا بنوایا ہوا کچی اینٹوں کا حجرہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ تک رہا نہ ۹۰  
میں ولید بن عبد الملک کے حکم سے عمر بن عبد العزیز حاکم مدینہ نے وہ حجرہ منہدم کر کے کچی  
اینٹوں سے حجرہ تعمیر کرایا اور اس کے باہر ایک اونچے منگن حجرہ بنوایا اور دونوں محروں میں  
کسی میں بھی دروازہ نہ رکھا اس وقت سے قبر شریف حضرت سرور کائناتؐ زائروں کی  
نگاہ سے پوشیدہ ہو گئی۔

بیان مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ ۹۰ء تک یعنی آنحضرتؐ کی وفات سے جو اسی میں  
ہوئی انہی برسوں تک حضرت عمرؓ کا بنوایا ہوا حجرہ قائم رہا۔ اس وقت تک آنحضرتؐ کا مقبرہ صاف  
اور دونوں صحابہؓ کی قبریں یا نگاہ خاص و عام میں اور حجرے کا دروازہ کھول کر اور اس کی دیوار کے  
سورخ میں سے لوگ زیارت کرتے رہے اور آنحضرتؐ کی قبر شریف کی وضع و شکل کی زیارت سے  
مشرف ہوتے رہے اس پر برٹن صاحب کا یہ کہنا کہ  
”ابتداءً اسلام سے آنحضرتؐ کی قبر کی وضع کسی کو معلوم نہیں“  
سخت غلطی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ آنحضرتؐ کی قبر کی وضع سنت سمجھ کر تمام اسلامی ممالک میں اسی وضع کی  
۱۔ ولید بن عبد الملک خاندان بنی امیہ کا چٹا خلیفہ تھا۔ ۸۶ء ہجری میں سخت تشن ہوا  
تھا۔ اس کے زمانہ میں مسجد نبویؐ کی توسیع و حجرہ شریف کی تعمیر ہوئی۔ جس کی ابتداء  
۸۸ء ہجری میں اور اختتام ۹۰ء ہجری یا ۹۱ء ہجری میں ہوا۔ ولید کی وفات  
۹۰ء ہجری میں ہوئی۔

۲۔ عمر بن عبد العزیز خاندان بنی امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے اور اس تمام خاندان میں نہایت نیک  
و صالح سال خلیفہ رہے۔ ۱۰۱ء ہجری میں وفات پائی۔



قبریں کیوں نہیں بنائی جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت اس کام کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے خود کیا یا جو کام آپ کے سامنے کیا گیا اور اس کو آپ نے منع نہ فرمایا۔ اس اصول سے آنحضرت ﷺ کی قبر جو بعد وفات بنائی گئی اس کی وضع سنت نہیں کہلا سکتی اور نہ اسکی اتباع واجب ہے۔ اس وجہ سے مختلف ممالک میں مختلف شکل کی قبریں بنائی جاتی ہیں۔ البتہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ وغیرہ کی قبریں جس وضع کی بنوائی تھیں وہ سنت کہلا سکتی ہے۔ مثلاً اہم مختصر طور پر دو ایک بزرگواروں کے حالات دفن لکھتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قبرستان جنات البقیع میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون صحابی مہاجر دفن ہوئے۔ جن کا سنہ وفات باختلاف روایات ۲ یا ۳ء ہے۔ ان کی قبر کی نسبت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لحد بنائیں۔ دفن کر دینے کے بعد ایک پتھر بچ رہا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر قبر کے سرہانے نصب کر دیا۔ جب سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ نے جدی الثانی ۹ ہجری میں چھ مہینے کی عمر میں وفات پائی تو حسب الارشاد آنحضرت ﷺ ان کو عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قبر ابراہیم پر مٹی دالی۔ پانی چھڑکا۔ اور سنگریزے بطور بندش کے جا کے مذکورہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے کہ قبر کا لحد بنانا ہو سکے تو سرہانے کوئی پتھر نصب کرنا قبر پر مٹی ڈالنا۔ پانی چھڑکنا اور قبر کے حاشیہ پر بندش کے طور پر پتھر کے ٹکڑے جا دینا سنت ہے۔ قبر کی بیرونی ساخت کے متعلق مسلح کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر اول مسلح تھی۔ عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کے وقت جب دیوار کی مٹی قبر پر گری تو وہ کسی قدر اونچی ہو گئی۔ اسی سبب سے اسلامی ممالک میں مسلح اور ڈھلوان دونوں وضع کی قبریں بنائی جاتی ہیں اور دوسرے امور یعنی لحد بنانا۔ پانی چھڑکنا۔ وغیرہ بطور سنت انجام دیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام نے انسداد قبر پرستی کے خیال سے قبر کی شکل و وضع کو بہت ہی ناقابل التفات شے قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر سچے قبروں سے جو خلاف سنت ہوتی ہیں۔ کچی قبریں فصل سمجھی جاتی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی اصل قبر شریف بھی کچی ہی قبر ہے جس پر نہ کتبہ ہے نہ لوح نہ تعویذ۔ اور ہے یہ کہ جو چیز فنا ہونے والی اور مٹ جانے والی ہے اس کے قیام کی فکر کرنا اور اس کی ظاہری وضع قطع کو زیادہ اہمیت دینا ہی عبث ہے۔ حضرت درو نے خوب

کہا ہے :-

اہل فنا کو نام سے ہستی کے تنگ ہے  
لوح مزار بھی مری چھاتی پر تنگ ہے

اعتساف نمبر (۵)

برٹن صاحب کہتے ہیں کہ ”علی العموم سب لوگوں کا خلیل ہے کہ حجرہ (مبارک) میں  
تینوں قبریں اس طرح بنی ہوئی ہیں۔

قبر بنی ۱

قبر ابو بکرؓ

قبر عمرؓ

مگر مسلمان مؤرخ اس سیدھی سادھی بات پر بھی متفق نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ  
حجرہ شریف میں تینوں قبریں برابر برابر اس طرح بنی ہوئی ہیں۔

قبر بنی ۲

قبر ابو بکرؓ

قبر عمرؓ

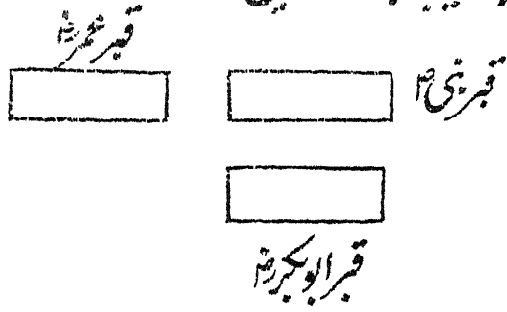
کوئی کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر آگے ہے اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبر اس کے  
پیچھے یعنی اس طرح

قبر بنی ۳

قبر عمرؓ

قبر ابو بکرؓ

بعض مورخ یہ ترتیب بتاتے ہیں۔



جواب۔ یہ بات مسلمان مورخوں کی انتہا درجے کی صاف بیانی و حق گوئی کی دلیل ہے کہ وہ کسی واقعہ کی نسبت صرف اُسی روایت پر اکتفا نہیں کرتے جو تحقیق کے بعد ان کو صحیح معلوم ہو بلکہ اس واقعہ کی نسبت اُن کو جس قدر روایتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ بلا لحاظ قوی و ضعیف سب لکھ دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اکثر مورخین اصول روایت کے اعتبار سے روایت کے ضعف و صحت کی بھی صراحت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ترتیب قبور حجرہ شریف کے متعلق جو مختلف روایتیں آئی ہیں۔ ان سب میں بالاتفاق تمام مورخ شکل اول ہی کو صحیح سمجھتے ہیں جس کے راوی نہایت معتبر ہیں اور سلسلہ روایت حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے جس کی صراحت جواب نمبر (۴) میں کی جا چکی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان قبروں کی مختلف ترتیب لوگوں نے کیوں بیان کی اور سب نے ایک ہی ترتیب کے ساتھ ذکر کیوں نہ کیا۔ اس کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ ایک عرصہ کے بعد قلم بند کیا جاتا ہے اور روایت در روایت کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے تو اکثر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی ترتیب وغیرہ میں اختلاف ہو جایا کرتے ہیں۔ امتداد زمانہ کے باعث روایتوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا تو بالکل بدیہی و لازمی بات ہے۔ لیکن اگر کسی واقعہ کے پیش آتے ہی بلا توقف و فی الفور دس آدمی چشم دید حالات بیان کریں تو دس آدمیوں کی دس باتیں ہوں گی۔ اور اس قسم کی سیدھی سادھی باتوں میں وہ بمشکل متفق ہو سکیں گے اگر ایک ہی گھر کے رہنے والوں سے ان کے مکان کے دروازوں ریڑھیوں اور طاوٹوں کی ترتیب و تعداد کے بارے میں سوالات کیے جائیں تو ممکن نہیں کہ ان کے بیان میں اختلاف نہ ہو میرے خیال میں دنیا میں ایسے بہت کم لوگ نکلیں گے جن کو اپنے ہڑواڑ کی تفصیل

اور اپنے باپ دادا کی قبروں کی تریب ٹھیک ٹھیک یاد ہو۔ پس حجر شریف کی قبروں کی ترتیب کے بیان میں بھی اگر اختلاف ہوا تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ برٹن صاحب نے تو قبروں کی صرف چار ہی شکلیں دکھائی ہیں ہم مختلف آٹھ شکلیں اور پر تحریر کر چکے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب ایک پہلی ہی شکل کے مختلف نقشے ہیں۔ جو ذرا ذرا سے سہو نظری کے باعث راویوں نے قائم کر دیے ہیں۔ یہ فقر بھی انھیں قبروں کو حاصل ہے کہ ان کی تفصیل و تشکیل کے ساتھ ان کی ترتیب کے متعلق بھی علماء نے تحقیق اور چھان بین کی ہے ورنہ دنیا کے بہت سے پیغمبروں پیشواؤں اور بانیان مذہب کی قبروں کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کہاں ہیں اور کسی میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مسلمان اس قسم کے تبرک مقامات میں پہنچ کر کسی اور ہی عالم میں پہنچ جاتے ہیں۔ اُس وقت تصور اور مراقبہ اُن کو اینٹ پتھر کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کی اندرونی حالت مسلمانوں سے بہتر بعض عیسائیوں نے لکھ دی ہے۔ مسلمان وہاں ہیبت کے مارے ادھر ادھر دیکھ نہ سکے۔ خدا کے خوف سے لرزتے۔ کانپتے۔ روتے۔ دھوتے رہے۔ اور عیسائیوں نے انھیں بھاڑ بھاڑ کے سب کچھ دیکھ لیا کہ دیوار پر غلاف کس کپڑے کا ہے۔ چھت میں کتنے شہتیر ہیں اور قندیلیں سونے کی ہیں یا چاندی کی۔

### اعتراض نمبر (۶)۔

برٹن صاحب کہتے ہیں۔ اس بارے میں علماء کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ سمہودی جو سب سے زیادہ معتبر مورخ ہیں۔ اپنے قول کی خود تردید کرتے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ”آنحضرتؐ صندوق میں دفن ہیں اور بقول برکھارٹؒ سمہودی کے یہ الفاظ ہیں۔

۱۔ سید سمہودی اور ان کی تالیفات کا ذکر اس کتاب کے شروع میں کیا جا چکا ہے۔

۲۔ برکھارٹؒ باشندہ سوئٹزرلینڈ نے ۱۸۹۱ء میں سفر حجاز کیا تھا۔ یہ عربی سیاحوں کا بادشاہ کہلاتا ہے

اس کی تصانیف میں سفرنامہ عرب۔ سفرنامہ شام۔ سفرنامہ لوبہ۔ اور بدویوں اور وہابیوں کے حالات بہت

مشہور ہیں۔ اس کے سفرنامہ عرب کا ترجمہ یہ درویش اردو میں مکمل کر چکا ہے۔ جس کی پہلی جلد حیدر آباد دکن کے

مطبع تاج میں طبع ہو چکی ہے۔ برکھارٹؒ کا سفرنامہ عرب اس کی وفات کے بعد (بقیہ مضمون بر ص ۱۸)



”پردے سے ڈھکا ہوا سپاہ پھر کا ایک مربع جھوسہ ہیں کے اندر  
 آنحضرتؐ اور دو صحابہ کی قبریں ہیں جو بہت گہری ہیں اُس صندوق پر  
 جس میں آنحضرتؐ دفن ہیں چاندی منڈھی ہوئی ہے اور اُس کے ڈھکنے پر  
 سنگ مرمر کا کتبہ نصب ہے۔ جس پر بسم اللہ اور اَللّٰهُمَّ  
 صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِهِ ہے۔“  
 دوسرے مقام پر یہودی کہتے ہیں کہ:-

”۸۹۲ء میں جب قائد بے نے حجرہ شریف کی مرمت کرائی تھی تو میں  
 حجرے میں داخل ہوا اور اُس کے اندر تین گہری قبریں دیکھیں جو  
 بلے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ مزاروں کا وہاں کوئی نشان نہ تھا۔ جب  
 طلبہ ہٹا یا گیا تو بڑی مشکل سے آنحضرتؐ کی قبر معلوم ہوئی۔“  
 تعلقشندی کہتے ہیں کہ:-

”حجرہ مبارک کے اندر آنحضرتؐ اور خلیفہ اول و دوم کی قبریں ہیں  
 اور آنحضرتؐ کے مرتد پر سنگ مرمر کا ایک چوکا نصب ہے۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷)

مرتب ہوا تھا۔ اس لیے غالباً حجرہ شریف کے حالات میں مرتب کنندگان نے کچھ تحریف  
 کر دی ہے۔ ورنہ برکھارٹ جیسے محقق سے یہ امر بعید تھا کہ وہ یہودی کا مطلب نہ سمجھتا  
 یا غلط بیانی کرتا۔ برکھارٹ نے اپنے سفرنامے میں تاریخوں کے جو حوالے دیے ہیں  
 اکثرہ صحیح ہیں۔ اور واقعات مندرجہ سفرنامہ کی میں نے خود حجاز میں تطبیق کی اور ان کو  
 اکثرہ صحیح پایا۔

۱۔ تعلقشندی کا پورا نام الشیخ ابی الجاس احمد التعلقشندی المصری ہے۔ ان کی کتاب  
 ”صبح الاغشی فی صناعة الانشا فن انشا میں بے مثل و بے نظیر کتاب ہے۔ جو چودہ جلدوں میں مصر میں  
 چھپی ہے اس کا ایک فقرہ برٹن صاحب نے لے کر بعد تحریف پیش کر دیا ہے۔ تعلقشندی کی وفات  
 ۸۹۲ء میں ہوئی۔

ابن جبیر جنہوں نے سن ۵۸۰ھ میں زیارت کی تھی تحریر کرتے ہیں کہ:-  
 ”آنحضرت کا تابوت آنوس کا ایک صندوق ہے جو صندوق کی لکڑی سے  
 ڈھکا ہوا ہے اور اس پر چاندی کے پتھر چڑے ہیں وہ ایک پردے کے  
 پیچھے رکھا ہوا ہے اور اس کے چاروں طرف لوہے کی جالی بنی ہوئی ہے۔  
 (سفرنامہ برٹن جلد اول صفحہ ۳۲۳ و ۳۲۴)

**جواب۔** اگرچہ برٹن صاحب نے سید سہودی رتلق شندی اور ابن جبیر کے بیانات کا  
 اقتباس و ترجمہ غلط لکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ علماء کو قبر شریف کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر  
 پھر بھی ان کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اور قبر شریف کا فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تینوں  
 مورخین متذکرہ کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ اسی مقام پر دفن ہیں اور قبر مبارک  
 اسی حجرے میں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آیا زمین میں دفن ہیں یا صندوق میں۔ یہ بھی ہم  
 ابھی ثابت کر دیتے ہیں کہ اس امر میں بھی علماء کو اختلاف نہیں ہے۔ صرف برٹن صاحب  
 کی عدم قابلیت یا تعصب نے ان کو صحیح مطلب سمجھنے سے قاصر رکھا ہے۔ قبل اس کے کہ  
 آنحضرتؐ کے صندوق میں دفن ہونے نہ ہونے کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ مناسب معلوم  
 ہوتا ہے کہ پہلے حجرہ شریف اور اس صندوق کی مختصر کیفیت تحریر کریں تاکہ اس بات کے  
 سمجھنے میں آسانی ہو کہ صندوق یہ بحث کیا چیز ہے وہ کہاں رکھا ہوا تھا اور کس لیے۔ اگرچہ  
 ہم مختلف عنوانوں کے تحت میں حجرہ شریف، غلاف، گیلری، جالی مبارک، مواجہہ شریفہ  
 اور صندوق صندوق کے حالات بالتفصیل پہلے تحریر کر چکے ہیں مگر محض اس خیال سے کہ  
 بیان میں الجھن نہ ہو جائے یہاں بھی اس قدر اعادہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حجرہ شریف

۱۔ محمد ابن جبیر اندلسی قدیم سیاحوں میں بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ سن ۵۲۰ھ ہجری میں بمقام  
 بلنسیہ پیدا ہوئے تھے۔ سن ۵۸۰ھ ہجری میں حج و زیارت کی۔ اور سن ۶۱۰ھ ہجری میں بمقام  
 اسکندریہ وفات پائی۔ ان کا سفرنامہ نہایت معتبر و مستند کتاب ہے۔ جو سن ۵۲۰ھ ہجری میں  
 بمقام لیڈن واقع جرمنی عربی میں طبع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ مولوی احمد علی صاحب شیخ رامپوری  
 نے اردو میں بھی کر دیا ہے۔

جس میں آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں ہیں اور جس پر گنبد خضرا قائم ہے سب طرف سے بند ہے۔ اس کے گرد ایک نمس شکل کا سنگین احاطہ ہے۔ اس میں بھی کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اس کی دیواروں پر اوپر سے نیچے تک غلاف پڑا رہتا ہے۔ اس نمس کے بعد کہیں دو ڈھانی گز اور کہیں تین چار گز جگہ بطور گردش یا گیلری کے چھوڑ کر چھ گز اونچی ٹوہلی ہوئی سبز جالی نصب ہے۔ گیلری کی چھت میں قندیلیں اور فانوس لٹکے ہوئے ہیں اور گیلری کے فرش پر صندوق صندل شمدان۔ اور عود سوز وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ جالی میں چار دروازے ہیں مگر صرف ایک دروازے سے خدام گیلری کی صفائی دروشتی کے لئے اس جالی کے اندر داخل ہوتے ہیں اور صرف گیلری میں چل پھر سکتے ہیں۔ یا حجرے کی دیواروں کو باہر سے چھو سکتے ہیں حجرے کے اندر جانے کے لیے نہ کوئی دروازہ ہے نہ جھانکنے کے لیے کوئی کھڑکی نہ روشندان۔ عام زائرین کو اس جالی کے اندر جانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ کبھی کبھی بعض مقدس و متمول اشخاص کو بطور خاص جالی کے اندر جانے کی اجازت مل جاتی ہے۔ البتہ جالی کے بیچ میں ایک ایک بالشت گول کئی کھڑکیاں ہیں ان میں سے جھانک کر زائرین جالی کے اندر کی کیفیت اور اس گیلری کی حالت معلوم کر سکتے ہیں۔ صندوق زیر بحث اسی جالی کے اندر منہلہ اور تحائف کے رکھا ہوا تھا۔ جس سے غرض یہ تھی کہ صندل محفوظ رہے۔ حجرہ اس کی خوشبو سے محط ہو۔ آنحضرتؐ کے سر جانے کی تمیز ہو سکے اور زائرین اس کے مقابل کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھیں۔ اگلے زمانہ میں اس صندوق کو صندوق مواہبہ شریفہ یعنی آنحضرتؐ کے سر جانے کی سمت ظاہر کرنے والا صندوق کہتے تھے اور آج کل اس کو صندوق صندل کہتے ہیں۔ جعفر برزنجی مدنی مولف کتاب نزہۃ الناظرین اس کے ذکر میں سمہودی و ابن جبیر کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کچھ عجیب نہیں کہ اس صندوق کی ابتداء حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی ہو اس کے بعد دوسرے سلاطین و خلفائے بھی اس کی پیروی کی۔

(نزہۃ الناظرین، جعفر برزنجی ص ۲۷ و ۲۸)

زمانہ قدیم سے آج تک روغنہ کے اندر صندوق صندل رکھنے کا دستور چلا آ رہا ہے

چنانچہ اس زمانے میں بھی جالی کے اندر ایک صندوق اسی غرض سے رکھا ہوا ہے۔ زمانہ حال کے سیاحوں نے اپنے سفرنامے میں اس صندوق کا ذکر کیا ہے اور صاحب کتاب ”الکینہ باخبار المدینہ“ نے حجرہ شریف کے جو تین نقشے اپنی کتاب میں دیے ہیں ان میں جالی کے اندر یہ صندوق رکھا ہوا دکھایا ہے۔ ۱۲۳۵ھ میں خود میں نے بھی یہ صندوق دیکھا ہے جس کا ذکر مواجہہ شریفہ کے ضمن میں کیا ہے۔ اس ستون کو جس کے نیچے یہ صندوق رکھا ہوا ہے ”اسطوانة الصندوق“ کہتے ہیں۔ یہ سمجھ رہی تھی کہ اس صندوق کا ذکر حجرہ شریف کے بیان میں کیا ہے وہ بھی صندوق ہے۔ جس کو برٹن صاحب نے خوش فہمی سے تالوت سمجھ لیا۔ مزید توضیح کے لیے مورخ مدوح کی تاریخ خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفیٰ کی ہم اصل عربی عبارت یہاں نقل کرتے ہیں۔

اما علامة جهة الرأس الشريف فصندوق مصفح بالفضة باصل الاسطوانة الثلاث مربعة بجائز القبر الشريف عند نهاية الصفحة الغربية منه مما يلي القبلة في صفت اسطوانة السرير واسطوانة التوبة ولم اعلم ابتداء حدثه واقد مر من ذكره ابن جبيل في مرحلة وكانت قبل الحريق الاول عام ثمانين وخمسائة وقال انه قبالة الرأس النبي صلى الله عليه وسلم (قلت) وفيه تجويز فقل ظهرا لنا انهم في محاذاته الجدار الداخل القبلي واللحد الشريف الى جدار الملوك كور كما سيأتي والاصل في ذلك ما رواه جعفر بن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه عن جلاله رضي الله عنهم انه كان اذا جاء يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وقف عند الاسطوانة التي تلي الروضة اي وهي المتقدمة ثم يقول ههنا اس رسول الله صلى الله عليه وسلم والمراد منه ما قد هنا وكان فوق هذا الصندوق قامة من خشب يحيط بما ظهر من الاسطوانة الى اس اعلى رخام الحجارة مختم مصفح

۱۔ اس کے مولف مولوی عمر صبغة اللہ صاحب ہاجر ساکن مدراس ہیں جنہوں نے ۱۳۲۵ھ میں زیارت مدینہ منورہ کی تھی۔



بصفاً الفضة الموهبة فلما احترق مع الصندوق في الحريق الثاني اعيد  
الصندوق وجعل موضع القائه مخاضاً كتب فيه البسملة والتسليم  
على النبي صلى الله عليه وسلم وغير ذلك

(خلاصۃ الونا باخيار داس المصطفی مولفہ دہلوی مطبوعہ  
مطبع میرٹھ کائنۃ مکر باب چھاسام فصل ۱۱ ص ۳۴۱)  
ترجمہ عبارت مذکورہ بالا کا یہ ہے۔

سرسارک کی سمت کی علامت ایک صندوق تھا جس پر چاندی کے پتر  
جڑے ہوئے تھے اور وہ اس کھم کے نیچے رکھا ہوا تھا جو غربی دیوار کے  
سرے پر قبر شریف کے متصل ہے اور یہ مقام ستون سرسید اور ستون توبہ کے  
سلسلے میں ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس کی ابتداء کب ہوئی تھی سب سے  
پہلے ابن جبیر نے اس کا ذکر اپنے سفر نامے میں حریق اول سے قبل  
۳۸۵ ہجری میں کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت مسلم کے  
سر جانے کی علامت ہے۔

میں کہتا ہوں اور ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ (صندوق) دیوار داخل قبر  
اور لحد شریف کے محاذی تھا جو دیوار مذکور کی طرف ہے جیسا کہ اب ذکر  
آتا ہے اور اس کی اہلیت اس روایت سے ہے جو جعفر ابن محمد ابن سنی  
بن حسین رضی اللہ عنہم نے اپنے پدر بزرگوار و جد امجد سے روایت کی ہے

۱۔ جعفر صادق علیہ السلام سلسلہ امامت اثناعشری کے لحاظ سے چھٹے امام ہیں۔ ۳۲ ہجری میں  
پیدا ہوئے اور ۴۸ھ میں زہر سے شہید کیے گئے۔

۲۔ آپ پانچویں امام ہیں۔ آپ کے لقب باقر و ہادی وغیرہ ہیں۔ ۵۷ھ میں آپ تولد ہوئے مگر کربلا میں  
آپ تین سال کے تھے ۶۸ھ میں زہر سے شہید کیے گئے۔

۳۔ آپ کا نام علی بن حسین اور لقب زین العابدین۔ سجاد اور یار کربلا وغیرہ ہیں۔ آپ چوتھے امام ہیں  
۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں زہر سے شہید کیے گئے۔

وہ یہ کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے تو اس کھم کے پاس ٹھہر جا کر تے تھے جو روضہ کے قریب ذرا آگے کی طرف ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک ہے اور اس سے اُن کی مراد وہی مقام ہے۔ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا اور اس صندوق کے اوپر لکڑی کی ایک تختی منقش آویزاں تھی اس پر چاندی کے چمکدار پتھر چڑے تھے اور اس سے حجرے کے اندر والے سنگین ستون کا بالائی حصہ اڑ میں آگیا تھا جب دوسری آتشزدگی میں یہ تختی مع صندوق کے جل گئی تو دوسرا صندوق رکھ دیا اور اس تختی کی جگہ سنگ مرمر کا ایک چوکا لگا دیا۔ جس پر بسم اللہ و صلوٰۃ و سلام وغیرہ لکھ دیا گیا تھا۔“

برٹن صاحب کی خوش فہمی پر ناظرین غور فرمائیں۔ یہودی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ مفہوم کہاں ہوتا ہے کہ آنحضرت صندوق میں دفن ہیں۔ ہم نے مانا کہ برٹن صاحب نے تاریخ یہودی خود نہیں دیکھی تھی بلکہ برکھارٹ کے سفرنامے سے یہودی کا حوالہ دیدیا ہے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے سفرنامہ کی جلد اول صفحہ ۳۲۳ و صفحہ ۳۲۴ میں تحریر کیا ہے مگر یہ امر ایک محقق مورخ کی شان سے بہت گرا ہوا ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کسی کتاب کا غلط حوالہ دیدے اور وہ بھی ایسے اہم امر کے متعلق۔ اس سے برٹن صاحب کی تحقیقات اور برکھارٹ کی عربی دانی آئینہ ہو گئی۔ چونکہ عیسائی عموماً صندوق میں دفن کیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں قبر کے ذکر کے ساتھ صندوق کا لفظ بھی جو آگیا تو برٹن صاحب کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو گیا کہ آنحضرت ۴ صندوق میں دفن ہیں۔ اور ساتھ ہی تابوت کی مناسبت سے سنگ مرمر کے چوکے کو کتبہ سمجھ لیا اور یہ تصور کر لیا کہ جس طرح عیسائیوں کے تابوت پر متوفی کا نام و سنہ و ولادت و وفات وغیرہ عبارت لکھ دی جاتی ہے ایسے ہی آنحضرت ۴ کے تابوت پر بسم اللہ اور اللہم صل علی کاندہ ہے۔

اسی صندوق کا ذکر ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے جس کا حوالہ یہودی کے

بیان میں بھی موجود ہے۔ اور اس جگہ بھی برٹن صاحب نے ثابت سمجھا ہے: خیال مسٹر برٹن سمہودی کی متضاد بیانی کی کامل صراحت کر چکے کے بعد ہم ابن جبیر کی عربی عبارت پیش کر کے برٹن صاحب کی عربی دانی پر روشنی ڈالیں گے۔ سر دست ان کے اعتراض کے دوسرے جز کی توضیح کی جاتی ہے۔ جس کو انھوں نے سمہودی کی اختلاف بیانی سے تعبیر کیا ہے۔

۸۸۰ء میں سلطان قائد بے (قائمیائی) مصری کے زمانے میں حجرہ شریف کی مرمت کے وقت سمہودی کو جو شریف باریابی، حامل ہوا تھا اس کا ذکر انھوں نے اپنی کتاب ”خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ“ کے باب ۴۴ فصل ۱۲- میں کیا ہے جس کا ترجمہ و اقتباس حسب ذیل ہے۔

”شعبان ۸۸۱ء میں دوسری آتشزدگی سے قبل سلطان مصر قائد بے نے حجرہ شریف کی دیواروں کی ترمیم کرانے اور بجائے چھت کے گنبد تعمیر کرانے کے لیے شمس ابن زمین کو مدینہ منورہ روانہ کیا اور بعد صلح و مشورہ علما وقت حجرے کی دیواروں کو جو بعض جگہ سے شق ہو گئی تھیں منہدم کیا گیا اور دیواروں کا ملبہ جو قبور شریف پر گر گیا تھا جب صاف کر دیا گیا تو اندھا سے توفیق حسن ادب و تنظیم کے لیے دعا کر کے حجرے کے پیچھے کی جانب سے میں اندر گیا اور بعد صلوٰۃ و سلام و تشفع و توسل میں نے حجرے پر نظر ڈالی اور اس خیال سے کہ اُن مشتاقوں کے لیے بھی جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں ایک تحفہ لے جانا چاہیے۔ میں نے اپنی آنکھوں کو اس تبرک مقام سے متمتع کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس حجرے کی سطح ہوا زمین ہے اور قبور شریف کے اُس میں کوئی آگ نہیں ہے۔ حجرے کے بیچ میں ایک جگہ کسی قدر بلند تھی لوگوں نے خیال کیا کہ یہی مقام قبر شریف ہے اور بعض لوگوں نے تبرک اُس جگہ کی خاک اٹھائی مگر ان کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک بردایت معتبر حجرے کی دیوار کے قریب ہے

۱- توضیحاً ملاحظہ ہو مضمون تحت عنوان ”مزار اقدس کی مرمت سلطان قائد بے کے زمانے میں“

نہ کہ بیچ میں۔ اس کے بعد حجرے کی قبلہ رخ دیوار کے نزدیک حسبِ حالات  
واقعات مشہورہ قبریں بنادیں اور ایک حجرہ دگبند تعمیر کر دیا۔ اس حجرے کی  
دیوار شمالی کے وسط میں ایک چھوٹی سی کھڑکی رکھی گئی تھی جس سے خود مختار  
وغیرہ حجرہ شریف میں سگاتے تھے جب بعض لوگ نیتیں مرا دیں ماننے کیلئے  
درخواستیں لکھ لکھ کر اس کھڑکی میں سے حجرے کے اندر ڈالنے کے لئے لوگوں  
کھڑکی کو بھی بند کر دیا۔ اس عمارت کی تکمیل ۱۸۸۱ء میں، ۱۷ شوال ۱۲۹۸ھ کے  
دن دوسری آتشزدگی سے قبل ہوئی۔“

(تاریخ سہودی مطبوعہ میرپور کہ ۱۲۹۸ تا ۱۵۲۸)

سہودی کے بیان مذکورہ بالا میں اور اس بیان میں جو رٹن صاحب نے نقل کیا ہے  
اخلاف ہے۔ سہودی کی اصل عبارت میں یہ فقرہ نہیں ہے کہ

”تین گہری قبریں دیکھیں“

برخلاف اس کے سہودی فرماتے ہیں کہ

”حجرے کی سطح ہوا زمین ہے۔“

سنہ تعمیر بھی برٹن صاحب نے غلط تحریر کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۸۸۱ء کا ہے نہ کہ ۱۸۹۲ء کا  
برٹن صاحب نے اس تعمیر کو دوسری آتشزدگی کے بعد کی تعمیر ظاہر کیا ہے۔ وہ تعمیر  
۱۸۸۱ء میں ختم ہوئی تھی۔ اس آگ سے حجرہ شریف بالکل صحیح و سالم رہا تھا اور اس وقت  
اس کے اندر کوئی داخل بھی نہیں ہوا تھا۔

آثار قبور کی عدم موجودگی کے متعلق سہودی کا بیان بالکل صحیح و قرین قیاس واقعہ  
ہے۔ کچی قبریں جو بلند یا ابھری ہوئی نہ ہوں اور جن پر مزار لوح و کتبہ وغیرہ کچھ نہ ہو اور جو  
سینکڑوں برس تک موسم و آب و ہوا کے مختلف تغیرات تری۔ منی وغیرہ سے متاثر ہو چکی  
ہوں۔ جب ان پر دیواروں کا ملبہ گرے اور اس کو صاف کیا جائے تو بجز اس کے کہ وہاں  
سطح زمین برآمد ہو اور کیا دکھائی دے سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہاں قبریں

۱۸۸۲ء میں پہلی آتشزدگی کے وقت حجرے کی چھت گر گئی تھی اور حجرہ شریف (تقریباً ۱۸۸۲ء)



کبھی تھی ہی نہیں۔ اور آنحضرتؐ وہاں دفن ہی نہیں ہوئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حجاز کی مٹی میں اونچ بہت کم ہوتا ہے اور شوریت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے سیاح اس بات پر متفق ہیں کہ وہاں کے مکانات وغیرہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتے۔ یہاں تک کہ سوسو اسو برس کا کوئی خام مکان بھی شاذ و نادر ہی وہاں دکھائی دیتا ہے۔ ایسے مقام پر بسبب امتداد زمانہ اگر قبروں کا بالائی حصہ بالکل مٹ جائے تو حیرت کی بات نہیں ہے۔ یہاں ہندوستان کے ہر قبرستان میں ہزاروں کچی قبریں بنتی رہتی ہیں اور باوجودیکہ وہ اونچی بھی ہوتی ہیں اور ان پر چوڑے بھی اکثر بنادیتے ہیں مگر عموماً دلوں میں ان کا اونچی حصہ مٹا کر زمین کے برابر ہو جاتی ہیں۔ کیا اس قسم کی قبروں کو فرضی قبر کہا جاسکتا ہے۔

اب قلعشندی کے بیان کے متعلق ہم کو غور کرنا ہے کہ آیا دراصل قلعشندی کا ہی بیان ہے یا کیتان برٹن صاحب نے اس میں بھی کچھ کتبہ بیونت کر دی ہے۔ قلعشندی کا نام شیخ ابی العباس احمد قلعشندی ہے۔ ان کی تصانیف میں صرف دو کتابیں مشہور ہیں ایک ”نہایت الادب فی معرفۃ القبائل العرب“ جس میں عرب کے مختلف قبیلوں کا شجرہ نسب و سلسلہ خاندان درج ہے۔ دوسری تصنیف ”صبح الاعشی فی صناعة الانشا“ ہے جو ۸۱۴ھ میں تالیف ہوئی۔ یہ فن انشاء پر ایک بے مثل تالیف ہے اور چودہ ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ اس میں فن انشاء کی ضرورت کے لحاظ سے تمام دنیا کی اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ و جغرافیہ بھی ہے۔ برٹن صاحب نے اسی کتاب سے استدلال کیا ہے اور قلعشندی نے مدینہ منورہ کے حالات میں بہ ضمن ذکر مسجد نبویؐ حجرہ شریف کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک فقرہ لے کر بعد تحریف پیش کر دیا ہے۔ برٹن صاحب کا تحریف کردہ بیان قلعشندی یہ ہے۔

”حجرے کے اندر آنحضرتؐ اور خلیفہ اول و دومؓ کی قبریں ہیں اور آنحضرتؐ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵)

منہدم ہو گیا تھا اس وقت کی حجرے کی اندرونی کیفیت کسی کتاب میں نظر نہ آئی کہ ملبہ صاف کر لے کے بعد قبریں کس حالت میں نظر آئیں مگر یہ قیاس غالب اس وقت بھی مسلح زمین ہی برآمد ہوئی ہوگی۔

مرقد پر سنگ مرمر کا ایک چوکا نصب ہے۔

اب قلعشندی کا اصل بیان ملاحظہ ہو۔

”وبہ الحجرة الشریفية التي بها قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم والابو بكر وعمر رضي الله عنهما بالحجرة الشریفية دائر عليه مقصورة مرتفعة الى نحو السقف عليه ستر من حرير اسود وخارج المقصورة بين القبر والمبني المروضة التي اخبر به صلى الله عليه وسلم انها مروضة من رياض الجنة“۔

(صبح الاغشى مطبوعہ مطبع امیریہ قادیان جلد ۴ ص ۲۸۸)

مطلب اس کا یہ ہے کہ:-

اُور اس (مسجد) میں حجرہ شریف ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبر ہے۔ حجرے پر سیاہ حریر کا غلاف پڑا ہوا ہے اور ایک بلند جالی جو چھت تک پہنچی ہے حجرے کو گھیرے ہوئے ہے جالی سے باہر روضہ ہے جس کی نسبت آنحضرت ص نے فرمایا ہے کہ ”میری قبر و مہر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے“۔

عبارت مذکورہ بالا میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ”آنحضرت ص کے مرقد پر سنگ مرمر کا ایک چوکا نصب ہے“۔ چونکہ قلعشندی کا بیان خود برٹن صاحب نے اخذ کیا ہے اس لیے اس کے متعلق کوئی تاویل نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ یا تو برٹن صاحب نے قلعشندی کا بیان سمجھا نہیں یا سمجھ کر عداً اس میں تحریف کر دی۔

اب ایک ابن جبیر باقی رہے۔ ان کا اہل بیان بھی ہم پیش کرتے ہیں جس سے ثابت ہے کہ برٹن صاحب نے ابن جبیر جیسے مشہور شخص کا غلط حوالہ دے کر اپنی عزت کو خاک میں ملا دیا۔

ابن جبیر نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ :-

”انفصرت“ کا آئوٹ آئوٹ کا ایک صندوق ہے۔“

چنانچہ سفرنامہ ابن جبیر کی اصل عربی عبارت جو انہوں نے حجرہ شریف کی دیواروں اور صندوق مواہب شریفہ کے متعلق لکھی ہے حسبِ ذیل ہے۔

سعة الصفحة القبلية. متخامة بعة وعشرون شبراً و  
سعة الصفحة الشرقية ثلاثون شبراً وما بين الركن  
الشرقي الى الركن الجنوبي صفحة سعتها ستة وثلاثون  
شبراً ومن الركن العراقي الى القبلي اربعة وعشرون شبراً و  
في هاتين الصفحة صندوق آئوٹس تختم بالصندل مصفوع  
بالفضة مكوّكب بها هو قبالة راس النبي صلى الله عليه وسلم  
وطوله خمسة اشبار وعرضه ثلاثة اشبار و اس تفاعلة اربعة  
اشبار وفي صفحة التي بين الركن الجنوبي والركن الغربي موضع عليه  
ستر مسبل يقال انه كان مهيّط جبيل۔“

(سفرنامہ ابن جبیر طبع لیدن واقع جرمنی مطبع برلین ۱۸۵۲ء صفحہ ۱۹۳)  
ذکر مسجد رسول صلعم)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-

”حجرے کی قبیلہ رو دیوار ۲۴ بالشت مشرقی دیوار ۳۰ بالشت گوشہ مشرقی  
و شمالی کے درمیان دیوار کی لمبائی ۳۹ بالشت اور گوشہ عراق سے قبیلہ رو  
دیوار کے کوئی تک ۲۴ بالشت ہے اور اسی دیوار کے پاس آئوٹس کا ایک

سے۔ مولوی احمد علی صاحب شوق رامپوری جنہوں نے سفرنامہ ابن جبیر کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔  
”تمتم بالصندل“ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ ”اس پر صندل کی پچھکاری کی ہوئی تھی“ لیکن یہ صندوق چونکہ  
صندل رکھنے کا تھا اس لیے واقعات و حقیقت کے اعتبار سے اس کے یہ معنی لینا کہ ”اس میں صندل  
بھرا ہوا تھا“ زیادہ موزوں ہے۔

صندوق رکھا ہوا ہے جس میں صندوق بھرا ہوا ہے اور اس پر چاندی کے  
چمکدار پتھر چڑھے ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کے سر مبارک کے اتسیا زکی علامت ہے  
اس کا مولیٰ (۵) بالشت عرض (۳) بالشت اور بلندی (۴) بالشت ہے۔  
اسی دیوار کے پاس رکن شمالی درکن عراقی کے درمیان ایک مقام ہے جہن  
غلاف پڑا رہتا ہے اس کو مہبط جبریل کہتے ہیں۔

اب ہم برٹن صاحب کے محمولہ علماء کے بیان کا مقابلہ کر چکے۔ تینوں مورخین متذکرہ کے  
بیان سے واضح ہے کہ نفس مضمون کے متعلق ان میں کچھ اختلاف نہیں اور یہ برٹن صاحب  
کی کوئی خاص مصلحت یا ان کا حسن فہم ہے جس کی وجہ سے مورخین کے اقوال پیش کر نہیں  
یا انھوں نے حسب ذیل غلطیاں کیں۔

- (۱) سمہودی کے بیان میں صندوق مواجہ شریفہ کو تابوت سمجھ لیا۔
- (۲) سمہودی کے بیان میں یہ فقرہ بڑھا دیا کہ تین گہری قبریں دیکھیں۔
- (۳) ۸۸۱ء کے واقعہ کو ۸۹۲ء کا بیان کیا۔
- (۴) دوسری آتشزدگی سے قبل کی تعمیر کو بعد کی تعمیر بیان کیا۔
- (۵) قلعہ شندی کے بیان میں یہ فقرہ بڑھا دیا کہ ”آنحضرتؐ کے مرقد پر سنگ مرمر کا  
چوکا نصب ہے۔

- (۶) ابن جبیر کے بیان میں صندوق مواجہ شریفہ کو تابوت بنا دیا۔
- (۷) اور اپنی طرف سے لوہے کی جالی لگادی اس وقت لکڑی کی جالیاں تھیں جن کا  
ذکر ابن جبیر نے آگے کیا ہے (توضیحاً ملاحظہ ہو مضمون کتاب ہذا تحت عنوان ”جالی مبارک“)  
سمہودی کا بیان جو برٹن صاحب نے بحوالہ برکھارٹ تحریر کیا ہے اس کی نسبت یہ  
تأویل ہو سکتی ہے کہ عذاب و ثواب برگردن برکھارٹ مگر قلعہ شندی و ابن جبیر کے بیانات  
جو کسی کی روایت نہیں ہیں بلکہ خود برٹن صاحب نے ان کی کتابوں سے اخذ کیے ہیں  
ان کی نسبت برٹن صاحب کے مفید مطلب کوئی تأویل نہیں کی جاسکتی۔ اس تخریف و  
غلط بیانی نے برٹن صاحب کی عربی وانی و تحقیق کی سب قلعی کھول دی۔ اگر ابن جبیر کا



مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا تو کاش وہ اس بات پر ہی غور کر لیتے کہ پانچ بالشت کے چھوٹے سے صندوق میں جس میں سات آٹھ برس کا بچہ بھی بمشکل سما سکتا ہے۔ ایک معمولی قد و قامت کا انسان کیونکر دفن کیا جاسکتا ہے اور زمانہ سرور کائنات میں یا اس کے بعد مسلمانوں کو صندوق میں دفن کرنے کا کہیں دستور بھی رہا ہے یا نہیں۔ عجیب لطف ہے غیر مذہب والے اسلام کی روایات و عقائد پر حملہ کرتے ہیں۔ اور گرہ کی اپنی عزت بھی کھودیتے ہیں۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آں کو پند زرشیش سیوزد  
سچ ہے جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرتا ہے اُس پر پھونک مارنے والے کی ڈاڑھی جل جاتی ہے۔

#### اعترضات نمبر (۷)

برٹن صاحب کہتے ہیں: "نوسو برس کی مدت دراز میں ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کا جسم فانی بر خلاف عقیدہ اہل اسلام خاک میں مل گیا ہوگا۔"

جواب۔ حیات انبیاء کے مختلف فیہ مسئلہ پر اس جگہ ہم بحث کرنا فضول سمجھ کر تھوڑی دیر کے لیے برٹن صاحب کے بیان کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا جسم مطہر نوسو برس کی بلکہ تیرہ سو برس کی طویل مدت میں بوسیدہ ہو کر خاک ہو گیا ہوگا لیکن اس سے بھی برٹن صاحب کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ کی قبر حضرت مسیحؑ کی قبر کے مثل فرضی ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر اول تو نقش سے ہی خالی ہو گئی تھی پھر سواتین سو برس تک اس کا کہیں وجود ہی نہ تھا ایسی قبر کو جس میں مدفون کی نقش کیا اس کی مٹی بھی نہ رہی ہوگی قبر نہیں کہہ سکتے کچھ اور اس کا نام رکھا جاسکتا ہے یا خیر فرضی قبر ہی کہو مگر آنحضرتؐ کی قبر کی یہ حالت نہیں ہے اس کے متعلق جواب اعتراض نمبر (۱) میں کافی بحث کی جا چکی ہے۔

۱۱۔ سید سہودی کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے برٹن صاحب نے نوسو برس کی مدت کا تعین کیا۔

۱۲۔ حیات انبیاء و شہداء کے متعلق تاریخ سہودی و جذب القلوب وغیرہ میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

اس جگہ ہم صرف اس قدر اضافہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ وجود قبر کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ اس کے اندر مدفون کی لاش بغیر ٹھیس لگے ہوئے جوں کی توں موجود ہو۔ جس جگہ کوئی دفن کیا گیا ہو اور وہاں سے لاش زمین یا آسمان پر کہیں منتقل نہیں ہوئی ہو۔ اس جگہ کسی قسم کی بیرونی علامت قبہ۔ گنبد۔ چوترا۔ چھتری۔ یا مٹی کے ڈھیر کا موجود ہونا شوق قبر کے لیے کافی ہے۔ چاہے دفن شدہ کی لاش قبر میں محفوظ ہو یا خاک ہو کر خاک میں مل گئی ہو۔ پس اس لحاظ سے اس قبر کو جس میں آنحضرتؐ دفن کیے گئے فرضی نہیں کہا جاسکتا خواہ جسم مطہر بالکل محفوظ و مصنون ہو یا کسی اور حالت میں ہو۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ برٹن حنا کا یہ خیال کہ آنحضرتؐ کا جسم فانی خاک ہو گیا ہو گا محض قیاس ہے جب تک کسی مدفون کی قبر کی مٹی وغیرہ ہٹا کر اور تہ تک پہنچ کر دیکھ نہ لیا جائے مدفون کے جسم کے عدم وجود کی نسبت قطعی طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی علاوہ ازیں جبکہ اس زمانہ میں ہزاروں برس کی لاشیں عجائب خانوں میں محفوظ و موجود ہیں۔ اور سینکڑوں برس کی پرانی قبروں میں سے بعض لاشیں اچھی حالت میں آئے دن برآمد ہوتی رہتی ہیں تو پھر آنحضرتؐ کے جسم مطہر کے بالکل محفوظ سمجھنے میں تامل کی کوئی وجہ نہیں۔

### اعتراض نمبر (۸)

برٹن صاحب کہتے ہیں کہ اس سے بھی بڑھ کر قرین قیاس یہ ہے کہ متعصب شیعوں نے جو کئی سو برس تک اس روضہ کے متولی و محافظ رہ چکے ہیں ان کو کسی اور جگہ منتقل کر دیا ہو گا۔

۱۔ اہل یورپ نے جنوط لگی ہوئی پرانی لاشیں جا بجا سے فراہم کر کے عجائب خانوں میں رکھی ہیں چنانچہ فراعنہ مصر کی لاشیں بھی اہرام مصری سے نکال کر قاہرہ۔ لندن۔ و قسطنطنیہ کے عجائب خانوں میں رکھی گئی ہیں۔

۲۔ ۱۲۹۷ء میں مصر کی سلطنت عبید اللہ مہدی کے قبضے میں آئی اور ۱۸۶۷ء تک گیارہ سال طویل ان کی اولاد میں ہوئے یہ لوگ خلفائے بنی فاطمہ یا عبید یہ کہلاتے ہیں ان کا طریق شیعہ اسماعیلہ تھا حرمین شریفین پر بھی ان کی حکومت تھی۔ ۱۲۷۲ھ میں خلیفہ المعز لدین اللہ فاطمی نے (بعینہ بن بوسلہ)

جواب۔ بالفرض شیعوں کو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ سے محبت نہ تھی مگر آنحضرتؐ کی جناب میں شیعہ ادنیٰ ترین بے ادبی بھی کفر سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر برٹن صاحب صرف یہ کہہ دیتے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی لاشیں شیعوں نے کہیں منتقل کر دی ہوگی تو ایک گوند قابل توجہ بات ہوتی۔ لیکن آنحضرتؐ کے جسد مبارک کے منتقل کرنے کا اتہام شیعوں کے سر تھو پنا بہت ہی بے نیکی بات ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر یہ مان لیا جائے کہ شیعوں یا نصرانیوں یا ملحدوں نے آنحضرتؐ کا جسد اطہر اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے اجسام روضہ منورہ سے کسی اور جگہ منتقل کر دیے اور اب وہ روضہ ایک خالی گنبد رہ گیا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس امر عظیم کی جرات کی اور ایسی خوفناک مہم انجام دی انہوں نے منتقلی اجسام کا ذکر کیوں نہ کیا تا کہ ان کا اصلی مقصد پورا ہو جاتا۔ ان کے اہل قوم ان کی اس مہم کی داد دیتے اور مسلمان یا تو اس مقام کی زیارت کے لیے جانے لگتے جہاں وہ اجسام منتقل کیے گئے تھے یا لاپتہ ہونے کی صورت میں زیارت سے ہی دست بردار ہو جاتے مگر کسی موافق و مخالف مورخ کی تحریر سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حجرہ شریف سے جسموں کی منتقلی عمل میں آئی۔ تحریر سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو قصبہ کہانی کے طور پر یا مقامی روایات کے طریقے سے بھی یہ بات کبھی سننے میں نہیں آئی۔ نہ کبھی مصر۔ عرب۔ ایران۔ شام و عجم کے کسی عیسائی۔ یہودی۔ بُبت پرست۔ ملحد۔ دہائی یا شعیہ نے بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) حجاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس زمانے میں روضہ رسول اللہؐ کے متولی و مجاور اور مسجد نبویؐ کے خطیب اکثر شیعہ تھے۔ اس کے بعد بھی دالیان مدینہ اکثر شیعہ رہے ہیں۔ چنانچہ تلقشندی کی جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ سے ظاہر ہے کہ ۸۱۴ء میں بھی امراء اشرف مدینہ نبی حسین یعنی حسینی شیعہ سادات تھے اور مجموعی طور پر کم و بیش پانچویں شیعوں کا دور دورہ مدینہ میں رہا ہے۔ آجکل بھی کوئی سات ہزار شیعہ مدینہ و حوالی مدینہ میں آباد ہیں۔ سلطان ابن سعود نے مدینہ کا نائب ناظم ایک شیعہ کو مقرر کیا ہے۔

۱۰۔ اگرچہ دہلی انبساط قبر پرستی کے لحاظ سے گنبد اور اونچی قبریں منہدم کر دیتے ہیں مگر دفن کی لاش کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

اپنے ہم مذہب و ہم مشرب لوگوں سے اس کا ذکر کیا۔ نہ کسی مقام پر کوئی مقبرہ ان بزرگوں کے نام سے منسوب و موسوم موجود ہے۔

اگر فی الحقیقت قبیلہ بنو حسین کے شیعوں نے جو صدیوں تک مدینہ منورہ کے منوی و محافظہ رکھے تھے۔ یہ دلیرانہ و شجاعانہ کام کیا ہوتا تو بڑی خوشی کے ساتھ ان کو تمام اطراف و اکناف عالم کے شیعوں کو یہ خوش خبری سنا دینی چاہیے تھی تاکہ آنحضرت ص کے پہلوئے مبارک میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کی وجہ سے بالفرض کوئی خلش ان کے دلوں میں ہوتی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رفع ہو جاتی اور آنے والی نسلیں ایسی بہادری کے کام کرنے والوں کو دعائے خیر سے یاد کرتیں۔ برخلاف اس کے تمام شیعہ مورخ اس پر متفق ہیں اور تمام دنیا کے شیعوں کا آج کی تاریخ تک یہی خیال راسخ ہے کہ اسی حجرہ شریف میں علاوہ آنحضرتؐ کے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی دفن ہیں۔ زمانہ قدیم سے آج تک عموماً ایرانی شیعہ مدینہ منورہ جا کہ قبیلہ بنو حسین کے اشخاص کے ہاں قیام کرتے ہیں اور ان کو اپنا مزار مقرر کرتے ہیں۔ مگر قبیلہ مذکور کے کسی شخص نے ان صحابہ کے اجسام کی منتقلی کا ذکر کبھی کسی شیعہ سے نہیں کیا۔ اگر سینہ بہ سینہ کوئی روایت ان لوگوں میں اس قسم کی چلی آئی ہوتی تو اپنے ہم مشرب لوگوں سے بیان کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور پھر کھلتے کھلتے سب کو معلوم ہو ہی جاتا کہ روضہ منور کے

۱۔ جب کبھی جسم کی منتقلی کسی مقام پر عمل میں آتی ہے یا اس قسم کے وجوہ شبہ پائے جاتے ہیں تو وہاں مزار کی علامت بنادی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کی جائے دفن کے متعلق مختلف روایتیں ہیں اور قاہرہ کی مسجد جامع حسین اور دمشق کی مسجد راس سیدنا حسینؑ مزار بنے ہوئے ہیں۔ حضرت زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کا مزار بھی قاہرہ و دمشق میں دونوں جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا روضہ علاوہ نجف کے بخارا میں بھی روضہ سخی جان کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان کا مدفن تو کوئی گیارہ بارہ جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو یقیناً جنت البقیع کے حالات میں مقبرہ اہل بیت کے مدفونین کا ذکر ملاحظہ ہو جس میں حضرت علیؓ کے مقامات دفن کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

۲۔ زیارت کرانے والا۔



خالی عمارت رہ گئی ہے۔ مگر اب تک شیعہ ہزاروں صوفیوں پر دہشت کر کے سال کے سال زیارت کے لیے مدینہ طیبہ برابر جاتے ہیں اور آنحضرتؐ کے مزار مبارک پر ان کی طاعنی وجود قبر مبارک کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

برٹن صاحب نے خود اپنے سفر نامے میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبر پر ایرانیوں کے سلام پڑھنے کی کیفیت بالتفصیل لکھی ہے جس سے ثابت ہے کہ ایرانی انہی روئے میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبروں کا وجود یقینی سمجھتے ہیں۔

۱۲۵ھ میں خود میں نے بھی مدینہ منورہ میں تحقیقات کی۔ وہاں سنی و وہابی رہنماؤں کے علاوہ دُشیمہ نژاد بھی میں نے مقرر کیے تھے اور ان سے کوئی نہ بہت ٹٹولا اور دریافت کیا کہ اس واقعہ کی بھی کچھ اصلیت ہے کہ خلیفہ اول و دوم کے اجسام یہاں سے منتقل کر دیے گئے۔ انھوں نے میرے اس سوال پر قہقہہ لگایا۔

واقعات متذکرہ صدر اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ آنحضرتؐ کا جسد الطہر یا حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے اجسام کی منتقلی ہرگز محل میں نہیں آئی۔ لیکن بعض تاریخوں میں اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ چار مرتبہ منتقلی اجسام کی کوشش کی گئی تھی جو کارگر نہ ہوئی۔ ان کوششوں کی تفصیل مزار اقدس کے حالات میں تحت عنوان ”منتقلی اجسام کی کوشش“ کی جابجی ہے ضرورت کے لحاظ سے یہاں ان کی نسبت اشارہ کر دینا کافی ہے۔ توضیحاً عنوان مذکور ملاحظہ ہو۔

(۱) پہلی کوشش شیخان حلب کی تھی جو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے اجسام منتقل کرنے کے لیے کی گئی تھی اور یہ لوگ ناکام زمین میں سما گئے۔ یہ روایت محض کہانی ہے۔

(۲) دوسری کوشش حاکم بامر اللہ مصر کے دیوانہ بادشاہ کی تھی جو اس نے آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے اجسام مصر میں منتقل کرنے کے بارے میں کی تھی اور اسکے گورنر مدینہ ابو الفتح نے اس سے انکار کر دیا تھا۔

(۳) تیسری کوشش اسپین کے عیسائیوں کی تھی جو ۵۵۰ھ میں حجرہ شریف میں نعت

اگر ہے تھے۔ آنحضرتؐ نے سلطان نور الدین کو خواب میں آگاہ فرمایا سلطان نے مدینہ پہنچ کر ان کو قتل کرایا اور حجرہ شریف کے گرد خندق کھدوا کر اس میں گھسلا ہوا سیسہ بھروا دیا۔ (۷۱) چوتھی کوشش شام کے رومی بحری قزاق عیسائیوں کی تھی جو شہر میں اسی ارادے سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ ان کو مغربی مسلمانوں نے گرفتار کر کے ان کے سرغٹوں کو مکہ منظمہ و مدینہ منورہ میں قتل کے لیے بھیجا اور کچھ لوگ اسکندریہ میں قتل کیے گئے۔ برٹن صاحب نے اپنے سفر نامے میں حاکم بامر اللہ اور شیعوں کی کوشش کا تذکرہ کیا ہے مگر باوجود سفر نامہ ابن جبیر دیکھنے کے اپنی برادری والے رومی عیسائیوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ شاید اس میں صحت یہ ہو کہ آئندہ اس قسم کی کوشش کرنے والے کسی سن چلے عیسائی کی ہمت اس قصے کو سن کر سہت نہ پڑ جائے۔

### اعترض تنبیہ (۹)

برٹن صاحب کہتے ہیں مجھ کو اس قصے کا بھی یقین نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر کو چھانچہ کرنے والا ایک نور گھیرے ہوئے ہے۔ یہ روایت زمانہ دراز سے شہور علیٰ آری ہے۔ اور آج تک بھی حرم نبویؐ کے خادم اور خوجوں کے بیان پر اس کو صحیح مانا جا رہا ہے۔ یہ لوگ یقیناً اس کے بے اصل ہونے سے واقف ہیں مگر پادریوں کی طرح قبر کی عدم موجودگی کے نقص کو چھپانے کے لیے وہ بھی اس کہانی کو دہرا سے چلے جا رہے ہیں۔

جواب۔ جو لوگ پابند مذہب ہیں وہ عموماً اور اہل کتاب خصوصاً اس نور کے بحر سے انکار نہیں کر سکتے۔ انجیل شریف میں وارد ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مرتد پر سوم کے روز مریم مگد لینی اور دوسری مریم کو برقی روشنی یعنی وہ فرشتہ نور نظر آیا تھا جس کا چہرہ حبلی کا سا تھا اور جس نے اطلاع دی تھی کہ حضرت مسیح آسمان پر اٹھالیے گئے۔ پس آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہونے والوں کو بھی اگر قبر شریف کے گرد کوئی زبرست نور دکھائی دیتا ہو تو کون سی حیرت کی بات ہے۔ لیکن حجرہ شریف جس میں آنحضرتؐ کی قبر مبارک ہے۔ سنہ ۹۰۰ سے چاروں طرف سے بند ہے اور بحر چارم قہر کے جبکہ تپہ و ترسیم و صفائی

۱۰۔ انجیل متی باب ۲۱۔

وغیرہ کے لیے کچھ لوگ داخل ہوئے تھے۔ جب سے اب تک اسیں کوئی داخل ہی نہ ہوا۔ خدام وغیرہ بھی صرف اُس بیرونی جالی کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ جو حجرہ شریف کے گرد بنی ہوئی ہے۔ غرض کہ قبر شریف ایک ایسی قبر ہے جو ہمیشہ کے لیے ہر شخص کی نظر سے پٹھان ہے۔ اور سیکڑوں برس سے اس وقت تک وہاں کسی کا گز نہیں ہوا ہے اور آج بھی وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے پس جو چیز کہ نظر نہ آئے اس کی روشنی دنور کے بارے میں شبہ کرنا اور اس شبہ کو قبر کی عدم موجودگی کی دلیل ٹھہرانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر حجرہ شریف میں کوئی دروازہ ہوتا اور خادموں کے سوا حجرے میں کوئی دوسرا داخل نہ ہونے پاتا تو البتہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ان کو سب معلوم ہے کہ قبر کا وہاں کوئی وجود نہیں ہے۔ مگر پادریوں کی طرح اس نقص کو چھپانے کے لیے مشہور کر رکھا ہے کہ ”قبر شریف کے گرد ایسا زبردست نور ہے کہ اگر کوئی دیکھ لے تو اس کی بصارت جاتی رہے“ تاکہ لوگ ڈر کر اندر جانے کا خیال بھی نہ کریں مگر حجرہ شریف میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اور خدام و متولی بھی روشنی و صفائی کیلئے صرف بیرونی جالی کے اندر جاسکتے ہیں۔ چل حجرہ جس میں قبر ہے ان کے لیے بھی قطعاً بند ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے خادموں کو کسی عیب کے چھپانے کے لیے شعبہ بازی کے وہ موقعے حاصل نہیں ہیں۔ جو بیت المقدس اور بعض دوسرے گرجوں کے پادریوں کو حاصل ہیں۔

پادریوں کے فریب کی مثال میں ہم اس جگہ صرف اُس شعبہ کی کیفیت جو وہ سال۔ ایک مرتبہ ششہ میں حجرہ شریف کے اندر کوئی آواز چپت سے مٹی کے گرنے کی سنائی دی تھی۔ اُس کی صفائی کے لیے ایک صالح و متقی بزرگ کو دیوار میں روزن کر کے حجرہ شریف کے اندر آتا تھا اور اسی سال ایک دفعہ اور اس قسم کی ضرورت سے ایک خادم اور ایک متولی کو حجرے میں داخل ہونے کی عزت حاصل ہوئی تھی۔ ششہ میں جبکہ آگ کی وجہ سے حجرہ شریف کی چپت جاکر گر گئی تھی۔ اُس وقت تعمیر کے لیے سمار و مزدور وغیرہ داخل ہوئے۔ اس کے بعد ششہ میں سلطان مصر قاہستانی نے جو مسجد بنائی کی مرمت کرائی تو اس وقت حدود دس چاند بزرگوں کو یہ شرف حاصل ہوا تھا۔ مگر ان کے سید بھودی مورخ مدینہ بھی تھے۔

حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کی تقریب میں کلیسا کے بیت المقدس میں دکھاتے ہیں ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

”ان تمام بد معاشیوں اور فریبوں کے علاوہ جو بیت المقدس کے راہب و پادری ہر سال دکھاتے ہیں ایک وہ شعبہ ہے جو مزار شریف (قبر سچ) کے کلیسا میں ایٹر عید (یوم صعود سچ) کی شام کو کیا جاتا ہے۔ یہ دھوکہ دہری تمام یہودیوں سے سبقت لے گیا ہے۔ سالہائے دراز سے آج تک خدا کا گھر اس کا فرانز فریب سے ناپاک کیا جاتا ہے اور اس کا نام ”مقدس آگ کا معجزہ“ رکھا گیا ہے۔ اس روز صبح ہی سے کلیسا میں عیسائیوں کے جم غفیر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ صرف تھوڑی جگہ ترکی سپاہیوں کی دو قطاروں کیلئے چھوڑ دی جاتی ہے۔ دوسرے تک زائرین کا مجمع بڑھتا جاتا ہے اور غول کے غول اس جگہ میں شریک ہو کر دیوانہ وار قبر کے گرد ناچتے تالیاں بجاتے اچھلتے کودتے وحشیانہ آوازیں نکالتے چغلیں مارتے ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ ٹیک ٹیک کے اچھلتے ہوئے چکر لگاتے ہیں۔ اس کے بعد دھوئے راستہ صاف ہو جاتا ہے اور ایک زرق برق جلوس ہاتھوں میں زر دوزی کی جھنڈیاں لیے ہوئے ادھر سے ادھر تین مرتبہ گزرتا ہے اور ان کے ساتھ پادریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ اپنے حلقے میں ”آگ والے“ بڑے پادری کو لیے ہوئے لوگوں کو حیرتا بھڑاتا کلیسا کے دروازے تک پہنچتا ہے۔ دروازے میں اس پادری کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو جاتا ہے کلیسا کی بیسرونی دیوار میں ایک سوراخ ہے یہاں ایک پادری کھڑا رہتا ہے اور اس جگہ سے لے کر گرجے کی دیوار تک اس مجمع کے پیچ میں آدمیوں کو ہٹا ہٹا کر ایک تیلی گلی سی بنا لیتے ہیں۔ یہ وقت بڑے تازہ کا ہوتا ہے اور ہنر زائر کا جوش و جذبہ انتہائی درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ یکا یک ایک چکدار شعلہ سوراخ میں سے نظر آتا ہے پادری اپنی مشعل اس سے روشن کرتا ہے اور پھر اس آگ تک پہنچنے کیلئے



چاروں طرف سیلہ ہوتا ہے۔ آدمی پر آدمی ٹوٹتا ہے اور زائر پر زائر کرتا ہے ہر شخص اس مشغل سے اپنی مشغل روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر چاروں طرف سے چراغ روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مقوی دیوار میں ہزار ہا موم بتیاں اور شعلیں روشن ہو جاتی ہیں اس کے بعد دھوئیں اور گرمی سے بچنے کے لیے ہر شخص باؤلوں کی طرح دروازے کی طرف بھاگتا ہے اور پھر دیوالوں کا یہ مجمع اپنے اپنے گھروں کو لوٹتا ہے اور سارے شہر میں یہ تیرک آگ لے پھرتا ہے۔ پیشتر عیسائیوں کے تمام فرتے اس رسم میں شریک ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب رومی عیسائیوں نے یونانیوں کو اس گرجے سے خارج کر دیا۔ اور اس فریب سے فائدہ اٹھانے کا ان کو موقع نہ رہا تو وہ اس دھوکے اور مکاری سے تعبیر کرنے لگے اور اب صرف یہاں کے پادری اور ضعیف الاعتقاد زائر یہ خیال کرتے ہیں کہ روح القدس آگ کی شکل میں اس قبر مبارک پر نازل ہوتی ہے جب مشعل روشن کر کے باہر پہنچا دیا جاتی ہے تو آگ والا پادری جو فی الحقیقت اندر سے روشن کر دیتا ہے لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر ایک مصنوعی وجد و بے ہوشی کی حالت میں باہر نکلتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت نے جس کی بلکاہ سے وہ ابھی ابھی چلا آ رہا ہے اس پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی ہے۔ یونانی عیسائیوں کو اس فریب سے بڑے بڑے فائدے ہیں۔ تمام دنیا کے عیسائی اس معجزے سے مشرف ہونے کے لیے دور دراز ملکوں سے بیت المقدس بھیجے چلے آتے ہیں۔

(سینزان پلسٹائن) (مناظر فلسطین) مرتبہ رلیجس ٹریکیٹ سوسائٹی لندن

مطبوعہ ۱۸۶۷ء ص ۱۱۲

اب ایک اور پہلو سے بھی ہم اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مشاہدہ تور کا تعلق عقاید و تصورات سے ہے جب قبر شریف و مرقد منیف تو بہت بڑی چیز ہے شیوہ نگارِ جالِ عمری

دشت افان نور احمدی مدنیہ منورہ کے درو دیوار و شجر و حجر میں وہ وہ انوار تجلیات مشاہدہ کرتے ہیں کہ اغیار ان کا تصور تک نہیں کر سکتے۔

ذوق ایں بادہ نہ دانی بہ خدا تانہ چشی

اگر کسی سجدہ یا مسجد میں کوئی شخص خدا کے جلال و جبروت کا تصور کر کے کانپتے اور مٹھرانے لگے تو کیا اس کی دہشت و سمیت کو فرضی ڈسکو سلا کہیں گے۔ بادہ کشان ساغر بہت پر جو حالت و کیفیت آستانہ مبارک کی حاضری میں پیدا ہوتی ہے اور عاشقانِ رسول اللہ پر جو عالم وجد و جنوری دربارِ پُر انوار کے وقت طاری ہوتا ہے۔ اس سے ایک نور تو کیا عرش سے فرشتے تک سب بقعہ نور ہی نظر آتا ہے۔ اہل دل ان فریفتگانِ دیدار کی دلی کیفیت کا اندازہ کر کے اس نور یا روشنی کو ہرگز بے اہل نہیں کہہ سکتے البتہ بدھیں و کور باطن اشخاص نور کے سنی بھی نہیں سمجھتے وہ کیا جانیں کہ مقدس نور و روشنی پر نور اور مدنیہ منورہ کسے کہتے ہیں یقین نہ آئے تو کسی اُردو جاننے والے عیسائی سے اس درویش کی نظم ”مدنیہ کی چاندنی“ کے سب بند کا مطلب دریافت فرمایا لیجیے۔ امتحان ہو جائیگا۔

مدنی چڑھاؤ پر ہے شرابِ طہور کی مے نوش لار ہے ہیں خبر دور دور کی  
کیا دیکھے کوئی روشنی اشباحِ طہور کی جھڑیاں لگی ہوئی ہیں مینے مینوں کی  
چٹکی ہلال گنبدِ خضر کی چاندنی  
پھیلکی پڑے نیموں پر بھیا کی چاندنی

۱۔ یہاں برٹن صاحب کی بدیہی کی طرٹ اشارہ ہے جس کی صراحت انھوں نے اپنے سفرنامہ میں جبل عرفات کے ذکر میں کی ہے اور جبکہ عین خطبہ کے وقت ان کے چاروں طرف ہزاروں حاجی اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر زار زار رورہے تھے وہ ایک عورت کو چھپنے میں مصروف تھے۔ کاش انھوں نے انجیلِ شریعت کی یہ آیت غور سے پڑھی ہوتی۔ ”اگر تیری آنکھ کچھ ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال ڈال اور پھینک دے خدا کی بادشاہت میں کا نا داخل ہونا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دوا نکھیں رکھتے ہوئے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے۔“

(انجیل مرقس باب (۹) آیت (۴۶))

غیر دل کو کیا معلوم کہ شبیر اس وقت عالم خیال میں مدنیہ منورہ پہنچ گیا ہے اور چاندنی رات میں روضہ رسول اللہ کا سنہری ہلال دیکھ کر دریائے نور میں شناوری کر رہا ہے۔

جل جلالہ

(♦)

## (۵) پادری زوئر صاحب کے شہادت اور انکے جواب

اعتراض نمبر (۱)

آنحضرت کی وفات کی خبر سنکر مدینے میں ایک اہل چل مچ گئی اور حضرت عمرؓ نے دھکی دی کہ جو اس کا یقین کر گیا قتل کیا جائیگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تجہیز و تکفین خاموشی سے عمل میں آئی ہو۔

جواب۔

تجہیز و تکفین خاموشی کے ساتھ ہو ہی گئی۔ کون سا کشت و خون ہوا۔ کتنے آدمی مارے گئے۔ پادری صاحب ہی ظاہر فرمادیتے تو ضیعا برٹن صاحب کے اعتراض نمبر ۱ کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۲)

وفات کے بعد ہی خلافت کے متعلق بہت جھگڑا ہوا اور بقول شیعوں کے حضرت علیؓ و فاطمہؓ کا سرکان جو موجودہ قبر (شریف) کے متصل تھا اس کو آگ لگا دینے کی دھکی دی گئی۔

جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر (۲) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۳)

مقبرہ میں قبر (شریف) کی اس قدر تعظیم نہیں کرتے تھے جیسے کہ مآثرین

جبکہ روایتوں نے آنحضرتؐ کو عام انسانی درجے سے بہت بالاتر پہنچا دیا ہے۔ اگلے مسلمان قبر (شریف) کی ٹھیک ٹھیک جگہ سے بھی ناواقف تھے۔

جواب۔

اس کا تفصیلی جواب برٹن صاحب کے اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں ملاحظہ ہو۔ جس سے ثابت ہے کہ اگلے مسلمان بھی قبر شریف کی ٹھیک ٹھیک جگہ سے اچھی طرح واقف تھے اُس کی شرعی تعظیم کیا کرتے تھے اور صلوٰۃ و سلام کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے سنت الہی ہمیشہ سے اسی پر جاری ہے کہ ہر پیغمبر کی وفات کے بعد اس کی تعظیم زیادہ ہونے لگتی ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام کی زندگی میں تو ان کے سب حواری اُن کو سپاہیوں کے ہاتھ میں گرفتار چھوڑ کر جاگ گئے۔ اور یہود اسقریوطی حواری نے تیس روپیے میں سکڑا کر صلیب پر ہی چڑھا دیا۔ اگلے عیسائیوں نے جناب مسیح کی تعظیم کی سچلے عیسائی صلیب کی لکڑی کے لیے لاکھوں کٹ مرے۔

اعتراض نمبر (۴)۔

اوائل زمانے میں آنحضرتؐ کی قبر کی شکل معلوم نہ تھی اور نہ وہ احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے ہم بعض ملکوں میں ڈھلوان قبریں دیکھتے ہیں۔ اور بعض جگہ مسلح۔

جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر (۴) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۵)۔

آنحضرتؐ کے دفن کے متعلق مسلمان علما کے اقوال مختلف ہیں۔

جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر ۶ کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۶)۔

روضہ کئی صدیوں تک شیعوں کی زیر نگرانی رہا ہے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی



دشمنی کی وجہ سے یہ بات اُن کی دلچسپی کی گتھی کہ انھوں نے جسم کو کہیں منتقل کر دیا ہو۔  
جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر (۸) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۷) سر

قبر شریف کی موجودہ حالت شبہ انگیز ہے۔ حجرے کی نگرانی خدام بہت سختی سے کرتے ہیں اور اس کے اندر کسی کو داخل ہونے نہیں دیتے۔

جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر (۶) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۵) سر

انصا کردینے والی روشنی جو قبر کو گھیرے ہوئے ہے اس کا قصہ عیب کے چھپانے کے لیے ایک گھڑی ہوئی کہانی معلوم ہوتی ہے۔

جواب۔

برٹن صاحب کے اعتراض نمبر (۹) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر (۹) سر

محمد اعلیٰ شیخ العلماءے و شوق نے برٹن صاحب کو یقین دلایا تھا کہ اس دروازے میں سے جس میں ہو کر حجرے کے اندر پہنچتے ہیں۔ خدام نے ان کو اندر جانے کی اجازت دیدی تھی مگر انھوں نے وہاں قبر کا کوئی نشان نہیں دیکھا۔

جواب۔

حجرہ شریف کے اندر داخل ہونے کے لیے تو کوئی دروازہ نہیں ہے۔ ہاں بیرونی جالی کے اندر داخل ہونے کے چار دروازے ہیں اور خدام بعض مقدس و متمول اشخاص کو بھی جالی کے اندر جانے کی اجازت دیدیتے ہیں مگر وہاں ہمیں کبھی سے نظر آسکتی ہے۔

اعتراض نمبر (۱۰) سر

مسلمان مورخ بیان کرتے ہیں کہ ۱۲۱ھ میں آنحضرتؐ اور ان کے دونوں صحابہ کے

اجسام منتقل کر دینے کی کوشش مصر کے فاطمی خلیفہ نے کی تھی۔ اس کوشش کی ناکامی کے متعلق وہ معجزات نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قبور کے گرد ایک خندق کھد کر اس میں گچلا ہوا سبب بھریا گیا ہے تاکہ آئندہ ان اجسام کو کوئی چرانہ سکے۔

جواب :-

مصر کے فاطمی خلیفہ کی کوشش کے بعد خندق میں سبب نہیں بھریا گیا بلکہ پادری صا کے دو عیسائی بھائیوں کی ناکامی کے بعد اس قسم کی حرکتوں کا سد باب کیا گیا ہے۔ توضیحاً برٹن صاحب کے نمبر (۸) کا جواب دیکھا جائے۔

اعترض نمبر (۱۱) :-

بقول سلمان مورخوں کے ۶۵۴ء میں کوہِ آتش فشاں کے تصادم سے مسجد نبویؐ پر بادل ہو گئی تھی مگر قبر کا حجر تمام نقصانات سے محفوظ رہا تھا۔ پھر ۸۸۶ء میں اس پر بجلی گری اس موقع پر بقول برکھارٹ سمجھوئی کا بیان ہے کہ حجرے کا اندرونی حصہ جب صاف کیا گیا تو لمبے سے بھری ہوئی تین گھری قبریں پائی گئیں لیکن مورخ مذکور جب خود حجرے کے اندر داخل ہوا تھا تو اُس نے قبروں کا کوئی نشان نہیں دیکھا یہی مصنف کہتا ہے کہ جس تابوت میں آنحضرتؐ دفن ہیں اس پر چاندی شدھی ہوئی ہے۔

جواب :-

پادری صاحب کی تاریخِ دانی قابلِ داد ہے۔ ۶۵۴ء میں کوہِ آتش فشاں کا تصادم نہیں ہوا تھا بلکہ قتلِ یسوعؑ کے وقت ہاتھ سے ہی چھوٹ کر کھل وغیرہ پر گر کر آگ لگ گئی تھی۔ اُس سے مسجد نبویؐ میں آتشزدگی واقع ہوئی تھی۔ دوسری آتشزدگی ۸۸۶ء میں نہیں ہوئی بلکہ ۸۸۶ء میں ہوئی تھی اور اس وقت سید سمجھوئی مورخ مدنیہ حجرہ شریف کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ۸۸۱ء میں جبکہ سلطان قاید بے مصری نے حجرہ شریف کی ترمیم کرائی تھی وہ باریاب ہوئے تھے۔ تفصیلی جواب کے لیے برٹن صاحب کے اعترض نمبر (۶) کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعترض نمبر (۱۲) :- آنحضرتؐ کی وفات اور دفن کی ٹھیک جگہ کے متعلق سنی

شیعوں کے اقوال مختلف ہیں۔

جواب۔

واقعات وفات و مقام دفن کے متعلق سنی شیعوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔  
آنحضرت ص کی وفات مشہور روایت کی بناء پر دو شنبہ کے دن ۱۲ / ربیع الاول ۱۱ سالہ کو  
ہوئی۔ مگر اس کے علاوہ ۲ / ۸ / ۱۰ اور ۱۸ / ربیع الاول بھی تاریخ وفات بعض روایتوں  
میں آئی ہے۔ شیعوں کے نزدیک ۲۸ / صفر ۱۱ مشہور تاریخ وفات ہے۔ لیکن کسی کی  
تاریخ وفات میں اختلاف ہونے سے یہ ضرور نہیں ہے کہ اس کی قبر کو بھی فرضی سمجھ لیں  
انجیل میں حضرت عیسیٰ کے واقعات صلیب کے متعلق حواریوں کے اقوال میں بمبویں  
اختلاف ہیں۔ کیا ان کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صلیب کا واقعہ ہی فرضی ہے۔



jabir.abbas@yahoo.com

# فصل دوم

## جنت البقیع

(یعنی)

## مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان

(❖)

### (۱) البقیع کے محل حالات

(❖)

بقیع کے معنی مقام یا جگہ کے ہیں۔ اسی سے لفظ بقعہ مشتق ہے اور ایک اصنافی ترکیب کے ساتھ ”بقعہ نور“ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابتداً اس زمین پر جہاں قبرستان البقیع واقع ہے ایک قسم کے درختوں کا جنگل غرقہ کہتے ہیں ایک بن تھا۔ جسکی وجہ سے اسکو البقیع الغرقہ یعنی غرقہ کی جگہ یا غرقہ کا جنگل کہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلیع کے صحابہ وغیرہ یہاں دفن ہوئے تو غرقہ کے درخت کاٹ ڈالے گئے اور تقریباً سترہ ہجری سے یہ مسلمانوں کا عام قبرستان بن گیا۔ اسکے بعد ہر قبیلے نے اس زمین کے قطعات اپنے اپنے خاندان کی ہڈیاں کیلئے مقرر کر لیے بعضوں نے مکان وغیرہ بھی یہاں بنائے جسکی وجہ سے یہاں کے مختلف حصوں کے مختلف نام رکھ دیے گئے۔



حمام ابی قتیفہ - دار عقیل - بیت الحزن - مسجد فاطمہ - مسجد ابی بن کعب - حبش کو کب وغیرہ مشہور ہو گئے زمانہ قدیم میں اس قبرستان کا نام جنت البقیع نہیں قرار پایا تھا بلکہ اسکو البقیع الفرقد یا صرف البقیع کہا کرتے تھے۔ تمام قدیم مؤرخ و سیاح اسکا نام صرف البقیع لکھتے ہیں۔ مسئلہ میں جعفر برزنجی نے اسکے نام کے ساتھ لفظ شریف کا اضافہ کر کے "بقیع شریف" لکھا ہے۔ جنت البقیع نام زمانہ حال کی ایجاد معلوم ہوتا ہے۔ اس قبرستان کے فضائل و مراتب کے اعتبار سے غالباً مدینہ منورہ کے مزور بھی زیارت کر لیاوالے اسے جنت البقیع کہنے لگے اور انکی تقلید میں حجاج و زائرین بھی اسی نام سے اسکا ذکر کرنے لگے اور رفتہ رفتہ اس کا نام جنت البقیع ہو گیا۔

مسلمانوں کا یہ مقدس ترین قبرستان مدینہ سے باہر جنوبی و مغربی گوشے میں روضہ سرور کا نشانہ ہے۔ چاروں طرف کوئی چار سو قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ روضہ منظرہ سے چکر مختلف گلیوں میں ہوتے ہوئے فصیل کے ایک دروازے سے جسے باب البقیع کہتے ہیں انہیں داخل ہوتے ہیں۔ زائر کے سامنے جانب مشرق اور داہنی طرف جنوب میں کجور وغیرہ کے درخت نظر آتے ہیں۔ بیچ میں شہنشاہ گورستان ہے۔ اسکی لمبائی تخمیناً دو سو گز اور چوڑائی کوئی ڈیڑھ سو گز ہوگی۔ اسکے گرد معمولی بچتہ چار دیواری کھچی ہوئی ہے اور داخلہ کیلئے بغیر کواڑوں کا ایک دروازہ ہے۔ اس شہر خوشاں کی بنیاد اب سے کوئی ساڑھے تیرہ سو برس قبل آنحضرت نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی اور جب سے اب تک اسکی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ فرزند رسول - بنات رسول - ذریات رسول - ازواج رسول - پیشمار صحابہ و تابعین و صلحا و شہداء و زائرین اس خوابگاہ میں آرام کر رہے ہیں۔ جنت البقیع کے فضائل میں بہت سی روایات و احادیث وارد ہیں۔ یہاں دفن ہونے والے کیلئے بشارت نجات ہے۔ قیامت کے دن ستر ہزار مرد سے یہاں سے ایسے اٹھنکے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہونگے۔ چونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں قبریں بچتہ نہیں بنائی جاتی تھیں اس وجہ سے چند روز میں وہ مسط مٹا کر زمین کے برابر ہو جاتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ یہاں کے ہزارہا مدفونین میں سے مشہور ترین بزرگوں کی قبروں کا پتہ بھی کوئی تین سو برس تک تھا اور پانچ سو برس تک قبرستان البقیع میں کوئی گنبد نظر نہیں آتا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں بعض مشہور بزرگوں کی قبروں پر قبے بنائے گئے جو تعداد میں صرف بارہ تیرہ تھے اور انہیں تیس ہینتیس قبروں کی نشاندہی کی جاتی تھی۔

وہ اس طرح کہ بعض قبے میں قبر ایک ہی تھی مگر وہاں فاتحہ دو تین شخصوں پر پڑھتے تھے۔ کسی قبے میں قبریں تین چار تھیں مگر زیارت چھ سات کی پڑھی جاتی تھی۔

نیرحوں صدی کے آغاز یعنی تھینا ۱۹۱۹ء میں جب اہل نجد کا پہلا مرتبہ مدینہ منورہ پر قبضہ ہوا تو وہ قبے منہدم کر دیئے گئے اور یہ قبرستان پھر اپنی قدیم شکل پر آگیا۔ اسوقت کی جنت البقیع کی حالت مشہور و معروف فرنگی سٹیج برکھارٹ کے سفر نامے سے کہی جاتی ہے جو ابراہیم ابن عبداللہ نام رکھ کر ۱۸۱۴ء میں مدینہ منورہ گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک حجاز اہل نجد کے قبضہ سے نکل کر دوبارہ ترکوں کے ہاتھ میں آچکا تھا وہ لکھتا ہے۔

”اُن لوگوں کی عظمت کے اعتبار سے جو یہاں دفن ہیں یہ جگہ بہت ہی گھٹی ہوئی ہو اور غالباً مشرق کے ان تمام شہروں کے قبرستانوں سے جو مدینہ کے برابر ہوں یہ قبرستان سب سے زیادہ کثیف اور بُری حالت میں ہے۔ اس میں ایک بھی اچھی قبر نہیں ہے۔ اور نہ کوئی بڑا تھوڑا کتبہ کندہ کیا ہوا کسی قبر پر نصب ہے بلکہ بجائے اسکے محض مٹی کے ڈھیر ہیں جنکے گرد ڈھیلے ڈھیلے پتھروں کا بیجا سا حاشیہ بنا دیا ہے۔ قبروں کے بنانا کرنے کا الزام وہابیوں پر لگایا جاتا ہے اور اسکے ثبوت میں چند چھوٹے چھوٹے گنبدوں اور عمارتوں کے کھنڈر دکھائے جاتے ہیں جو پیشتر حضرت عثمان۔ حضرت عباس۔ سیدہ فاطمہ زہرا وغیرہ کی قبروں پر بنے ہوئے تھے جنکو وہابیوں نے توڑ ڈالا لیکن انھوں نے کبھی کسی سادہ قبر کو نیست و نابود نہیں کیا۔ مکہ میں بھی انھوں نے ان قبروں کو نہیں چھیڑا تھا جو معمولی پتھر دہنی تھیں۔ اس قبرستان کی بدست حالت وہابیوں سے قبل کی ہے اور اسکا الزام مدینہ کے باشندوں پر لگایا جاسکتا ہے جنکی بخیں طبیعتیں اپنے شہر کے مشاہیر کی قبروں کی عزت کرنے میں کوئی خج گوارا نہیں کرتیں“

(سفر نامہ برکھارٹ انگریزی جلد دوم)

وہابیوں کے وہ سالہ قبضہ کے بعد جب ترکوں کا تسلط حجاز پر ہو گیا تو تھینا ۱۸۳۱ء میں محمد علی پاشا والی مصر نے منہدم شدہ قبروں کو جیسا کہ پہلے بنے ہوئے تھے پھر تیار کر دیا جو ۱۸۳۱ء میں ترک قائم رہے

یہاں تک کہ اہل نجد نے بسر کردگی جلالتہ الملک عبدالعزیز ثانی ابن عبدالرحمن آل سعود شریف مکہ سے  
 حجاز منسوخ کیا تو یہ قبۃ سمار کر دیے گئے ۱۳۳۲ھ میں جو زائر مدینہ منورہ گئے تھے اُنکے بیانات  
 یہاں کے قبور کے بارہ میں مختلف تھے بعض نے کہا پہنے قبروں کو زمین سے ہموار پایا۔ بعض نے کہا  
 قبریں سطح تھیں۔ اور علامت قبر کے طور پر دو دو تختے ہر مشہور بزرگ کے مدفن پر رکھ دیے تھے۔  
 ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں حج کے بعد جب یہ گنہگار مدینہ منورہ گیا تو اس وقت جنت البقیع کی یہ حالت دیکھی کہ  
 قبۃ منہدم ہیں۔ اُنکے لمبے کے ڈھیر و طرف پشتہ کے طور پر لگا دیے گئے ہیں جنکے پیچ میں سے بقیع کی  
 اندر آمد رفت ہوتی ہے۔ عام قبروں کے علاوہ جو محض مٹی کے ڈھیر ہیں خاص قبریں یعنی الہیبت کے  
 عزارات۔ ازواج رسول اللہ۔ نبات رسول اللہ و فرزند رسول اللہ اور بعض صحابہ وغیرہ کی قبریں جو  
 بقیع کی خاص زیارت گاہ ہیں زمین سے بالشت سوا بالشت اونچے خام چبوتروں کی شکل میں ہیں۔ انکی  
 گرد بندش کے طور پر ان گڑھے پتھر جما دیے ہیں اور ہر قبر کی علامت کیلئے ایک ایک ناتراشیدہ پتھر  
 سرھانے نصب کر دیا گیا ہے۔ جو چبوترے ایک قبر کے ہیں وہ کوئی دو گز لمبے سوا گز چوڑے ہیں اور  
 جو کئی قبروں کے مشترک چبوترے ہیں وہ زیادہ بڑے ہیں۔ اور جیسا کہ قبروں کی موجودگی میں تھا اب بھی  
 بعض جگہ ایک ایک قبر پر کئی کئی بزرگوں کی فانتھ پڑھ دیتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی ایک جگہ کے  
 متعلق جتنے بزرگوں کے دفن کی روایت آئی ہے اُن سب کو وہاں دعائے خیر سے یاد کر لیا جاتا ہے۔

## (۲) موقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۴)

جنت البقیع کے دروازے سے جانب شرق کوئی پچیس گز کے فاصلہ پر جہاں اب مقبرہ  
 حضرت عقیل ابن ابیطالب ہے حضرت عقیل کا مکان تھا حضور سرور عالم حبیب بقیع میں تشریف لیجاتے  
 تو دار عقیل میں کھڑے ہو کر اہل بقیع کیلئے دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے۔ یہ جگہ موقف النبی یعنی قیام گاہ  
 رسول اللہ ہے۔ زمانہ دراز سے حضرت عقیل کے مکان کا کوئی اثر آثار یہاں نہیں ہے۔ دسویں گیارہویں  
 صدی ہجری میں اس جگہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جسکا ذکر سید سہودی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے

کیا ہے۔ اُس زمانہ میں وہ مسجد ہی موقف النبی کہلاتی تھی۔ مدت ہوئی کہ اُس مسجد کا بھی کوئی پتہ نہیں رہا۔ اور صرف مقبرہ عقیل ہی موقف النبی کی علامت ہے۔ علماء کی رائے ہے کہ زائر جب بقیع کی زیارت کا قصد کرے تو سب سے پہلے اسی جگہ آئے اور باتلغ حضور سرور کائنات یہاں کھڑا ہو کر اہل بقیع کیلئے دعائے مغفرت کرے۔

### (۳) مقبرہ اہلبیت

(\*)

ایک زمانہ وہ تھا کہ اہلبیت طاہرین یعنی جنابہ سیدہ فاطمہ زہرا و امام حسن و امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کے مزارات کے متعلق عام لوگوں کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ جنت البقیع میں کس جگہ ہیں۔ اور تقریباً تین سو برس تک یہ بزرگوار عوام کے علم و اطلاع بغیر خواب و بقیع میں آرام فرماتے رہے۔ ۳۲۰ء میں اس جگہ جہاں اب مقبرہ اہلبیت واقع ہے ایک پتھر نکلا تھا جس پر یہ کندہ تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ مبداء الامم وحجی الرحمہ۔ ہذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدۃ النساء العالمین و قبر حسن بن علی و علی بن الحسین بن علی و قبر محمد بن علی و جعفر بن محمد علیہم السلام“

اُس وقت معلوم ہوا کہ اس بزرگ مقبرے میں جناب سیدہ اور چار امام سترحت فرما رہے ہیں۔ (جذب القلوب مؤلف شیخ عبدالحق محدث دہلوی تالیف سنہ ۱۰۸۰ھ باب ذکر بقیع)

حکیم ناصر خسرو نے ۳۲۰ء میں مدینہ کا سفر کیا تھا مگر بعض وجوہ سے وہ جنت البقیع کی زیارت سے محروم رہا اس وجہ سے اُس کا سفر نامہ مقبرہ اہلبیت کے ذکر سے سکتا ہے۔ امام محمد غزالی جنہوں نے ۳۸۰ء میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی وہ اپنی کتاب ایضاً العلوم میں اس مقبرے کے مدفونین میں صرف امام حسن و امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کو شمار کرتے ہیں۔

۱۔ اس فقرے کے معنی ہیں کہ حمد و ثناء اُس خدا کیلئے زیبا ہو جو قوموں کو پیدا کرنے والا اور ہڈیوں میں جان ڈالنے والا ہے۔



جنابہ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ (احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۲۳۸)

ابن جبیر نے سنہ ۵۲۹ء میں زیارت کی تھی اور ابن بطوطہ نے سنہ ۷۶۰ء میں مگر یہ دونوں اس مقبرے میں بجز امام حسنؑ اور حضرت عباسؑ عمر رسول کے اور کسی کا نام نہیں لیتے۔ معلومات کی یہ ابتدا تھی۔ رفتہ رفتہ بعض روایتوں کی بنا پر یہ پتہ لگا کہ جسد مبارک امیر المومنین علی ابن ابیطالب اور سر مبارک امام حسین علیہ السلام بھی یہیں دفن ہے۔ چونکہ واقعات کو سیکڑوں برس گزر گئے اسلئے ٹھیک طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مقبرہ اہلبیت کب تک بغیر قبے کے رہا اور کب تک یہ قبریں مٹی کے ڈھیر یا چوڑے کی شکل میں تھیں اسلام کی سادہ تعلیم۔ عربوں کی بے نطف معاشرت اور آغاز اسلام کی خانہ جنگیوں کے لحاظ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انتقام خلافت بنی امیہ یعنی سنہ ۳۲ء تک مسلمانوں میں قبروں کے پختہ بنانیکی رسم جاری ہوئی ہو۔ اسوقت کی مصلحتیں بھی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ ایسے مشاہیر کی قبروں کو جن کے مختلف دشمن ہوں انگشت نما بنایا جائے۔ خلافت عباسیہ کا ابتدائی زمانہ بھی ایسا ہی نظر آتا ہے جبکہ قبروں کی طرف توجہ کم تھی۔ اگرچہ کسی قبر یا دفن کا چند سال تک بھی خام حالت میں رہنا اسکو معدوم یا مہوم کر دینے کیلئے کافی ہے مگر اس مقبرے کے مدفون ایسے نہ تھے جنکو زمانہ بھول جاتا اور یہ گم نام قبروں میں ہمیشہ دفن رہتے۔ آخر المسترشد باللہ عباسی خلیفہ بغداد نے جس کا زمانہ سلطنت سنہ ۵۲۹ء تا ۵۱۹ء میں اس مقبرے پر یا اپنے مورث اعلیٰ حضرت عباسؑ کی قبر پر توجہ کی اور امام حسن علیہ السلام و حضرت عباسؑ کی قبروں کو پختہ بنوایا اور ان پر ایک بڑا قبۃ تعمیر کیا اور قبر عباسؑ کے سامنے اس قبے میں ایک جگہ حسب ذیل کتبہ تحریر کیا۔

”المسترشد باللہ نے سنہ ۵۱۹ء میں تعمیر کا حکم دیا۔ قبے کی عمارت تیار کی گئی۔ قبر عباسؑ و حسنؑ کو زمین سے اٹھایا گیا۔ ان پر غلاف ڈالے اور پتیل کی چادر دوں کی پھول پیل کٹی ہوئی جالیوں ان پر چڑھ کر خوش نما کیا گیا“

(وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ غری جلد دوم صفحہ ۱۰۱)

اسکے بعد المنصور مستنصر باللہ نے (جس کا عہد حکومت سنہ ۳۳۲ء سے سنہ ۳۶۱ء تک ہے) اس

مقبرے میں کچھ ترسیم و تعمیر کی اور غالباً بڑی محراب تیار کر کے اس پر یہ کندہ کرایا۔

”اسکی تعمیر کا حکم المنصور مستنصر باللہ نے دیا“ (وفاء الوفا غری مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۱۰۱)

۸۶ھ میں ابن جبیر نے لہارٹ کی تھی اور اس قبۃ اور حضرت امام حسن و حضرت عباس کی قبور کو  
 ویسا ہی پایا تھا جیسا کہ کتبہ میں تحریر ہے۔ ابن بخار مولف تاریخ بغداد کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی انھوں نے  
 بھی اس قبۃ اور قبور کو دیکھا تھا وہ قبۃ کے دو دروازے بیان کر رہے ہیں۔ ۲۶۸ھ میں ابن بطوطہ کے وقت  
 بھی یہ قبۃ اور دو قبریں اسی حالت میں موجود تھیں ۸۸۶ھ میں سید نور الدین علی سمہود مدنی نے اس قبۃ کو  
 پچیسم خود دیکھ کر اس کا کتبہ اپنی کتاب فاء الوفا میں درج کیا جس کا ترجمہ ادب پر تحریر کیا گیا چونکہ المنصور مستنصر باللہ کی تعمیر کا سنہ  
 کتبہ میں درج نہ تھا اس لیے سید سمہودی کو اس بادشاہ کا نام سمجھنے میں سہو ہوا وہ فرماتے ہیں۔  
 ”منصور خاندان عباسیہ کا پہلا بادشاہ تھا مگر اس کا لقب مستنصر نہ تھا“

یہ پچھداں عرض کرتا ہے کہ یہ عباسی خلیفہ بغداد تھا جس نے ۳۲۸ھ تک سلطنت کی  
 اس کا نام منصور لقب مستنصر باللہ اور کنیت ابو جعفر تھی۔ (لاحظہ ہو تاریخ الخلفاء مولفہ جلال الدین سیوطی)  
 قطب الدین مکی نے بھی بصرحت اس کا نام منصور اور لقب المستنصر باللہ تحریر کیا ہے۔ اُسکو غارتوں کا  
 بہت شوق تھا۔ اس کا بنایا ہوا مدرسہ مستنصریہ واقع بغداد اُس وقت مالک اسلامیہ میں اپنے  
 دارالاقامہ وغیرہ کی وجہ سے بیکار سمجھا جاتا تھا۔ ۳۳۸ھ میں اس خلیفہ نے مطاف کعبہ میں مقام جبریل کے  
 پاس نیلے پتھروں کا فرش بھی کرایا تھا۔ (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام عزنی مطبوعہ مصر صفحہ ۸)  
 حیرت یہ ہے کہ سید سمہودی نے بھی جو کسی چیز کے چھوڑنے والے نہیں ہیں اس قبۃ میں جنابہ سیدہ  
 امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کی قبروں کی کوئی صراحت نہیں کی۔ شیخ  
 عبدالحی محمدت دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب تالیف سنہ ۱۰۸۰ھ میں ائمہ اطہار کی قبروں کا ذکر کرتے ہوئے  
 فرماتے ہیں۔

”حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ائمہ ہی ایک ہی قبر میں مدفون ہیں بڑے قبۃ کے اندر جسے  
 قبۃ عباس کہتے ہیں“

(مرغوب ترجمہ جذب القلوب صفحہ ۱۷۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت مقبرہ اہلبیت میں صرف دو ہی قبروں کی علامت تھی۔  
 ایک حضرت عباس کی اور دوسری امام حسن کی۔ مسترشد باللہ کا بنایا ہوا قبۃ کوئی سات سو برس تک  
 قائم رہا۔ تقریباً ۱۲۱۹ھ میں جب سعود ابن عبد العزیز امیر نجد کا تسلط مدینہ پر ہوا تو بقیع کے دوسرے

قبول کیساتھ یہ قبہ بھی منہدم کر دیا گیا۔ سلسلہ میں حسب حجاز پر ترکوں کا دوبارہ قبضہ ہوا تو محمد علی پاشا دہلی سرحد نے اس قبے کو مثل سابق از سر نو تعمیر کرا دیا۔ جعفر زنجی نرہتہ الناظرین تالیف شدہ میں لکھتی ہیں کہ یہ حسب سابق تعمیر ہوا ہے اور اب بھی اس قبے کے دو دروازے ہیں مگر قبروں کی کیفیت انھوں نے بھی کچھ نہیں لکھی۔ چودھویں صدی ہجری کے ہندوستانی سیاحان حجاز کے سفرناموں اور حجت البقیع کی عکسی تصویروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان بقیع میں داخل ہوتے ہی زائر کے داہنی جانب قبہ اہلبیت واقع تھا۔ یہ تمام قبوں سے زیادہ بڑا اور بلند تھا اس میں پانچ مردانی قبریں اور ایک قبر خبابہ فاطمہ کی تھی جو قبیلہ کی جانب دیوار کے ایک گزاو پنجہ ترے پر بنی ہوئی تھی۔ اس قبے کے دو دروازے تھے ایک ہمیشہ بند رہتا تھا۔ مزارات پر چوبی صریح کتھرے کے مثل حلقہ کیے ہوئے تھے اور قبروں پر سہنر غلات پڑے تھے جنہر زردوزی حرفوں میں اُن کے اسمائے مبارک کڑھے تھے۔ جتاہ سیدہ کے غلات پر زیادہ کام کیا ہوا تھا۔ (سفر حرمین و رفیق الحاج و خیرہ)

آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم جو امامیہ طریق رکھتے تھے ۱۳۲۹ھ میں زیارت کو گئے تھے۔ انھوں نے یقیناً دوسرے سیاحوں کے قبہ اہلبیت کا ذکر زیادہ صراحت سے کیا ہے وہ فرماتے ہیں:-  
"اس مقررے کی عمارت ایک مضبوط چھرا گنبد ہے جس کے دروازے پر لکھا ہے:-

لی خمسة اطفی بہا حرا الویا الحاطی

المصطفیٰ والقرضیٰ لوائتاہما والفاطمہ

اندر صریح مبارک کی دعوت دس گز لمبی پانچ گز چوڑی ہوگی۔ ایک چوبی صریح اندر دنی ہے جس کے اندر قبور مطہرہ پر قیمتی غلات پڑے ہوئے ہیں۔ باہر لوہے کی صریح ہے جس کے اوپر کے حصہ پر قیمتی کام ہے۔ اس قبر میں ایک جگہ برابر حضرت امام حسن۔ حضرت امام زین العابدین۔ حضرت امام محمد باقر حضرت جعفر صادق علیہم السلام مدفون ہیں۔ کتھرے میں چاروں طرف تنگ راستہ ہے یعنی شمالاً جنوباً ایک ایک گزاو تر بائیں چار چار گزاو ہر امام کی قبر کے مقابل جدا گانہ زیارت مکتوب ہے۔ (روزنامہ سیاحت ص ۱۲)

۵۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ پیچتن پاک یعنی مصطفیٰ و مرقدہ فاطمہ اور اُن کے صاحبزادوں کا واسطہ جلانے والی و باکی حرارت کو بخٹھا دے۔

”اَوَّلَ یہ عمارت بغیر گنبد اور چھت اور صریح کے تھی۔ اسکے اندر چوبی صریح سلطان سلیم نے بنوائی مابعد قیمتی آہنی صریح ایرانیوں نے بنوائی۔“

(روزنامہ صبح صفحہ ۳۹۴)

”یہ روضہ ایک سادہ گنبد ہے جس پر سب ائمہ اور حضرت سیدہ کی زیارتیں جدا جدا لگئی ہیں عمارت زیادہ عالیشان نہیں ہے اور یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اہل عرب و حجاز نے قدر ائمہ اثنا عشر اور حضرت سیدہ کی نہیں کی اور انکی قبریں ان کی شان کے موافق عمارت نہیں رکھتیں۔ اگرچہ مہری رائے میں شان مقبرے سے کوئی اعزاز عباداً بابت نہیں بڑھتا مگر جہلاً کیلئے یہ بات ضروری ہے اور اظہار عقیدت کیلئے۔ تاہم گنبد بین بچیس ہزار کی لاگت سے کم کا نہیں ہے اور اندر کام بھی نقاشی کا ہے۔ صریح کی چھت پر زریفت کا کپڑا ہے۔“

(روزنامہ صبح صفحہ ۳۹۱)

”گنبد سیدہ دائمہ کے گرد بہت سے اشعار مناجات و منقبت میں تحریر ہیں۔“

(روزنامہ صبح صفحہ ۴۱۳)

خواجہ صاحب مرحوم نے اس بات پر افسوس کیا ہے کہ اہل عرب و حجاز نے قدر ائمہ اثنا عشر و حضرت سیدہ کی نہیں کی اور انکی قبریں ان کی شان کے موافق نہیں بنوائیں۔ یہ گنہگار عرض کرتا ہے کہ ائمہ و سیدہ کی قدر صرف اہل حجاز و اہل عرب ہی واجب نہ تھی۔ اہل ہند نے کون سی قدر کی۔ یہی ان بزرگواروں کے مقبرے انکی شان کے موافق بنوا دیتے۔ مگر افسوس اہل ہند کی دریا دلی کی یہ حالت ہے کہ جن مقبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہونیکے لئے ہزاروں کوس کا سفر طے کر کے اور ہزاروں مصیبتیں جھیلکر پہنچتے ہیں وہاں کے جاوید کشتوں کو دو چار آنے دینا ناگوار گزرتا ہے۔ حالانکہ جس شرف کی تمنا میں ہم گھر سے نکلتے ہیں وہ شرف ان کو ہر وقت حاصل ہے اور وہ ان آستانوں سے دن رات کسب سعادت کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان مزاروں کے خس و خاشاک کو تو تبرک سمجھتے ہیں مگر ان کے خدمت گزاروں کو ڈاکو اور استحصال بالجبر کرینوالا جانتے ہیں۔ ایک شیعہ صاحب نے بنایہ سیدہ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے بیت الحزن کے خادم کو کچھ پیسے دیکر



اسکی نسبت اپنے سفرنامہ میں یہ تحریر فرمایا ہے۔

”اس میں داخلہ کیلئے جبرائیلکس لینے والا ایک عرب بیٹھا ہے۔ میں نے بھی

کچھ دیا کہتا ہے کہاں سے کھاؤں۔“

مدینہ منورہ کے حمام والے کی نسبت ایک مالدار زائر کا یہ فقرہ قابل غور ہے۔

”یہ مالک حمام چور و ڈاکو تھے۔ اول کچھ ملے نہ کیا کہا کہ آپ کا گھر ہے۔ غسل کے

بعد نصف مجیدی تقریباً (دس آنے) لیے۔

ناظرین غور کریں کہ مدینہ منورہ جیسے تبرک شہر کے باشندے اگر ہماری خدمت کریں اور

مروت کے مارے اجرت پہلے نہ ٹھہرا کر اخلاقاً کہیں کہ آپ کا گھر ہے۔ اس کا جواب ہماری طرف سے

کیا ہونا چاہیئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ مدینے میں پانی اور ہنیم سوختنی دونوں گراں ہیں۔ اسکے ساتھ مکان

حمام کا کرایہ اور نہلائے والوں کی اجرت کا بھی شمار کیا جائے تو دس آنے کیا بہت ہوئے۔

ہندوستان کے شہروں میں بعض اوقات اس سے زائد ہم خرچ کر دیتے ہیں۔ ان صاحب سے

میں ذاتی طور پر واقف ہوں۔ ان جیسا معمول زائر اگر پانچ روپیہ بھی حمام والے کی نذر کر دیتا تو بھی کم تر

برخلاف اسکے چور اور ڈاکو کا خطاب ہمیشہ کیلئے اُسکو دیدیا۔ جب تک ان کا مطبوعہ سفرنامہ

دنیا میں رہیگا اسکے پڑھنے والے اہل مدینہ سے چوکتے رہیں گے۔ یا اللہ ہماری خطاؤں سے دلگزرے۔

ہماری لغزشوں کو معاف فرما اور ہکمو امتحان میں مست ڈال! اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف

رجوع کرتا ہوں۔ محمد علی پاشا کا ہوا قبہ جس کے حالات اوپر درج کیے گئے تقریباً سو برس

تک قائم رہا۔ ۱۳۳۲ھ میں سلطنت حجاز ترکوں کے ہاتھ سے نکھر حسین پاشا شریف مکہ کے

قبضے میں گئی۔ پھر ۱۳۳۲ھ میں اہل نجد نے زیر سرکردگی جلالتہ المملک سلطان عبدالعزیز ثانی

ابن عبدالرحمن آل سعود حجاز سے شریف کو نکال کر حرمین پر دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا اور اسکے

بعد یثرب کے دوسرے قبوں کیسا تھا اس قبے کو بھی منہدم کر کے اونچی اونچی قبروں کے بجائے

نیچے نیچے چوتروں کی قبریں بنادیں۔ ۱۳۳۲ھ میں جب یہ گنہگار زیارت کیلئے گیا ہے تو اس نے

کچے چوتروں کی شکل کی قبریں دیکھیں جن کے گرد حاشیہ یا بندش کے طور پر پتھر چن دیے گئے تھے

ایک ایک پتھر علامت قبر کا سر حائے نصب تھا۔ قبروں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

## الف - قبر جنابہ فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ

آنحضرت کی وفات کا صدمہ جنابہ سیدہ کیلئے ایسا جاں گسل و روح فرسا تھا کہ وہ پچھتر دن یا چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔ اور ۲۰ جمادی الثانی ۱۱ھ کو یاد و شبہ کے دن تیسری رمضان ۱۱ھ کو وقت مغرب رحلت فرمائی۔ اُس وقت مدینے میں عورتوں کے جنازے بھی مردانہ جنازوں کی طرح تختوں اور پلنگوں پر لیجاتے تھے مگر جنابہ سیدہ کو انکی حسب وصیت بخمال پردہ و حجاب تابوت میں لے لی گئی۔ رات ہی کو جنازہ اٹھادیا گیا اور انکے انتقال کی اطلاع بجز اہل خاندان کے عام طور پر کسی کو نہیں گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انکے مزار کے متعلق یقین کیا تھا نہیں کہا جاسکتا کہ کس مقام پر ہے مختلف روایتوں کی بنا پر مدینہ منورہ میں ان کا مدفن جبل گیا رہ جگہ بیان کیا جاتا ہے۔

اول۔ بعض قدیم مورخ اس پر متفق ہیں کہ جنابہ سیدہ غالباً مقبرہ اہلبیت واقع بقیع میں دفن ہیں مگر ان میں سے یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان کی قبر کی علامت بھی وہاں موجود ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ امام محمد غزالیؒ نے جو شہرہ میں مدینہ منورہ گئے تھے اپنی کتاب احیاء العلوم میں سیدہ کی قبر کا کچھ ذکر ہی نہیں کیا کہ مدینے میں ہے بھی یا نہیں حالانکہ انھوں نے مدینہ منورہ کی

۱۔ جنابہ سیدہ سفر آخرت کیلئے پہلے سے بالکل تیار تھیں چنانچہ وفات سے قبل انھوں نے بڑی احتیاط کیساتھ غسل کیا۔ رخسارہ مبارک کے نیچے ہاتھ رکھ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور اسما بنت عمیس سے جو اس وقت حضرت ابوبکر کے نکاح میں تھیں اور جنابہ سیدہ کی خدمت میں حاضر تھیں فرمایا کہ اب میرا وقت آخر آ رہنچا مگر عورتوں کے جنازے جسطرح یہاں اٹھاتے ہیں اُس سے مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اسمانہ رضی اللہ عنہا نے جس میں ایک قسم کے تابوت دیکھے ہیں جن میں عورتوں کے جنازے اٹھاتے ہیں اور ایک نمونہ بنا کر جنابہ سیدہ کو دکھایا۔ سیدہ نے اُسے دیکھ کر پسند کیا اور تبسم فرمایا۔ یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو آنحضرت کی وفات کے بعد آپ سے ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد ان کا طائر روح پرواز کر گیا۔ اور تابوت میں اٹھائی گئیں۔ مشہور روایت یہی ہے کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مکان ہی میں دفن ہوئیں اور اس میں تابوت کی ضرورت نہ ہوئی ہوگی۔

۲۔ ان کا قبب حجتہ الاسلام ہے۔ طوس کے رہنے والے تھے ۵۷۰ھ میں ولادت اور ۵۷۵ھ میں وفات ہوئی۔ کیا مے سعادت اور احیاء العلوم انکی مشہور تصانیف ہیں۔

تمام مشہور قبروں کا ذکر کیا ہے اور اہل بقیع کی زیارت کیلئے حسب ذیل ہدایت کی ہے۔

”آنحضرت صلعم پر سلام پڑھنے کے بعد زائر ہر روز بقیع میں جائے اور قبر عثمان بن

عثمان و قبر حسن بن علی و قبر علی بن حسین و محمد بن علی و جعفر بن محمد رضی اللہ عنہم اور

قبر ابراہیم ابن رسول اللہ اور قبر صفیہ عہہ رسول کی زیارت کرے۔“

(اجزاء العلوم عربی مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۴۸)

ابن جبیر نے سنہ ۵۸۰ھ میں اور ابن بطوطہ نے سنہ ۷۲۶ھ میں مقبرہ اہلبیت کا ذکر کیا ہے مگر یہاں

بجز امام حسن علیہ السلام و حضرت عباس عم رسول اللہ کی قبروں کے کسی اور کی قبر نہیں بناتے۔ ان

سیاحوں نے جناب سیدہ کی قبر کی نشاندہی مزار حضور سرور کائنات کے متصل کی ہے جس کا ذکر آگے

آئیگا۔ سمہودی نے بھی سنہ ۸۶۰ھ میں اس مقبرے میں بجز تذکرہ بالادو قبروں کے کسی تیسری قبر کی

علامت کا ذکر نہیں کیا۔ سنہ ۸۶۰ھ میں عبدالحق محدث دہلوی بھی ساکت ہیں۔ یہاں تک کہ تیرھویں

صدی کا مورخ جعفر برزنجی بھی نزہۃ الناظرین تالیف ۸۶۰ھ میں اس مقبرے یا قبے میں جنابہ

فاطمہ زہرا کی علامت قبر کی موجودگی ظاہر نہیں کرتا۔ البتہ چودھویں صدی کے ہندوستانی سیاح

اس مقبرے میں جنابہ سیدہ کی علامت کا وجود ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً حاجی ڈاکٹر نور حسین صاحب

صابرا اپنے سفرنامہ تالیف ۱۳۱۹ھ میں لکھتے ہیں۔

”اس قبے میں قبلہ کی جانب دیوار کے ایک گز اونچے چوڑے پہاڑی فاطمہ زہرا کا مزار

بڑی شان و شوکت و آرائش سے بنا ہے۔“

(رفیق الحاج)

سنہ ۱۳۲۹ھ میں حاجی عبدالرحیم صاحب بنگلوری سفر حرمین میں لکھتے ہیں:-

”اس قبے کے ایک گوشہ میں ذرا بلندی پر مزار اقدس خاتون جنت ہے۔

مزار پاک بالکل غلاف میں پوشیدہ ہے۔ انکے غلاف پر زیادہ کام کیا ہوا ہے۔“

(سفر حرمین صفحہ ۸۵)

آرتھیل خواجہ غلام الثقلین مرحوم جنہوں نے سنہ ۱۳۲۹ھ میں زیارت کی تھی اپنے روزنامے میں

لکھتے ہیں۔

”اس قبے میں جانب مغرب حضرت فاطمہ کا مزار مبارک ہے۔ قبر فاطمہ زہرا پر قیمتی کپڑے پڑے ہیں۔ حضرت فاطمہ کی قبر کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی چادر جو ہزار ہا روپیے میں تیار ہوئی ہوگی آویزاں ہے“ روزنامہ ص ۳۹۱

اس گنہگار نے ۱۳۴۲ھ میں متبرکہ اہلبیت یعنی امام حسن و امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کی قبور کے مشترکہ چبوترے سے جانب جنوب تین چار گز کی فاصلہ پر ایک کچا چبوترہ زمین سے بالشت بھراونچا دیکھا تھا۔ جس کے اطراف معمولی پتھر بطور بندش کے چن دیے گئے تھے۔ ایک نائراشیدہ پتھر سرہانے نصب تھا۔ فاتحہ اسلام و زیارت زیادہ تر یہیں پڑھی جاتی ہے اور عموماً اسکو صحیح قبر سمجھا جاتا ہے۔

دوم۔ دوسرا مقام دفن جنابہ سیدہ بیت الحزن واقع بقیع تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں کبھی علامت قبر بنائی گئی اور کبھی نہیں بنائی گئی۔ اگلے زمانہ میں اسکو مسجد فاطمہ بھی کہتے تھے۔ امام غزالی نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہے مگر اس جگہ جنابہ سیدہ کی قبر کا انھوں نے کچھ ذکر نہیں کیا۔ (اجاء العلوم عربی مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۲۷)

متبرکہ اہلبیت کا ذکر ختم کر دینے کے بعد بیت الحزن کی مزید صراحت کی جائیگی۔ سوم۔ بقیع میں دار عقیل سے (۲۳) یا (۳۷) گز شرعی کے فاصلہ پر جنابہ سیدہ کا مدفن بیان کیا گیا ہے۔

چہارم۔ چوتھا مقام دفن فاطمہ دار عقیل کے گوشہ یانیہ میں جدھر سے بقیع کے اندر کی ٹرک کسی زمانہ میں گذرتی تھی تصور کیا گیا ہے۔

پنجم۔ دار عقیل و دار نبیہ کے درمیان گلی کے سرے پر بھی مدفن فاطمہ زہرا کی روایت ہے۔ ششم۔ زقاق نبیہ سے پندرہ ہاتھ کے فاصلہ پر بھی مدفن سیدہ خیال کیا گیا ہے۔ ہفتم۔ ایک روایت ہے کہ زقاق نبیہ سے باہر مدفن شریف ہے۔

ہشتم۔ ایک روایت یہ ہے کہ بقیع کی مشرقی جانب ایک مسجد تھی جہاں بچوں کی نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اسکے قریب جنابہ سیدہ دفن کی گئیں۔ یہاں رقیہ نامی کوئی عورت لے۔ زقاق کے معنی کوہ کے ہیں۔



ایک سیاہ دیرے میں رہا کرتی تھی وہ اس قبر سے واقف تھی اس کے سوا دوسرا کوئی شخص اس قبر کی جائے وقوع سے آگاہ نہ تھا۔ البتہ اہلبیت کو اس کا علم تھا۔

نہم۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت کے بموجب قبر جنابہ سیدہ اُنکے رہائش ہے جو عمر بن عبد العزیز نے سنہ ۹۷ میں تعمیر مسجد نبوی کے وقت داخل مسجد کر لیا۔ یہ بیت الشرف جنابہ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا سکونت مکان تھا۔ اب یہ مقام آنحضرت کے مزار اقدس کی جالی کے باہر جانب شمال ہے۔ اسکے گرد بھی سبز رنگ کی ڈھلی ہوئی جالی ہے اور بظاہر مزار حوض و سرور کائنات کی جالی کا ایک حصہ ہے۔ ابن جبیر کے زمانہ میں سنہ ۳۵۶ھ یہاں قبر کی علامت نہ تھی صرف پتھر کا ایک چھوٹا سا حوض تھا جسے اُس وقت بعض لوگ جنابہ سیدہ کا مکان اور بعض انکی قبر بیان کرتے تھے۔ (ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ رامپور صفحہ ۱۶۷)

سمہودی کے زمانہ ۳۵۶ھ میں بھی اس جگہ قبر کی کوئی علامت نہ تھی مگر لوگوں کا خیال تھا کہ یہاں مدفون سیدہ ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

”حجرہ شریف کے پیچھے جالی کے اندر کڑی کی محراب کے قریب مثلث نما ایک جگہ ہے ہم نے دیکھا کہ خدام وہاں پاؤں رکھنے سے پرہیز کرتے ہیں اُن کا زعم ہے کہ یہاں حضرت فاطمہ کی قبر ہے“

(دفاع الوفا عن جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۹۴)

سید سمہودی اس مقام کی نسبت یہ بھی فرماتے ہیں کہ مزار اقدس سرور کائنات پر جب بڑا قبہ تعمیر ہو رہا تھا تو بنیاد کھودتے وقت حجرہ شریف کے پیچھے جو مثلث کی شکل کی جگہ ہے اُنکی حد کے آخر میں اینٹوں سے بنی ہوئی ایک قبر پائی گئی اور اس میں سے کچھ ہڈیاں نکلیں لوگوں میں بڑی پریشانی ہوئی آخر بنیاد کو وہاں سے کسی قدر ہٹا دیا۔ (دفاع الوفا عن جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۹۵ و ۹۶)

تیرھویں صدی ہجری سے اس مقام پر جنابہ سیدہ کی قبر کی علامت و قبہ کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ بتہ نہیں لگتا کہ یہ قبر و قبہ کس نے تعمیر کرایا۔ مولوی قاضی محمد سلیمان صاحب اپنی سفرنامہ

۱۔ مزار اقدس پر پہلی مرتبہ ۱۱۷۷ھ میں ملک المتصور قلاؤن صالحی نے قبہ تعمیر کرایا تھا۔ تو ضیعاً سقف حجرہ شریف دگنبد خضر کے حالات باب دوم کی فصل اول میں ملاحظہ ہوں۔

الہاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ غالباً یہ قبر وقبہ سلطان عبدالرشید خاں ثانی کا تیار کرایا ہوا ہے جسکے عہد میں موجودہ عمارت مسجد نبوی پندرہ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچی۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے اس سلطان کا عہد حکومت ۱۲۵۵ھ سے ۱۲۸۲ھ تک ہے۔ اور یہ قبر وقبہ ۱۳۲۲ھ میں بھی موجود تھے جسکا ذکر فرنگی سیاح برکھارٹ نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ اسکے بعد سیاح حجاز برٹن نے بھی جو ۱۳۶۹ھ میں مدینہ گیا تھا اس کا ذکر کیا ہے اہل نجد نے اپنی سابقہ فتوحات کے وقت اس قبر وقبہ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور اب بھی یہ بے نقسہ موجود ہے قبہ مخروطی شکل کا چھوٹا سا ہے۔ اسپر سبز اطلس کا غلاف ایک قنات کی طرح گردا گرد پڑا رہتا ہے جس سے قبر شریف وقبہ کی ہیئت کچھ نظر نہیں آتی غلاف پر جنابہ سیدہ کا نام اور دو سفید حروف میں بنا ہوا ہے بعض لوگ اس قبر کو غیر صحیح سمجھکر یہاں زیارت نہیں پڑھتے۔

دہم۔ جنابہ سیدہ کی قبر مسجد نبوی میں باب النساء کے متصل بھی بیان کی جاتی ہے۔ یہ جگہ جنابہ سیدہ کا مکان تصور کی گئی ہے جو مسجد میں داخل ہو گیا ہے اور اب اس مقام کا تعین صحن مسجد میں باب النساء کے سامنے بتان فاطمہ پر ہوتا ہے۔ اس طرف کے مکانات سترہ میں عمر بن عبدالعزیز والی مدینہ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے داخل مسجد کیے تھے بعض صاحبوں کا خیال ہے کہ یہاں جنابہ سیدہ فاطمہ زہرا کا مکان تھا۔ چنانچہ قاضی محمد سلیمان صاحب اپنی کتاب الہاد الی سبیل الرشاد میں بہ حوالہ

۱۵۔ اس باغ یا کھاری کو حضرت فاطمہ کا باغ کہتے ہیں۔ تاریخوں سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ جنابہ سیدہ کا باغ تھا اور اس کے درخت اس معصومہ کے بوئے ہوئے تھے۔ البتہ ۱۳۲۵ھ میں یہاں کھجور کے چند درختوں کا پتہ لگتا ہے۔ مگر ۱۳۵۵ھ کی آتش زدگی بھی ایسی قیامت کی تھی کہ اس سے امید نہیں کہ یہ درخت بچے ہوں۔ بہر حال زمانہ دراز سے یہ درخت اور کچھ درخت چلے آ رہے تھے۔ لوگ انکی پتیاں اور پھل تبرک سمجھتے تھے ان کے متصل ہی ایک کنواں ہے جسے بعض لوگ اسکو کوثر اور بعض زمرم کہتے ہیں اور اسکا سوتا مکہ معظمہ کے زمرم سے بتاتے ہیں اسکے پانی سے ان درختوں کو سینچا جاتا تھا۔ ۱۳۲۵ھ میں اس گنہگار نے اسکی زیارت کی تھی مسجد کے جانب شمال لکڑی کے ایک درجہ کپڑے کے اندر آٹھ کھجور کے درخت۔ ایک اٹلی کا۔ ایک بیری کا ایک روٹی کا کچھ مہندی کے اور کچھ کر دھن موجود تھے۔ ہر پالی سبزی اور بھی تھی۔ شبان ۱۳۲۲ھ میں حکومت نجد نے اس کے تمام درخت کٹوا دیے اور کنوین پر تختے جڑ کر مقفل کر دیا۔

اصول الکافی مولفہ شیخ یعقوب کلینی لکھتے ہیں:-

”سیدہ کی قبر ان کے گھر میں تھی۔ جب بنو امیہ نے مسجد میں اضافہ کیا تو سیدہ کا گھر شامل مسجد ہو گیا۔ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ سیدہ کی قبر مسجد نبوی کے صحن میں ہو یعنی ثبستان فاطمہ کے اندر“

(الہاد صفحہ ۳۲۱، ۳۲۸)

اگرچہ یہ مقام جنابہ سیدہ کے مکان و باغ سے منسوب ہے مگر اس فقیر کی رائے میں یہ مکان جنابہ فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین علیہ السلام کا ہو گا جن کے شوہر حضرت حسن مثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام اور یہ دونوں بزرگوار وقت توسیع مسجد بنجر و اکراہ اپنے مکان سے باہر کیے گئے تھے جسکی توضیح مزار سرور کائنات کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا بیت الشرف حضور سرور کائنات کے اُس قبرستان سے ہیں اب مزار اقدس ہی بالکل ملا ہوا تھا جہاں اب علامت قبر سیدہ موجود ہے جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

یاد رہے۔ مسجد نبوی کے اندرون والان کے اس مقدس حصے میں بھی جسے روضہ کہتے ہیں جنابہ سیدہ کا مدفن تصور کیا جاتا ہے۔ سید سہودی اس روایت کو بالکل ضعیف قرار دیتے ہیں اور اگرچہ یہاں علامت قبر بھی نہیں ہے مگر قدیم سے بعض محتاط زائر یہاں سلام و زیارت پڑھتے رہے ہیں خصوصاً شیعہ۔ چنانچہ ناصر خسرو نے ۳۵۴ھ میں اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے ۷۳۳ھ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے بھی بعض حاجیوں کو یہاں زیارت پڑھتے دیکھا تھا۔ مذکورہ بالا گیارہ مقامات میں سے آٹھ جنت البقیع میں ہیں، مگر سوائے مقبرہ امیہ بنت ابی اسلم کے اس زمانہ میں کسی اور جگہ کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے مدینہ منورہ میں پانچ رہنماؤں (مزدوروں) سے کام لیا تھا۔ جب ان سے اور نیز بعض دوسرے اہل مدینہ سے میں نے مقامات نمبر ۳ تا نمبر ۱۱ کا

۱۰۔ اس جگہ کی نسبت حدیث میں یہ اہد سنا ہوا ہے کہ ”میرے منبر و مکان کے درمیان بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے“ یہ جگہ کوئی دس بارہ گز لمبی اور چار پانچ گز چوڑی ہے۔ یہاں جا بجا دیواروں میں سنگ مرمر دستک خنیک کے چوکوں پر رنگ برنگ کے کتے نصب ہیں اور طلائی نقش و نگار نے اس حصہ کو مرصع کر دیا ہے۔ یہاں صبح سے شام تک زائرین نماز و صلوٰۃ و سلام و ذکر ان پیر پاکر تہیں۔ بلحاظ کثرت ثواب اس مقام کو حجاز بہشت کہا گیا ہے۔

ذکر کیا تو اول اُن کو میرے اس سوال پر حیرت سی ہو گئی کہ جنابہ سیدہ کا مدفن مدینے بھڑ میں صرف چار جگہ تصور کیا جاتا تھا یہ نئے سات مقامات اور کہاں سے پیدا ہو گئے۔ بالآخر جب میں نے تاریخ کا حوالہ دیکر اُن سے پوچھا تو میرے سمجھا دینے کیلئے ان مقامات کی نشاندہی وارعیل کے آس پاس اور کچھ ادھر ادھر کی جگہ دکھا کر کر دی۔ کسی تاریخ سے مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مقامات نمبر ۳ تا نمبر ۶ پر کبھی علامت قبر بنائی گئی یا نہیں اور کسی زمانہ میں عام طور سے زیارت پڑھی گئی یا نہیں۔ جنابہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا پر سلام و زیارت پڑھتے وقت ہر شخص اپنے عقیدے۔ محبت۔ خلوص و جوش کا اظہار کرتا ہے لیکن عام طور پر جو سلام و زیارت پڑھی جاتی ہے وہ درج ذیل ہے۔ بعض لوگ اس میں کمی بیشی بھی کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ دردناک الفاظ میں اس معصومہ کی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں مگر مدینے کے مزدور عموماً یہی سلام پڑھاتے ہیں۔

السلام علیک یا سیدتنا فاطمة الزہراء یا بنت رسول اللہ !  
السلام علیک یا بنت حبیب اللہ ! السلام علیک یا  
خامس اہل کساء۔ السلام علیک یا زوجة الامیر المومنین  
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فی الجنة۔ السلام علیک  
یا ام الحسن والحسین السیدین الشہیدین اللوکیین القمین  
النیرین سید شباب اہل الجنة الی محمد الحسن وابی عبد اللہ  
الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنک وارضاک احسن الرضا  
وجعل الجنة منی لک ومسکنک وما ولک۔ السلام علیک  
وعلیٰ اہلبیت المصطفیٰ وعلیٰ المرتضیٰ وبنیات الحسنین  
ومرحمۃ اللہ برکاتہ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے رسول اللہ کی صاحبزادی ہماری سردار فاطمہ زہرا آپ پر سلام۔ اے محمد مصطفیٰ کی صاحبزادی آپ پر سلام۔ اے حبیب خدا کی صاحبزادی آپ پر سلام۔ اے ہمارے آقا امیر المومنین علی مرتضیٰ کی زوجہ محترمہ آپ پر سلام۔ اے حسن و حسین کی والدہ ماجدہ آپ پر سلام آپ کے یہ دونوں صاحبزادے یعنی ابی محمد الحسن اور ابی عبد اللہ الحسین دوسرے ہیں۔ دوسرے ہیں

اے کسا کے منی جادر کے ہیں۔ جب آپؑ ظہیر نازل ہوئی تو آنحضرت نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو اپنی یاد و جسامیں لیکر دعا کی کہ یہ میرے



دوستارے ہیں۔ دو چاند ہیں۔ جو انان بہشت کے مترادف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے اور آپ سے خوش ہو۔ اور آپ کو بہترین طور پر خوشنود کرے اور آپ کا مکان آپ کی منزل اور آپ کا مسکن جنت قرار دے۔ آپ پر۔ آپ کے پدر بزرگوار پر۔ آپ کے شوہر پر اور آپ کے فرزندوں پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت۔

### (ب) قبر حضرت عباس عم رسول

حضرت عباس ابن عبدالمطلب آنحضرت کے چچا تھے۔ جنگ یدر میں یعنی سلسلہ میں ایمان لائے۔ اٹھاسی برس کی عمر میں ۱۲ رجب سلسلہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے عام طور پر ان کی قبر مقبرۃ اہلبیت ہی میں بیان کی جاتی ہے یہاں تک کہ اس مقبرے کا دوسرا نام بھی مقبرۃ عباس مشہور ہے مگر ایک روایت یہ بھی ہے کہ اُن کو حضرت فاطمہ زہرا کی قبر کے نزدیک جو گوشہ داعقیل میں بھی جاتی ہے دفن کیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ عباس بقیع کے بیچوں بیچ میں دفن کیے گئے۔

مسعودی نے مروج الذهب تالیف سلسلہ میں مقبرۃ اہلبیت کے ضمن میں حضرت عباس کی قبر کا ذکر نہیں کیا۔ امام محمد غزالی نے سلسلہ میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی مگر وہ بھی احیاء العلوم میں مدفونین بقیع کے ضمن میں حضرت عباس کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ البتہ سلسلہ میں ابن جبیر نے ان کی قبر کی نسبت یہ لکھا ہے:-

یہ دفن عریض و بلند ہے۔ قبر پر نہایت خوشنما تختے لگے ہیں اور تختوں پر چکدار  
 کی مادی کی کٹی ہوئی بلیں جڑی ہیں۔ اس آرائش سے منظر نہایت  
 اشریف ہو گیا ہے۔

سلسلہ میں ابن بطوطہ نے بھی اس قبر کی ہی کیفیت تحریر کی ہے۔ اس کے بعد سلسلہ میں سید مہر دی نے قبر کی ہی وضع و قطع بیان کی ہے۔ چودھویں صدی ہجری کے سیاحوں نے قبر کی کوئی شکل نہیں بیان کی مگر یہ لکھا ہے کہ اسپر طلات پڑا ہے۔ سلسلہ میں اس فقیر نے مقبرۃ اہلبیت کو ان قبروں کا ایک مشترک چوڑا پایا جبیر علامت قبور کیلئے سر جانے ایک ایک پتھر نصب تھا۔ اگر زائر مسترق کی جانب منہ کر کے کھڑا ہو تو اس کے داہنی جانب

پہلی قبر حضرت عباس کی ہوگی۔

## (ج) قبر امیر المومنین علی ابن ابی طالب

رمضان سنہ ۳۵ میں امیر المومنین کی شہادت کوفہ میں واقع ہوئی۔ مشہور روایت ہر کہ امام حسن علیہ السلام نے اونٹ پر جنازہ لیجا کر بطور خاص دفن کا انتظام فرمایا اور بعض مصلحتوں کے خیال سے اسکی اطلاع عام لوگوں کو نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین کے مدفن کے متعلق مختلف روایتیں ہیں اور کم سے کم بارہ مقام پر قبر شریف بیان کی گئی ہے۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے جد مبارک کو فے سے مدینے لاکر بقیعہ مقبرہ اہلبیت میں دفن کیا۔ سید سمہودی اپنے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ۸۶ھ میں مقبرہ اہلبیت میں مشہد حسنؑ و عباسؑ کے جانب قبلہ ایک قبر کھود رہے تھے کہ زمین سے لکڑی کا ایک تابوت نکلا جسپر سرخ غلاف پڑا ہوا تھا اور کیلیں جڑی ہوئی تھیں اور نہ وہ غلاف بگڑا تھا اور نہ کیلونکی چمک میں فرق آیا تھا۔ سید موصوف کا خیال ہے کہ شاید یہ تابوت حضرت علی کا ہو۔

ایک روایت جس کا تعلق اہل کشف سے ہے یہ ہر کہ امیر المومنینؑ اپنی والدہ ماجدہ کے مقبرہ بقیعہ میں دفن ہیں مگر ان دونوں مقامات پر علامت قبر شریف کبھی نہیں بنائی گئی۔ ایک روایت یہ ہر کہ کوفہ کے میدان میں آپ دفن کیے گئے۔ ایک روایت یہ ہر کہ کوفہ کے دارالامارہ میں دفن ہوئے اور اس جگہ کو لوگوں نے چھپا دیا۔ ایک روایت یہ ہر کہ جس اونٹ پر جنازہ شریف تھا وہ کم ہولر قبیلہ کنہی طے کے علاقہ میں پہنچ گیا اور انھوں نے دفن کر دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیت اللہ میں دفن ہے۔ اصلی مزار شریف نجف اشرف واقع عراق میں خیال کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ بلخ میں بھی ان کا مزار ردضہ سخی جان کے نام سے مشہور ہے۔ حاجی علی قاری ملازم شوستری کہنی جہاز بمبئی جو ترکستان کے رہنے والے ہیں اور کابل میں بھی رہ چکے ہیں۔ ان کا میرا ساتھ حج کو جاتے وقت جہاز میں ہوا تھا۔ انھوں نے مجھے بیان کیا کہ ترکستان میں مختلف پانچ مقامات پر حضرت علیؑ کے مزار ہیں۔ سب سے بڑی درگاہ بلخ میں ہے۔ موسم بہار میں وہاں عرس ہوتا ہے اور چالیس دن تک رہتا ہے پھر دروہاں تک سے زائر وہاں ہنٹیں مراویں ہاتے کیلئے آتے ہیں اور اونٹ گائے۔ بیل۔ بھیڑ بکری

فتح کرتے ہیں۔ دوسرا بڑا مزار مقام مرغ نان میں ہے۔ اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت علی اسطربت جہاد کرتے ہوئے تشریف لائے تو ایک بڑھیا نے روٹی اور مرغ کا سالن آپکے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس جگہ کا نام مرغ نان رکھا۔ مرغ نان میں تین چھینے تک عرس ہوتا رہتا ہے بہت سے معذور بیمار اور اپاہج دو دور سے وہاں آتے ہیں اور چالیس دن تک رہتے ہیں۔ اس کے بعد مزار مبارک سے تین دستک کی آواز سنائی دیتی ہے اور بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔ مرغ نان میں دو پہاڑوں اور دریاؤں کے بیچ میں ایک بلند پہاڑی ہے جسپر (۱۸۰۰) ٹیرھیلاں چڑھکر پہنچتے ہیں اسپر گنبد بنا ہوا ہے۔ باقی تین مقام جہاں حضرت علی کا مزار ہے چار سو۔ کوٹا اور کابل ہیں۔ حضرت علی کے ایک فرزند محمد ابن حنفیہ تھے ان کا مدفن بقول مورخ ابن خلکان جنت البقیع میں ہے مگر قاری صاحب موصوف نے مجھ سے کہا کہ ترکستان میں ضلع فرغانہ سے چند میل کے فاصلہ پر کہ ریل کا آٹھ آنے کرایہ دیا جاتا ہے ایک مقام خواہے وہاں محمد بن حنفیہ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مخلوق مغت و حاجت لیکر وہاں پہنچتی ہے۔

### (۵۱) قبر امام حسن علیہ السلام

اگرچہ امام حسن علیہ السلام کا مدفن عام طور پر مقبرہ اہلبیت میں تسلیم کیا جاتا ہے مگر علامہ سمہودی نے ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ وہ اپنی دادی حضرت فاطمہ بنت اسد کے مقبرے میں دفن کیے گئے۔ (خلاصۃ الوناباخبار دارالمصطفیٰ مطبوعہ مطبع میریہ مکہ صفحہ ۲۰۲)

امام حسن علیہ السلام ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں نہر سے شہید ہوئے۔ عام روایتوں سے یہ واضح ہے کہ جب وہ آنحضرت کے روضہ شریفہ میں دفن نہ ہو سکے تو ان کی حسب وصیت جنا بیدڑ کے قریب جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ انکی قبر کا ذکر مورخین و سیاحان قدیم نے کیا ہے جو اسی موضع کی ہمتی جیسی کہ حضرت عباس کی قبر۔ اور اسپر بھی پتل کی جالیوں جڑی ہوئی تھیں حضرت عباس کی پائنتی ان کا سر ہاں بیان کیا جاتا ہے۔ زمانہ حال کے سیاح لکھتے ہیں کہ ان کے مزار پر سبز غلاف پڑا تھا جسپر زرد وری کا کام تھا۔ میں نے سیکڑا میں پانچ قبروں کا مشترک چہو ترہ جو دیکھا تھا اس میں دوسری قبر انکی بیان کی گئی۔

### (۵۲) مدفن مبارک امام حسین علیہ السلام

حضرت علی کے کئی صاحبزادے کا نام محمد تھا اس وجہ سے ہنرمندان کی مالو کے نام کی مناسبت سے انکو محمد بن حنفیہ کہتے ہیں۔

سلسلہ میں بعد واقعہ کربلا امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا تھا جس کے دفن کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزید نے سر مبارک اپنے عامل کے پاس مدینے بھیج دیا تھا اُس نے کفن میں لپیٹ کر سیدہ خاتون جنت کی قبر کے نزدیک مقبرہ اہلبیت واقع بقیع میں دفن کر دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ کربلا میں جہداطہر کے ساتھ دفن کیا گیا۔

دمشق میں ایک بہت بڑی مسجد ہے اسمیں بھی سر مبارک کا دفن ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس مسجد کا نام ہی مسجد راس سیدنا الحسین ہے۔

نیز قہارہ میں ایک بڑا عالیشان مقبرہ مسجد حسین کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ فاطمی خلیفہ مصر المعز لدین اللہ نے سلسلہ میں سر مبارک دمشق سے لیجا کر وہاں دفن کیا اور اس پر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔

### (۹) قبر امام زین العابدین علیہ السلام

سلسلہ یاسلہ میں امام زین العابدین علی بن حسین علیہم السلام نے بروایات مشہورہ مدینہ منورہ میں نہر سے وفات پائی تھی۔ یہ بھی مقبرہ اہلبیت میں مدفون تصور کی جاتی ہیں۔ امام عروالی ذی سلسلہ میں بقیع میں انکا دفن بیان کیا ہے مگر ابن جبیر نے سلسلہ میں اور ابن بطوطہ ذی سلسلہ میں مدفون بقیع کے ضمن میں انکا ذکر نہیں کیا زمانہ حال کے سیاح اہلبیت کی قبروں کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ انکی قبر امام حسین علیہ السلام کی قبر کے برابر ہے جس پر سبز کارچولی غلاف پڑا ہوا ہے۔ لوح و کتبہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا میں نے سلسلہ میں پانچ قبروں کے جس مشترک چبوترے پر زیارت پڑھی تھی اُس میں تیسری قبر ہمارے بھائی گئی تھی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شوستر واقع ایران میں بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے نام سے ایک بڑی درگاہ بنی ہوئی ہے اور وہاں والے اُسی کو اصلی قبر خیال کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول حالات ایران)

### (۱۰) قبر امام محمد باقر علیہ السلام

باختلاف روایات سلسلہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے بمقام حمیمہ وفات پائی اور خورش مبارک مدینہ میں لاکر بقیع میں دفن کی گئی۔ (تاریخ ابن خلکان)



ابوالحسن علی بن حسین سعودی مولف مروج الذهب نے سلسلہ میں اور امام غزالی فی احیاء العلوم میں ۸۳۰ھ میں ان کا مدفن بقیع لکھا ہے مگر ۸۵۰ھ میں ابن جبیر نے اور سلسلہ میں ابن بطوطہ نے مقبرہ اہلبیت میں بقیع میں کسی اور جگہ ان کے دفن ہونیکے متعلق کچھ نہیں لکھا اور نہ انیر فاکہ پڑھنے کا کچھ ذکر کیا۔ وہ مقبرہ اہلبیت میں صرف امام حسن علیہ السلام و حضرت عباسؓ کی قبر کا ذکر کرتے ہیں اور بس۔ سید سمہودی نے ۹۳۰ھ میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سلسلہ میں مقبرہ اہلبیت میں ان کے مدفن کا ذکر کیا ہے مگر علامت قبر کے وجود کی نسبت کچھ نہیں کہتے۔ سلسلہ میں انگلستان کے مشہور سیاح کپتان برٹن نے حکیم عبداللہ خاں کے نام سے مسلمانوں کے پھیس میں سفر گزار کیا تھا اس کے مزار نے اس خیال سے کہ مقبرہ اہلبیت میں امام محمد باقر علیہ السلام کے دفن کی روایت صحیح نہیں ہے اُس کو ان کی زیارت نہیں پڑھائی تھی۔ حالیہ فتوحات اہل نجد سے قبل چودھویں صدی کے ہندوستانی سیاح وجود قبر و علامت قبر کا ذکر کرتے ہیں جس پر مثل دو سرے قبور اہلبیت کے سینہ کا پرچہ غلاف پڑا تھا۔ لوح و کتبہ کچھ نہ تھا۔ قبر کے سرھانے اُن کی زیارت لکھی ہوئی آویزاں تھی۔ میں نے ۱۳۵۰ھ میں اہلبیت کے مشترکہ چوتھے پر زیارت پڑھی تھی۔ زائر اگر جانب مشرق مُنھ کر کے کھڑا ہو تو اس مبارک مقبرے کا چوتھا پتھر امام محمد باقر علیہ السلام کے سرھانے کا پتھر ہوتا ہے۔ میرے متعدد مزارین میں سے دو ایک نے ان کے یہاں دفن ہونے کا بارے میں شبہ کیا تھا۔

### (ج) قبر امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۳۵۰ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زہر سے وفات ہوئی اور بقول حنا مروج الذهب و حسب بیان احیاء العلوم غزالی جناب صادق آل محمد کا مدفن مقبرہ اہلبیت واقع بقیع میں ہے۔ مگر ابن جبیر و ابن بطوطہ نے ان کی قبر یا ان کی زیارت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ سید سمہودی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کا مدفن یہاں بتاتے ہیں مگر علامت قبر کا ذکر نہیں کرتے۔ کپتان برٹن کے مزار نے بھی یہاں اُسکو زیارت امام جعفر صادق علیہ السلام نہیں پڑھائی تھی۔

(سفر نامہ برٹن انگریزی جلد اول)

اہل نجد کی حالیہ فتوحات سے قبل ہندوستانی مسلمان سیاح جو حجاز گئے انھوں نے اہلبیت کی

دوسری قبور کے ساتھ ان کی قبر کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس وقت ان کی قبر پر بھی کارچوبی سبز غلاف پڑا ہوا تھا اور دوسرے ائمہ کی زیارت کی طرح ان کے سرھانے بھی ایک کاغذ پر زیارت آویزاں تھی جس کا متن  
میں اہلبیت کی مشترکہ قبور کا پانچواں پتھر ان کے مزار مبارک کی علامت ہے۔ بعض اہل مدینہ کو ان کا  
مدفن یہاں ہونے میں اب بھی شبہ ہے۔

مشرقی ترکستان کے ضلع ختن میں دریائے نیل کے کنارے جہاں اس دریا کا پانی زمین میں  
جذب ہو جاتا ہے ایک آباد قریہ ہے اس میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کا مزار ہے اور اس  
وجہ سے اس گاؤں کا نام ہی ”مزار امام جعفر صادق“ مشہور ہے  
(سزاویل آٹن صاحب کا سفر مشرقی ترکستان ترجمہ سید محمود اعظم بھی ترمذی مطبوعہ دائرہ ادبیہ کتب خانہ)

## (۵) مقبرہ اہلبیت کی زیارت کا طریقہ

(۱)

قبرستان جنت البقیع میں چونکہ اہل بیت نبوت و رسالت کی مقدس ہستیاں خاص بہت  
رکتی ہیں اس لیے ان کی زیارت کا طریقہ اور عام طور پر ان کی زیارت کے وقت جو سلام پڑھا  
جاتا ہے وہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی حنفی کی کتاب ”جذب القلوب الی دیار المحبوب“ سے  
تحریر کیا جاتا ہے۔ مولوی صبیحۃ الدین صاحب ساکن مدراس شافعی مذہب نے بھی اپنی کتاب  
”السیکینہ باخار مدینہ“ میں اسے نقل کیا ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اماموں میں سے کسی کی  
بھی زیارت کرے تو گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔  
کسی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایک قول بلیغ تعلیم  
کیجئے تاکہ میں اہلبیت کی زیارت کے وقت اسے پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا  
جب تم اہلبیت کی زیارت کا ارادہ کرو تو پہلے غسل کرو اس کے بعد اولاً  
دروازے پر کھڑے ہو کر کلمہ شہادتین ادا کرو پھر جب تم اندر داخل ہو اور  
تمہاری نظر قبر پر پڑے تو تیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ پھر ادب و تعظیم کے ساتھ

پاس پاس قدم رکھتے ہوئے تھوڑا آگے بڑھو۔ پھر کھڑے ہو کر تیس مرتبہ  
اللہ اکبر کہو۔ پھر قبر کے قریب ہو جاؤ اور چالیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ اس کے  
بعد اس طرح سلام عرض کرو:-

السلام علیک یا اهل البيت، رسالة ومختلف الملائكة ومهيبط الوحي  
وخزان العلم ومنتهى الحكم ومعادن الرحمة واصول الحكيم وقادة  
الامم وعناصل الابرار ودعائم الاخيار۔ وابواب الايمان  
وامناء الرحمن وسلالة خاتم النبیین وعترۃ صفوة المرسلین  
ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ السلام علی ائمة الہدیٰ۔ ومصابیح  
الدجی۔ واعلام التقیٰ ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ السلام علی محال رحمة اللہ  
ومساکن بركة اللہ ومعادن حکمة اللہ وخفظة سر اللہ وحملة  
کتاب اللہ وورثة رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ السلام علی  
دعاة الی حکم اللہ۔ والاولاء علی مرضاة اللہ وداموا بظہر من لامر اللہ  
ونہیدہ والمخلصین فی توحید اللہ ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ انتمی مستشفع  
بکم ومقدمکم طلبی وارادتی ومسئلتی وحاجتی اشهد اللہ انی ہون  
بسیرکم وعلائیکم وانی ایت علی اللہ تعالیٰ من عہد وعہد وآل محمد  
من الجن والانس صلی اللہ علی محمد وآلہ الطہیین الطاہرین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا  
(جذب القلوب باب حالات زیارت بقیع السکینہ باخبار مدینہ آداب زیارت بقیع)

اسکا مطلب خیر ترجمہ یہ ہے:-

اے اہلبیت رسالت۔ اے فرشتوں کے نازل ہونے اور جبریل کے آثر نیکی جبکہ  
آپ پر سلام۔ آپ خزانہ علم کے محافظ۔ حکمت کے مرکز۔ رحمت کے معدن۔ جود و کرم کے  
اصول۔ امتوں کے سردار۔ پرہیزگاروں کے رکن۔ نیکیوں کے ستون۔ ایمان کے دروازے۔  
اللہ کے امانت دار۔ خاتم النبیین کے فرزند۔ اور حضرت سید المرسلین کی اولاد ہیں۔ آپ پر  
خدا کی رحمت و برکت۔ آپ ہدایت کرنے والے امام ہیں۔ اندھیرے کے چسپاں غماں ہیں۔

زہد و تقویٰ کے نمونہ ہیں۔ آپ پر سلام اور آپ پر خدا کی رحمت و برکت۔ سلام ہو آپ پر۔  
 آپ سننِ رحمت۔ سکُنِ برکت و منبعِ حکمت ہیں۔ آپ اسرارِ الہی کے نگہبان۔ کتابِ الہی کی  
 حامل اور رسول اللہ کے وارث ہیں۔ آپ پر خدا کی رحمت۔ آپ پر خدا کی برکت۔ آپ راضی و رضا  
 رہنے والے۔ خدا کے حکموں کی اشاعت کرنیوالے اور خدا کی توحید کو خالص کرنیوالے ہیں۔ آپ پر  
 سلام۔ آپ پر خدا کی رحمت و برکت۔ میں آپ سے شفاعت کی امید رکھتا ہوں اور اپنی طلب  
 و اہلادہ و سوال و حاجت میں آپ کو اپنا پیشوا سمجھتا ہوں۔ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے  
 ظاہری و باطنی احکام پر اعتقاد رکھتا ہوں اور میں محمد و آلِ محمد کے دشمنوں سے خدا کے سامنے بیزار  
 ظاہر کرتا ہوں خواہ وہ جنات سے ہوں یا بنی آدم سے۔ اللہ کی رحمت محمد اور ان کی طیبہ ظاہر  
 اولاد پر اور بہت بہت سلام۔

## (۶) مقبرہ اہلبیت پر اس گنہگار کی حاضری

(❖)

۸ اذی حجۃ کو شنبہ کے دن صبح کے دس بجے جب میں پہلی مرتبہ جنت البقیع میں  
 حاضر ہوا تو اس وقت گونا گوں تخیلات کا ایک دریا میرے دل میں موجیں مار رہا تھا۔ اور میرے  
 دماغ میں تصورات کا عجیب و غریب مرقع کھچا ہوا تھا۔ اس خیال نے کہ میں کون ہوں اور  
 کہاں آگیا ہوں مجھے مبہوت کر دیا تھا۔ عالم بخودی میں جب میرے رہنا نے مجھے مقبرہ اہلبیت پر  
 لپکا کر کھڑا کر دیا اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کیلئے کہا تو میری زبان سے زیادہ میری آنکھوں نے  
 یہ خدمت انجام دی۔ تخیل و تصور و استغراق و انہماک نے یہاں میرے لیے بہت سے سال  
 پیدا کر دیے تھے۔ میرا دماغ مغل جکڑ میں تھا اور میرا قلب مضطرب تاریخ اسلام کی درق گردانی تھا  
 سرعت کیساتھ کھڑا تھا۔ انواع و اقسام کے واقعات۔ متحرک تصویروں کی طرح جلد جلد میرے  
 سامنے سے گزر رہے تھے۔ بظاہر یہاں عالیشان گنبد۔ خوشنما صرح۔ خوبصورت مزار اور  
 زرق برق غلاف نظر نہیں آ رہے تھے مگر یہ فرزندِ ان حضرتِ منزل۔ یہ آلِ عباس اس سستی میں



کہ ان کی مقدس ضربوں پر زنا و غلاف ڈالے جائیں اور ان کے غیر فانی مزاروں پر قبے بنائے جائیں۔ جن مقدس ستیوں کی خدمت میں سلام عرض کرنے کیلئے میں حاضر ہوا تھا انکی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے کبھی ان کے موتیوں کے محل اور زبرجد کے ایوان آگئے اور کبھی ان کے مختصر بیت الشرف دکھائی دیتے تھے۔ کبھی ان کے نورانی پیکر مجھے حلقہ ہاؤہشت سے بلوس نظر آتے تھے اور کبھی چادرِ تظہیر سے مسطور۔

## (۷) بیت الحزن

(\*)

حضرت علی کا یہ مکان جنت البقیع میں مقبرۃ البیت کے دائیں جانب کوئی بیس قدم کے فاصلہ پر واقع تھا اور جناب سیدہ آنحضرت کی وفات کے بعد یہاں گریہ و زاری و عبادت الہی میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ایک روایت کے بموجب انکی قبر یہاں بھی بیان کیجاتی ہے امام محمد غزالی نے سنہ ۴۵۰ھ میں احیاء العلوم میں اسکو مسجد فاطمہ سے تعبیر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔ ابن جبیر نے سنہ ۵۰۰ھ میں بیت الحزن کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ اسوقت کیسے شکل کا تھا اسپر کوئی قبۃ تھا یا نہ تھا۔ سنہ ۵۶۰ھ میں ابن بطوطہ نے صرف اس کے نام پر اکتفا کیا ہے۔ سنہ ۵۸۰ھ میں سمہودی بھی اس کا دوسرا نام مسجد فاطمہ لکھتے ہیں۔ اسوقت یہاں قبۃ موجود تھا اور قبۃ کے اندر حضرت فاطمہ کی قبر بھی بنی ہوئی تھی۔ جذب القلوب میں سنہ ۶۰۰ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے قبر کا ذکر نہیں کیا۔ سنہ ۶۰۰ھ میں جب سعود اول امیر نجد کا مدینہ منورہ پر قبضہ ہو گیا تو اسوقت البقیع کو دوسرے قبوں کیساتھ قبۃ بیت الحزن بھی منہدم کر دیا گیا۔ اسکے دس گیارہ برس بعد تخمیناً سنہ ۶۳۲ھ میں محمد علی پاشا والی مصر نے نجدیوں کا قبضہ حجاز سے اٹھا دینے کے بعد دوسرے قبوں کیساتھ اسے بھی تعمیر کرایا مگر غالباً قبر کی علامت یہیں نہیں بنوائی کیونکہ سنہ ۶۸۰ھ میں جعفر بن زنجی اپنی کتاب نہرۃ الناظرین میں بیت الحزن کے اندر علامت قبر کی عدم موجودگی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سنہ ۱۳۱۹ھ میں ڈاکٹر لورینس حسنا صابر اس میں مزار جنابہ فاطمہ کا وجود لکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

مقبرۃ بیت الحزن میں سیڑھیوں سے اتر کر داخل ہوتے ہیں۔ قبلہ کی طرف مزار پر انوار خاتون قیامت ہے۔

اس کے چھ برس بعد مولوی عبیقہ اللہ صاحب ساکن مدراس اپنی کتاب السکینۃ باخبار مدینہ لکھتے ہیں کہ:-

”بیت الحزن میں قبر کا نشان نہیں ہے۔“

اس کے چار برس بعد قبر کا وجود پھر بتایا جاتا ہے چنانچہ خواجہ غلام الثقلین مرحوم اپنے روزنامہ میں بیت الحزن کے ذکر میں فرماتے ہیں:-

”اس مقام پر ایک مختصر سنگین مسجد ہے جس کے درپر ترکی کتبہ ہے۔ اندر محل کے ایک مقام دو گز لمبا۔ ایک گز چوڑا اور سو گز بلند بنا ہوا ہے جس کا آہنی دروازہ ہر ادا اور سینئر محل کا غلاف پڑا ہوا ہے۔ یہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ مسجد کے درپر کتبہ سلطان عبدالحمید خاں کے زمانہ کا ہے۔“

عبدالحمید خاں ثانی کا عہد ۱۲۵۵ھ سے ۱۲۷۱ھ تک ہے۔

تقریباً ۱۳۲۲ھ میں اہل نجد کا قبضہ حجاز پر دوبارہ ہو گیا اور قبۃ بیت الحزن بھی دوسرے قبوں کیساتھ پھر منہدم کر دیا گیا۔ اس گنہگار نے ۱۳۲۵ھ میں اس مقام پر جہاں یہ مکان واقع تھا کوئی علامت کسی قسم کی نہ پائی سطح زمین تھی۔

## (۸) مقبرۃ بنات النبیؐ

(\*)

مقبرۃ اہلبیت کے شرعی و شمالی جانب آنحضرت کی صاحبزادیوں کے مدفن کے نام سے یہ مقبرہ مشہور ہے۔ اہلسنت والجماعت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے آنحضرت کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت رقیہ۔ حضرت زینب۔ حضرت ام کلثوم اور جنابہ سیدہ فاطمہ زہرا۔ چونکہ جنابہ سیدہ سے آنحضرت کو ایک خاص محبت تھی ادا نیز یہ شہادت فرماتے تھے اس وجہ سے

صرف یہی ایک دختر رسول اللہؐ سمجھی جاتی ہیں۔ یہی زیادہ مشہور ہیں۔ انھیں کا نام خطبہ وغیرہ میں پڑھا جاتا ہے۔ شیعوں کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ حضرت رقیہ و ام کلثوم در تیب جناہ فاطمہ زہرا کی حقیقی بہنیں نہ تھیں۔ لیکن ملا باقر مجلسی مرحوم مشہور شیعہ مورخ نے حیات القلوب میں ان کو آنحضرتؐ کی حقیقی صاحبزادیاں اور جناہ سیدہ کی حقیقی بہنیں لکھا ہے۔ (حیات القلوب جلد دوم ذکر اولاد رسول اللہؐ)

میں اس خوفناک گتھی کو سلجھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ قصہ مختصر یہ مقبرہ بجز جناہ سیدہ کے باقی تینوں صاحبزادیوں کا مدفن خیال کیا جاتا ہے مگر سید سمہودی مدینے کے مستند مورخ اس مقبرہ کو فرضی تصور کر کے ان صاحبزادیوں کی قبریں حضرت ابراہیم ابن رسول اللہؐ کے مقبرے میں خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ”آئندہ میرے اہل بیت سے جو مرے گا اسکو عثمان بن مظعون کے قریب دفن کروں گا“ اور چونکہ ان صاحبزادیوں کی وفات آنحضرتؐ کے سامنے ہوئی تھی اسلئے یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان کو حضور سرور کائنات نے عثمان بن مظعون کی قبر سے دور دفن کیا ہو۔ نیز حضرت رقیہ کے انتقال کے وقت آنحضرتؐ نے یہی فرمایا تھا کہ تو بھی عثمان بن مظعون کیساتھ شریک ہوگی۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ حضرت رقیہ کی قبر عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل مقبرہ ابراہیم ابن رسول اللہؐ میں ہوگی۔ سمہودی یہ بھی کہتی ہیں کہ متقدمین نے اس قبۃ کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ بعضوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ان صاحبزادیوں کی قبریں حضرت فاطمہ کرمز کے قریب ہیں۔ امام محمد غزالی جنھوں نے سلسلہ میں زیارت مدینہ کی تھی اپنی کتاب احیاء العلوم میں اس مقبرے کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ البتہ ابن جبیر کے زمانہ سترہمیں یثیب میں ایک چھوٹا سا گنبد قبۃ اولاد النبی کے نام سے مشہور تھا جسکا ذکر بعد میں ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے۔ قیاس ہوتا ہے کہ خلیفہ مسترشد باللہ نے ۱۹ھ میں جب قبۃ اہلبیتؑ بنوایا تھا اُسی وقت یہ قبۃ بھی تعمیر کرایا ہوگا۔ چودھویں صدی کی مسند و تانی سیاح سب اس قبۃ کا ذکر کرتے ہیں مگر قبۃ کے اندر کے حالات کوئی بیان نہیں کرتا۔ مولوی صبغتہ اللہ صاحب مولف السکینہ باخبر مدینہ کا خیال ہے کہ:-

”اس مقبرے میں دو صاحبزادیاں دفن ہیں اور حضرت رقیہ کی قبر غالباً مقبرہ ابراہیم میں عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک ہے“

۲۱۹ء میں جب اہل نجد نے اس مقبرہ کا قبہ منہدم کر دیا تو گیارہ برس بعد محمد علی پاشا والی مصر نے سلطان محمود خاں کے حکم سے اس پر از سر نو قبہ تعمیر کرا دیا۔ جسے ۱۳۲۲ء میں اہل نجد نے حجاز پر دوبارہ قبضہ کر کے منہدم کر دیا۔ ذی الحجہ ۱۳۲۵ء میں اس مقبرے میں ایک مشترک چبوترہ میں نے دیکھا تھا جو زمین سے بالشت بھرا اونچا تھا اور اسپر تین قبروں کی علامت کے طور پر تین پتھر رھانے نصب تھے۔ جن صاحبزادیوں کے نام سے یہ مقبرہ موسوم ہے ان کے حالات دفن وغیرہ اس جگہ لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔ یہ حالات میں نے عام تاریخوں سے اخذ کیے ہیں جن سے اُن کا آنحضرت صلعم کی حقیقی صاحبزادیاں ہونا ظاہر ہے۔

### (الف) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

ان کی ولادت بعثت سے تیرہ سال قبل ہوئی تھی۔ ان کا پہلا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا تھا جب اُس نے دشمنی میں آکر ان کو چھوڑ دیا تو نکاح ثانی حضرت عثمان خلیفہ چہارم سے ہوا۔ ان کی وفات ۳۳ء میں اُس روز ہوئی جبکہ جنگ بدر کی فتح کی خبر مدینے میں پہونچی تھی اس وجہ سے یقیناً آنحضرت ان کے دفن میں شریک نہ تھے تاہم آنحضرت کے اُس وقت تشریف فرما ہونے کے متعلق بھی ایک روایت ہے وہ یہ کہ ان کے دفن کے وقت آنحضرت نے یہ فرمایا تھا کہ اے رقیہ تو بھی ہمارے سلف عثمان بن مظعون کے ساتھ شریک ہوگئی، اُس وقت حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس کھڑی رو رہی تھیں اور آنحضرت اپنے دامن سے اُن کے آنسو پونچھتے تھے۔

### (ب) حضرت زینب بنت رسول اللہ

جب آنحضرت کی عمر تیس سال کی تھی اُس وقت حضرت زینب پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا عقد ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص ابن ربیع سے ہوا تھا۔ جنابہ زینب سلمان ہوگئی تھیں مگر ان کے شوہر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ جنگ بدر میں وہ کفار کے ساتھ تھے اور گرفتار کر کے آنحضرت کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ حضرت زینب نے ان کی رہائی کیلئے اپنا ایک ہار جو حضرت خدیجہ نے ان کو جہیز میں بھجوا دیا تھا آنحضرت نے اسے پہچان کر واپس کر دیا اور ابوالعاص کو اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ وہ زینب کو مدینے روانہ کر دیں۔ چنانچہ زینب ہجرت کر کے



مدینے آگئیں۔ سلسلہ میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور مدینے میں آ رہے۔ سلسلہ میں حضرت زینب نے وفات پائی۔ آنحضرت نے اپنی چادر ان کے کفن کیلئے دی اور خود قبر میں اتر کر دفن کیا۔ ان کا دفن بھی غالباً مقبرہ ابراہیم ہی میں ہے۔

### (ج) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت ام کلثوم کی ولادت چھ سات برس قبل بعثت ہوئی تھی۔ ان کا پہلا عقد ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب اس نے بھی اپنے بھائی کی طرح ان کو طلاق دیدیا تو سلسلہ میں انکا نکاح ثانی حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔ عثمانؓ سلسلہ میں ان کی وفات ہوئی اور مقبرہ بنات الرسول میں یا یہ قیاس غالب مقبرہ ابراہیم ابن رسول اللہ میں دفن ہوئیں۔

### (۹) مقبرہ ازواج النبی

(۵)

مقبرہ بنات النبی کے محاذی جانب شمال مقبرہ عقیل کے متصل یہ مقبرہ ہے اور عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بجز حضرت خدیجہ و حضرت میمونہؓ کے جن کے مزارات مکہ معظمہ میں ہیں باقی تمام اہیات المؤمنین کی وفات مدینے میں ہوئی اور ان کا دفن یہی مقبرہ ہے۔ مگر بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ازواج رسول اللہ کی قبریں مقبرہ اہلبیت کے نزدیک ہیں۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عقیل اپنے مکان واقع بقیع میں کنواں کھدوا رہے تھے وہاں ایک بجر نکلا جس پر لکھا تھا ”قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب“

ایک روایت ہے کہ یہ بجر امام زین العابدین کے مکان میں نکلا تھا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ کی قبر جنابہ سیدہ فاطمہؓ زہرا کی قبر کے متصل بھی بقیع میں بیان کی جاتی ہے۔ امام محمد غزالی جنہوں نے سلسلہ میں زیارت مدینہ کی تھی اپنی کتاب احیاء العلوم میں بقیع کے مدفون کے ضمن میں اہیات المؤمنین کی زیارت کا ذکر کچھ نہیں کرتے والد عالم اس زمانہ میں یہ مقبرہ تھا یا نہ تھا اس کے سو برس بعد ابن جبیر نے سلسلہ میں یہ لکھا کہ ایک روضہ میں ازواج النبی کی قبریں ہیں

سلم یعنی رگ حضرت میمونہؓ کا مزار مدینہ میں بیان کرتے ہیں۔

سمہودی کہتے ہیں کہ ابن بخار (مولف تاریخ بغداد) کے زمانہ میں جس کی وفات ۳۱۷ھ میں ہوئی (اس مقبرہ میں چار قبریں تھیں مگر یہ صحت نہ تھی کہ کن کن بیبیوں کی قبریں ہیں۔ ۳۱۷ھ میں ابن بطوطہ نے قبروں کی تعداد نہ لکھ کر صرف اس پر اکتفا کیا ہے کہ ”ایک روضہ میں اہبات المؤمنین کی قبریں ہیں“۔ سید نور الدین علی سمہودی نے وفاء الوفا تالیف ۸۹۳ھ میں اس مقبرے کی اپنے زمانہ کی چشم دید حالت یہ تحریر کی ہے۔

”اس مشہد کے اندر زمین بالکل سطح ہے۔ قبروں کی علامت نہیں ہے۔ البتہ ایک بلند سنگین احاطہ بنا ہوا ہے جس پر ۵۳ھ میں امیر بدبک المعمار نے قبۃ تعمیر کرایا ہے“

تیرہویں صدی کے فرنگی سیاح حجاز برکھارٹ اور برٹن بھی جنھوں نے علی الترتیب ۳۳۲ھ اور ۳۶۹ھ میں مسلمانوں کا بھیس بنا کر سفر حجاز کیا تھا صرف اس قدر لکھ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ اس مقبرے میں ازواج رسول اللہ مدفون ہیں۔ مولوی سید انور علی کلید باب الحج تالیف ۱۲۸۱ھ میں لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت کی گیارہ بیبیاں دفن ہیں ۳۸۶ھ میں اس مقبرے کا ذکر سید جعفر برزنجی نے نزہۃ الناظرین میں کیا ہے مگر نہ تو قبروں کی تعداد لکھی اور نہ یہ تعین کیا کہ کن کن کی قبریں ہیں۔ چودھویں صدی ہجری کے ہندوستانی مسلمان سیاحوں میں سے بعض نے اپنے سفرناموں میں قبۃ ازواج النبی اور اس کی قبروں کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ مثلاً خان بہادر سید وزیر حسن سب جج نے اپنے سفرنامے وکیل الغربا میں حنب البقیع کا نام تک نہیں لیا۔ اسی طرح آنرےبل خواجہ غلام الشطین جو ۳۲۹ھ میں مدینے گئے تھے اور سید محمد قاسم صاحب مولف رہنما کے حرمین جو ۳۳۲ھ میں زیارت سے مشرف ہوئے اور مولوی خواجہ حسن نظامی صاحب جنھوں نے ۳۳۲ھ میں ۱۹۱۱ء میں زیارت کی تھی ان کے سفرنامے بھی اس قبۃ اور قبروں کی صراحت سے ساکت ہیں۔ ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر نے رفیق الحجاج تالیف ۳۳۲ھ میں اور مولوی محی الدین حسین صاحب نے سفرنامہ حرمین تالیف ۳۳۲ھ میں یہ لکھا ہے کہ اس قبۃ میں سوائے میمونہ و خدیجہ کے باقی سب اہبات دفن ہیں۔ مولوی صنفۃ اللہ صاحب مولف السکینہ باخار مدینہ تالیف ۳۲۵ھ میں اور جنرل ابراہیم رفعت پاشا نے

مرآۃ المحررین عزنی تالیف سلسلہ ۱۲۴۷ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ البتہ نادر علی صاحب وکیل میرٹھ نے مرآۃ العرب میں جو سلسلہ ۱۲۴۸ کی تالیف ہے اور عبدالرحیم صاحب بنگلوری نے سفر حریرین تالیف سلسلہ ۱۲۴۹ میں یہ صراحت کی ہے کہ اس قبے میں (۱) حضرت عائشہ (۲) حضرت صفیہ (۳) حضرت سودہ (۴) حضرت ام حبیبہ (۵) حضرت حفصہ اور (۶) حضرت ام سلمہ دفن ہیں۔ عبدالرحیم صاحب نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ اہبات المؤمنین کے نام قبے کے باہر ایک تختی پر لکھی ہیں قبے کے اندر جانے کی ادباً اجازت نہیں ہے۔

سلسلہ حجاز یعنی رپورٹ خلافت کیٹی سلسلہ ۱۹۲۶ء میں جس کے مرتب کرنے والے کئی مسٹر اور کئی مولانا ہیں انہدام قبور کے ذکر میں یہ تحریر ہے کہ:-  
”مزار از داج مطہرات۔ یہ تعداد میں نو تھے“

(سلسلہ خلافت مطبوعہ ممبئی صفحہ ۸۹)

اس تعداد کی مطابقت نہ تو کسی سفر نامے سے ہوتی ہے اور نہ کسی تاریخ سے۔ مارینے والوں سے بھی جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقبرہ مدفن تو نو سے زیادہ بھی بیسیوں کا تصور کیا جاسکتا ہے مگر قبے کے انہدام سے قبل اس میں صرف چھ مزاروں کی علامت تھی۔  
مذکورہ بالا بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اس مقبرے یا قبے میں کبھی چار قبروں کی علامت بنائی گئی کبھی چھ کی۔ کبھی علامت قبر مطلق نہ بنائی گئی۔

(۲) اس مقبرے پر غالباً نویں صدی ہجری میں پہلی مرتبہ قبہ تعمیر کیا گیا۔ امیر بردبک کا تعمیر کیا ہوا قبہ اہل نجد نے حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد سلسلہ ۱۲۱۹ء میں منہدم کر دیا۔ اس کے بعد سلسلہ ۱۲۳۳ء میں جب ترکوں کا تسلط حجاز پر دوبارہ ہو گیا تو سلطان محمود خاں کے حکم سے محمد علی پاشا والی مصر نے اس قبے کو بھی تعمیر کرا دیا۔ اس کے بعد سلسلہ ۱۲۴۲ء میں اہل نجد نے مدینہ فتح کر کے اسے پھر منہدم کر دیا۔ سلسلہ ۱۲۴۵ء میں جب یہ گنہگار بقیع کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس وقت بالشت بھرا ونچا چھ قبروں کا ایک مشترک خام چوڑا دیکھا جو مقبرہ ازواج النبی کے نام سے موسوم ہے اس پر عموماً بلا صراحت نام ”السلام علیک یا ازواج رسول اللہ“ کہہ کر سلام

شروع کرتے ہیں۔ بعض زائر حضرت عائشہ وغیرہ جیسوں کا نام بھی لیتے ہیں اور بعض تمام ازواج رسول پر نام نہام یہاں سلام پڑھتے ہیں۔ بعض زائر بقیع میں جنابہ سیدہ فاطمہ زہرا کی قبر کے پاس ام المومنین حضرت ام سلمہ پر بھی سلام پڑھتے ہیں

## (۱۰) مقبرہ عقیل ابن ابیطالب

(♦)

مقبرہ ازواج النبی کے قریب مقبرہ عقیل ہے۔ اس میں تین قبریں بیان کی جاتی ہیں ایک تو عقیل ابن ابیطالب کی۔ دوسری عبداللہ بن جعفر طیار کی جو جنابہ سیدہ زینب بنت امیر المومنین علی ابن ابیطالب کے شوہر تھے اور بروایت مشہورہ ان کے دو فرزند عون و محمد معمر کہہ بلا میں کام آئے تھے۔ تیسری قبر آنحضرت صلعم کے چا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالطلب کی ہر علامہ سہودی کہتے ہیں کہ

(الف) ابن شیبہ و ابن زبالہ وغیرہ متقدمین نے حضرت عقیل کی قبر بقیع میں ہونا بیان نہیں کیا۔ امام محمد غزالی بھی جنہوں نے شکہ میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی ان لوگوں کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کرتے جنہر بقیع میں سلام پڑھا جاتا ہے۔

(اجیاء العلم عربی مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۸۸)

بقول سہودی حضرت عقیل اور ان کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر طیار کی قبر کا ذکر بقیع کے مدفنوں کے ضمن میں سب سے پہلے ابن نجار نے کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ان دونوں ہزرگوں کے مزارات کا ذکر سب سے پہلے ابن جبیر نے شکہ میں کیا ہے۔ ابن نجار کی تاریخ بغداد غالباً اس کے بعد کی ہے ان کا سنہ وفات ۳۱۵ھ ہے۔

(ب) سہودی کی رائے ہے کہ اس قبے میں جو حضرت عقیل کی طرف منسوب ہے صرف ابی سفیان بن حارث دفن ہیں جن کی وفات شکہ میں ہوئی تھی۔ اور قبہ عقیل کی شہرت ۱۵۰ھ ابوسفیان بن حارث ایک دن قبرستان بقیع میں بھرے تھے حضرت عقیل کے ان سے دریافت کیا کہ (برصغیر ہند)



اس وجہ سے ہو گئی کہ یہاں عقیل کا مکان تھا ورنہ ان کی وفات امیر معاویہ کے زمانہ میں شام میں ہوئی ہوتی یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی لاش یہاں لاکر دفن کی گئی ہو۔

(وفاء الوفا جلد دوم صفحہ ۹۷)

(ج) اسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے یہاں دفن ہونے میں بھی شبہ ہے انکی وفات بروایت مشہور ۹۷ھ میں مدینہ و مکہ کے درمیان بمقام البواہی ہوئی۔ آنحضرت کی وفات کے وقت وہ ۱۱ برس کے تھے اس حساب سے سلسلہ ہجری میں پیدا ہوئے تھے حضرت عبداللہ عرب کے فیاض ترین لوگوں میں سے تھے۔ سمہودی کہتے ہیں کہ مقبرہ عقیل جو مقبولیت دعا کیلئے مشہور ہے وہ اسی جواد کے دفن کی برکت سے ہے۔ سمہودی کے زمانہ ۹۳ھ میں اس مقبرے پر گنبد موجود تھا جس کا ذکر ابن بطوطہ وابن جبر نے بھی کیا ہے۔ غالباً یہ قبہ بھی ۱۹ھ میں قبۃ البیت کے ساتھ خلیفہ مسترشد باللہ نے تعمیر کرایا ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب تالیف ۱۱۸ھ میں لکھتے ہیں:-

”اس زمانہ میں قبہ عقیل کے اندر دیوار پر ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن جعفر طیار کا نام لکھا ہوا ہے۔“

گویا اس وقت یہ مدفن انھیں دو صاحبوں کا تصور کیا جاتا تھا۔ ۱۹ھ میں جب یہ قبہ اہل نجد نے توڑ ڈالا تو دوبارہ ۳۳ھ میں بحکم سلطان محمود خاں تعمیر کیا گیا۔ اس قبے کے اندر بھی صرف دو ہی نام ابی سفیان و حضرت عبداللہ کے لکھے تھے (نزهة الناظرین جعفر برزنجی بطبوع مصر ۱۳۱۱ھ) اس کے بعد ۳۳ھ میں اہل نجد نے حجاز پر دوبارہ تسلط حاصل کر کے اس قبے کو پھر منہدم کر دیا۔ مروجین وسیلح بہ صراحت نہیں کرتے کہ اس قبے کے اندر کتنی قبروں کی علامت بنی ہوئی تھی مگر اہل نجد کا طرز عمل یہ ہے کہ کسی قبر کے اندر سابق میں جتنی قبریں ظاہر کی گئی تھیں قبہ منہدم کر دینے کے بعد اتنی ہی قبروں کی علامت انھوں نے بنادی۔ مسئلہ حجاز یعنی رپورٹ

(رفیہ حاشیہ) ۴ بھائی کیا دیکھ رہے ہو؟ کہا اپنے دفن ہونے کیلئے ایک قبر کی جگہ تلاش کر رہا ہوں۔ حضرت عقیل ان کو اپنے احاطے میں لائے اور ایک جگہ مقرر کر دی۔ ابوسفیان تھوڑی دیر ہاں بیٹھا کہ چلے گئے۔ دو تین روز بعد انھوں نے انتقال کیا حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس جگہ دفن کئے گئے (وفاء الوفا جلد دوم)

وفد خلافت کمیٹی ۱۹۲۶ء میں غلطی سے قبہ عقیل کو قبہ حضرت زینب بنت حضرت امام حسنؑ تحریر کر دیا  
(ملاحظہ ہو سلسلہ حجاز تصویر متعلقہ ص ۸۰)

حضرت امام حسن علیہ السلام کی کسی صاحبزادی کا نام زینب نہ تھا اور نہ خاندان نبوت میں سے  
کسی صاحبزادی زینب کے مزار کا وجود کسی تاریخ یا سفر نامے سے جنت البقیع میں ثابت ہے۔  
حضرت زینب کے نام سے کوئی قبہ یہاں کسی زمانہ میں بھی تعمیر نہیں ہوا۔ اسی طرح رپورٹ مذکور  
میں حضرت عقیل کو حضرت جعفر صادق کا فرزند تحریر کیا گیا ہے (سلسلہ حجاز صفحہ ۸۹) حضرت عقیل  
امیر المومنین علی کے بھائی ہیں ان کے والد ابی طالب تھے جعفر صادق علیہ السلام حضرت عقیل کے  
سکڑ پڑتے ہیں۔

ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ میں اس گنہگار نے مقبرہ عقیل میں ایک قبر دیکھی جس پر بعض مزدور صرف ابی سفیان  
بن حارث اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی زیارت پڑھاتے ہیں بعض محتاط زائر یہاں حضرت  
عقیل پر بھی سلام پڑھ دیتے ہیں۔ اہل مدینہ سے دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ جب یہاں قبہ  
موجود تھا اُس وقت بھی ایک ہی مشترکہ قبر تھی۔ موجودہ قبروں کی تشریح میں بہت جگہ گرچا ہوں  
اس لیے اب یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

## (۱۱) گنج شہیدان

(۵۵)

یزید بلید نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے فارغ ہو کر سلاطین میں دس ہزار کا  
ایک لشکر بہ سرکردگی مسلم بن عقیقہ مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لی جائے  
اور صحابہ و تابعین جو مدینہ منورہ میں سکونت رکھتے تھے اور یزید کی بیعت کے منکر تھے اُن  
سب کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ البتہ ایک امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق یزید کا  
یہ حکم تھا کہ اُن کو نہ چھیڑا جائے اُن کیلئے کربلا کا صدمہ ہی کافی ہے۔ جب یہ لشکر مدینہ پہنچا  
اہل مدینہ یزید کی بیعت پر رضامند نہ ہوئے۔ آخر مدینہ منورہ سے جانب مشرق ایک میل کی

فاصلہ پر بمقام حرہ جسے حرہ واقم اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں لڑائی ہوئی جس میں فوج یزید کو فتح ہوئی اور پھر قتل عام شروع ہوا۔ ایک ہزار سات سو مہاجرین و انصار و تابعین۔ دس ہزار عام لوگ اور سات سو حافظ قرآن تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ فسق و فجور اور ہر قسم کی برائی مباح کر دی گئی۔ لوٹ مار اور ہتک و ذلت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا گیا۔ یہاں تک کہ مدینہ پیرانچ ہو گیا۔ مورخین نے اس واقعہ کو واقعہ کربلا سے بھی زیادہ ہولناک بیان کیا ہے اور یزید کے بدترین ظلم و ستم ثابت کرنے کیلئے یزید کے احکام اور اسکی فوج کے جرائم کی صراحت کی ہے۔ واقعہ حرہ کے متعلق بعض احادیث اور پیشین گوئیاں بھی کتب تواریخ میں بالتفصیل موجود ہیں۔ غرض کہ اس معرکہ میں جو لوگ شہید ہوئے تھے ان میں سے بہت سے اصحاب جنت البقیع میں ایک ہی قبر کے اندر دفن کر دیے گئے تھے جس کی نشاندہی زمانہ حال کے سیاح مقبرہ عقیل کی بایں جانب کرتے ہیں۔ یہ گنج شہید ال کہلاتا تھا۔ مورخ و قدیم سیاح اس گنج شہیداں کی صراحت سے خاموش ہیں۔ نہ کسی اس کے مقام وقوع کا ذکر کیا اور نہ اسکی ظاہری شکل کا۔ البتہ چودھویں صدی ہجری کے سیاحوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حالیہ فتوحات نجد سے قبل یہ لکڑی کی جالیوں سے محصور تھا جسکی چھت بھی جالی کی تھی۔ بلاشبہ کبوتروں کے ٹھاٹھ کی شکل معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اندر کسی قبر کی علامت نہ تھی۔ ۳۲۰ھ میں اس گنہگار نے یہ جالی نہ دیکھی۔ معلوم ہوا کہ حکومت نجد نے اس کو ایک فرضی گنج شہید سمجھا۔ اس کے گرد جالی کا ٹھہرا رکھنا غیر ضروری سمجھا۔

## (۱۲) مقبرہ امام مالکؒ

(\*)

مقبرہ عقیل سے کوئی دس گز آگے بڑھکر البقیع کے بیچ میں امام مالک بن انس صحابی صاحب تہذیب مالکی کا یہ مزار ہے۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ میں جا رہے تھے۔ ۱۰۰ھ میں انکی وفات ہوئی۔ ان کے قبے کی تاریخ بھی دوسرے قبوں کے ساتھ ساتھ سمجھنی چاہیے جو غالباً ۱۰۰ھ کے معنی سگستان یعنی پہاڑی قطعہ ارض کے ہیں۔

سترشد بانڈ نے پہلے پہل نبوایا تھا۔ اس کا ذکر ابن جبیر نے بھی کیا ہے مگر امام غزالی نے نہ ان کی قبر کا کچھ ذکر کیا نہ قے کا۔ بہر حال جو حوادث دوسرے قبوں پر گزرے ہیں وہ اسپر بھی گزرے۔ سیکڑا میں اس جگہ میں نے ایک قبر دیکھی جو زمین سے بالشت بھرا دیکھی تھی اور امام مالک کی قبر سے موسوم تھی۔

### (۱۳) مقبرہ نافع

(ۛ)

امام مالک کی قبر کے پیچھے یہ مقبرہ واقع ہے مگر اس قبر کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ نافع مولائے ابن عمر راوی حدیث ہیں جن کی وفات ۳۱ھ میں ہوئی۔ بعض کہتے ہیں یہ امام نافع قاری مدینہ ہیں جن کا سنہ وفات ۶۹ھ ہے اہل مدینہ آخری روایت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایک روایت سے یہ حضرت عمرؓ کے فرزند عبدالرحمنؓ اوسط کا مزار ہے جنکی کنیت ابو شحمہ تھی اور مشہور ہے کہ انہیں جاری ہوئی تھی جس کے صدمہ سے ان کا انتقال ہوا تھا۔

### (۱۴) مقبرہ ابو شحمہ بن عمر بن خطاب

(ۛ)

ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کے قبے اور امام مالک کے قبے کے درمیان عبدالرحمن بن عمر بن خطاب کی قبر ہے۔ سید سہودی کہتے ہیں کہ یہ تعریف اس قبے پر صادق آتی ہے جو نافع کی طرف منسوب ہے۔ امام غزالی وغیرہ متقدمین نے اس قبر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ قبر ظاہر ہو کر دسویں صدی میں معدوم ہو گئی۔

۱۵۔ سنہ ۸۵۰ھ میں ابن جبیر نے اس کا ذکر کیا ہے۔



اس کے بعد چودھویں صدی کے بعض ہندوستانی سیاحوں نے اسکا پھر ذکر کیا ہے۔ اس قبر پر گنبد کا پتہ کسی زمانہ میں نہیں لگتا اگر حضرت نافع کی قبر کو ان کی قبر مان لیا جائے تو یہ بھی قبۃ دار اکہی جاسکتی ہے۔ میں نے ۱۳۵۸ھ میں اس نام سے موسم کوئی قبر نہیں دیکھی۔ میرے مزدوروں اور اہل مدینہ نے بھی کچھ اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔

## (۱۵) مقبرہ سیدنا حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ

(\*)

مقبرہ امام مالک و مقبرہ نافع سے کوئی بیس گز کے فاصلہ پر بقیع کے بیچوں بیچ میں یہ مقبرہ ہے۔ یہاں قبر صرف ایک ہی بنی ہوئی ہے مگر زائرین اپنی یاد سے یا اپنے اپنے مزدوروں کی ہدایت کے مطابق کئی کئی بزرگوں پر یہاں زیارت پڑھتے ہیں۔ سابق میں چند سال قبل جب یہاں قبہ تھا اس وقت بھی قبر ایک ہی تھی اور فاتحہ کئی شخصوں پر پڑھتے تھے۔ اس مقبرے کے گنبد کا ذکر غالباً سب سے پہلے ابن جلیبر نے ۳۵۷ھ میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

”مزار سیدنا ابراہیم پر سفید قبہ ہے اور قبر پر لکڑی کے تختے لگے ہوئے ہیں جن پر خوبصورت برنجی کام ہے۔“

ابن جلیبر کے بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس قبے میں کسی دوسرے صحابی کی بھی قبر تھی یا نہ تھی ان سے قبل شمسہ میں امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں صرف ابراہیم ابن رسول اللہ کی زیارت کیلئے ہدایت کی ہے کسی اور صحابی کا جن کا مدفن یہ مقبرہ بتایا جاتا ہے انھوں نے ذکر نہیں کیا۔ ۳۵۷ھ میں ابن بطوطہ بھی قبروں کی تعداد ظاہر کرنے سے سکتا ہیں۔ سمہودی کے عہد یعنی ۸۹۲ھ میں علاوہ قبر ابراہیم کے دو قبریں اٹھائی ہوئی تھیں جن کی نسبت وہ فرماتے ہیں کہ۔

”یہ پہلے نہ تھیں اور ابن بخار و غیرہ متقدمین نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ یہ قبریں عثمان بن طلحہ اور عبدالرحمن بن عوف کی بتائی جاتی ہیں۔“

معتبر روایتوں سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی قبر عثمان بن طلحہ کی قبر کے

پاس ہے اور عبد الرحمن بن عوف بھی وہیں دفن ہوئے۔ انھیں روایتوں کے لحاظ سے ان دو قبروں کا اضافہ کر دیا گیا ہوگا۔ سہودی کے زمانہ میں اس مقبرے پر عالیشان گنبد تھا اور قبر ابراہیم مثل حضرت امام حسن و حضرت عباسؓ کی قبر کے بہت شان دار بنی ہوئی تھی۔ دوسری قبروں کی تفصیل نہ سہودی نے بیان کی اور نہ ان کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سلسلہ میں کی۔

حضرت ابراہیم کی قبر کی صراحت جو ابن جریر کے بیان سے اوپر تحریر کی جا چکی ہے اس سے ثابت ہے کہ اس پر لکڑی اور برنجی جالیوں کا اسی قسم کا کام کیا ہوا تھا جیسا کہ قبر امام حسنؓ پر تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ قبر اور اس کا قبہ بھی ۱۹۰۰ء میں مسٹر شدی اللہ نے تعمیر کرایا ہوگا۔ میں نے جو عکسی تصویریں جنت البقیع کی دیکھی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا قبہ مقبرہ اہلبیت پر تھا۔ اس کے بعد دوسرا نمبر قبہ ابراہیم کا تھا۔ چودھویں صدی کے سیاح اس مقبرے میں علاوہ حضرت ابراہیم کے عثمان بن مظعون۔ عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کے مزارات بھی بتاتے ہیں۔ علامات قبر کی تفصیل کوئی نہیں کرتا۔ کتب تاریخ میں اس مقبرے کے مدفونین کی تعداد نو دس بتائی گئی ہے جن کی تفصیل ذیل میں لکھی ہے ۱۹۰۰ء میں جب اہل نجد نے حجاز پر قبضہ کیا تو دوسرے قبروں کے ساتھ یہ بھی منہدم کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۰ء میں لہجہ سلطان محمود خاں محمد علی پاشا ذالی مصر نے حجاز پر ترکوں کا تسلط قائم کر کے دوسرے قبروں کے ساتھ اسے بھی تعمیر کرا دیا۔ سو برس بعد زمانہ نے جب پھر پلٹا دکھایا اور ۱۹۰۰ء میں جب اہل نجد نے حجاز پر دوبارہ قبضہ کر لیا تو یہ قبہ پھر منہدم کر دیا گیا۔ اب ۱۹۰۰ء میں صرف ایک قبر اسی شکل کی جس کی صراحت میں دوسری قبروں کے ذکر میں کر چکا ہوں اس مقبرے میں موجود ہے جو قبر سیدنا حضرت ابراہیمؓ ابن رسول اللہؐ کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر عموماً حضرت ابراہیمؓ کی زیارت کے ساتھ بلا اظہار نام یہ کہہ کر کہ ”السَّلَامُ عَلَیْکَ مِنْ حَوَالِکَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ“ یعنی آنحضرت کے اصحاب میں سے جو تمہارے قریب دفن ہیں ان کو بھی سلام پہنچے ”زیارت پڑھ دیتے ہیں۔ روایات مشہورہ کی بنا پر یہ مقبرہ جن اصحاب کا مدفن تصور کیا گیا ہے اب ان کے حالات دفن وغیرہ بہ ترتیب سنیہ وفات درج کیے جاتے ہیں۔

(الف) قبر سعد بن زرارہ۔

مقبورہ ابراہیم ابن رسول اللہ میں سعد بن زرارہ صحابی کی قبر بھی بیان کی جاتی ہے۔ انھوں نے سلسلہ میں وفات پائی تھی اور اس اعتبار سے یہ پہلے مدفونین بشیعہ میں سے ہیں۔

### (ب) قبر عثمان بن مظعون۔

مقبورہ ابراہیم کے مدفونین میں حضرت عثمان بن مظعون وہ بزرگ ہیں جو روایات مشہورہ سے پہلے جنت البقیع میں دفن ہوئے اور ان کے بعد جنت البقیع مسلمانوں کا عام قبرستان ہو گیا۔ اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر ہے۔ آنحضرت کو ان سے بڑی محبت تھی۔ روایات مشہورہ ان کا انتقال شعبان سلسلہ یا سلسلہ میں ہوا۔ لیکن بقیع کا پہلا مدفون ان کو اسی وقت قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کی وفات سلسلہ میں تسلیم کی جائے۔ عثمان بن مظعون کے انتقال کی اطلاع جب آنحضرت کو ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ:-

”بقیع میں دفن کریں اور قبر لحد بنائیں“

چنانچہ وسط بقیع میں عرقہ کے درخت کاٹ کر جگہ نکالی گئی۔ دفن کرنے سے قبل آنحضرت نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا:-

”ہمارا سلف عثمان بن مظعون بہتر سلف ہے“

دفن کر چکنے کے بعد لحد کے پتھر دل میں سے بچا ہوا ایک پتھر یا کوئی اور پتھر جو کہیں دور پڑا تھا آنحضرت نے خود اپنے دست مبارک سے اٹھا کر ان کے سر پر نصب کر دیا۔ اور فرمایا:-

”میں اس کو اپنے بھائی کی قبر کی نشانی ٹھہراتا ہوں۔ آئندہ میرے اہلبیت اسے

جو مرے گا اسکو میں اس کے پاس دفن کروں گا“

چنانچہ حضرت ابراہیم اور صاحبزادی رقیہ کو آنحضرت نے اسی جگہ دفن کیا۔ آنحضرت نے اس مقام کا نام جہاں عثمان بن مظعون کی قبر بنائی گئی تھی روضہ رکھا تھا یعنی جائے راحت۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی قبر زاویہ دار عقیل میں ہے۔ ایک روایت ہے کہ ان کا مدفون محمد بن حنفیہ کے مکان کے نزدیک ہے۔

رسول اللہ کے مبارک ہاتھ کا لگایا ہوا پتھر کوئی چالیس برس تک حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر رہا۔ جب امیر معاویہ کی جانب سے سلسلہ میں مردان مدینہ کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے یہ کہہ کر

”میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ حضرت عثمان بن عفان خلیفہ چہلدم کی قبر تو بلا امتیاز کے

رہے اور عثمان بن مظعون کی قبر پر نشان امتیاز ہوئے

وہ پتھر یہاں سے نکال کر حضرت عثمان کی قبر پر نصب کر دیا۔ بعض لوگوں نے مروان کو اس حرکت پر لعنت ملاحت بھی کی کہ آنحضرتؐ کا نصب کیا ہوا پتھر بھکونہ اکھاڑنا چاہیے تھا مگر اس نے جواب دیدیا کہ اب ہمارا حکم نہیں ملتا۔

(وفا، الوفا - جذب القلوب - السکینہ - نزہۃ الناطقین)

(ج) رقیہ بنت رسول اللہ -

ایک روایت سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ بھی اسی مقبرے میں دفن ہیں ان کے حالات دفن وغیرہ مقبرہ بنات النبی میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔

(ح) قبر خنیس بن حذافہ -

یہ بزرگ مہاجرین اولین اور اصحاب ہجرتین سے ہیں۔ آنحضرتؐ سے قبل حضرت حفصہ بنت عمر کے شوہر تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ان کے زخم کاری لگا تھا جس سے جاں بزنہ ہو سکے۔ شوال ستہ میں رحلت کی اور عثمان بن مظعون کے جوار میں سپرد خاک کیے گئے۔

(ھ) قبر فاطمہ بنت اسد -

بعض قوی روایتوں کے اعتبار سے حضرت فاطمہ بنت اسد یعنی حضرت علی کی والدہ ماجدہ بھی اسی مقبرے میں دفن ہیں۔ ان کے حالات دفن مقبرہ فاطمہ بنت اسد کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں

(و) قبر حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ -

عام طور پر اگرچہ یقین کے دوسرے مدفون حضرت ابراہیم تصور کیے گئے ہیں مگر سنین وفات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے قبل بھی بعض بزرگوار یقین میں دفن ہو چکے تھے انکی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ قبطیہ ہیں۔ ان کی ولادت ذیحجہ ۳۳ھ میں ہوئی اور باختلاف روایت ایک برس دو مہینے آٹھ دن یا ایک سال چھ مہینے کچھ دن کی عمر میں بحالت شیرخوارگی قضا کی اس حساب سے محرم ۳۴ھ یا جمادی الاول ۳۵ھ میں ان کی رحلت ہوئی۔ آنحضرتؐ نے ان کو عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا۔ حضرت علیؑ نے قبر میں اُمارا۔ انکی قبر لمبائی گئی۔



اُس پر کچی اینٹیں چنی گئیں اُن کے شکاف میں سے ایک جگہ روشنی نظر آتی تھی اُس پر حضرت نے ایک مٹی کا ڈھیلا رکھ دیا اور فرمایا کہ ایسی چیزوں سے مُردے کو نہ نفع پہنچتا ہے نہ نقصان مگر زندوں کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اس کے بعد قبر ابراہیم پر مٹی ڈالی۔ پانی چھڑکا۔ قبر کے اطراف پتھر کے ٹکڑے بندش کے طور پر جمادیے اور فرمایا "السلام علیکم"

حضرت ابراہیم کی قبر بقیع کے بیچ میں واقع ہے۔ اس جگہ کا نام رُوحا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بقیع کے آخری حصہ میں جسے زوردا کہتے ہیں ابراہیم مدفون ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ دارعقیل کے زاویہ میں ان کی قبر ہے بعض حمام بنی قتیفہ میں بتاتے ہیں۔ یہ سب مقام تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بقیع میں واقع ہیں۔ زمانہ قدیم میں یہ نام مشہور تھے آج کل اہل مدینہ ان ناموں سے واقف نہیں اور پورا قبرستان ایک ہی نام جنت البقیع کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت ابراہیم کے دفن کے بعد سے مختلف قبائل نے بقیع میں اپنے اپنے خاندان کیلئے ہڈیاں مقرر کر دیں۔

حضرت ابراہیم کی قبر کی موجودہ کیفیت اوپر تحریر کی جا چکی ہے۔

(ن) قبر عبد الرحمن بن عوف۔

یحییٰ بن خالد صحابی از روئے احادیث اہل سنت عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یعنی اُن اس صحابہ میں جن کے جنتی ہونے کی بشارت آنحضرت نے دی ہے۔ ان کی قبر بھی مقبرہ ابراہیم میں بیان کی جاتی ہے۔ ان کی رحلت کا وقت جب قریب پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا بھیجا کہ اگر تمہارا دل رسول اللہؐ اور اپنے بھائی ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس دفن ہونی چاہتا ہے تو حجرہ سفیر میں تمہارے دفن کا انتظام کر دیا جائے۔ انھوں نے عرض کیا۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا مکان آپ پر اور تنگ کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ میرے اور عثمان بن مظعون کے درمیان یہ عہد تھا کہ ہم دونوں ایک ہی جگہ گریٹنگے۔ چنانچہ اسلئے یا سلسلہ میں یہی یہاں دفن کی گئی۔

(ح) قبر عبد اللہ بن مسعود۔

ان کا دفن بھی مقبرہ ابراہیم خیال کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سلسلہ میں یہ مدینہ میں مرنے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ سلسلہ میں انکی وفات کوئے میں ہوئی

اور وہیں دفن ہوئے۔

### (ط) قبر سعد ابن ابی وقاص۔

ان کا شمار بھی عشرہ مبشرہ میں ہے۔ یہ فتح ایران ہیں۔ جب ان کا وقت رحلت قریب پہنچا تو ایک دن یہ بقیع میں گئے اور دارِ عقیل کے گوشہ شامیہ میں عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس ایک قبر کھودنے کیلئے کہا۔ جب قبر کھد چکی تو انھوں نے چند کیلیں وہاں گاڑیں اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ جگہ صحابہ کو دکھا دینا اور مجھے یہیں دفن کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باحتمال روایات ۳۵۴ یا ۳۵۵ ہجری میں فوت ہو کر اس مقبرے میں دفن ہوئے۔

### (۱۵) مقبرہ حلیمہ سعدیہ

(\*)

حضرت حلیمہ کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ حلیمہ دانی کے قصہ فی جو مولوی علامہ امام شہید کی تصنیف ہے ان کی شہرت غیر معمولی کر دی ہے۔ انھوں نے آنحضرت کو دودھ پلایا تھا اور زمانہ طفلی آنحضرت ان کے قبیلے میں گزارا تھا۔

بقیع کے آخر میں دیوار کے متصل جانب شمال ان کا مزار ہے۔ متقدمین یعنی امام محمد غزالی وغیرہ کے زمانہ میں تو کیا ابن جبیر و ابن بطوطہ کے وقت تک اس مزار کا پتہ نہ تھا حالانکہ اس وقت بقیع کے تمام مشہور مزارات پر قبے تعمیر ہو چکے تھے۔

علامہ سہروردی نے بھی ۸۹۳ھ میں بقیع کے مقابلہ میں اس کا شمار نہیں کیا۔ البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے زمانہ ۱۰۰۰ھ میں یہ مزار اور اس پر قبہ موجود تھا جسکی نسبت وہ حزب القلوب میں لکھتے ہیں:-

”ایک چھوٹا سا قبہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے قبے کی راہ میں حضرت حلیمہ سعدیہ کی

طرف غیب ہے مگر اہل تواریخ نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ نہ اثباتاً نہ نفیاً۔

زمانہ حال کے سیاح و مورخ اس قبے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ غالباً دسویں ہجری میں

یہ تعمیر ہوا ہوگا۔ سمہودی کے وقت تک جن کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اس کا وجود نہ تھا۔ یہ قبہ بھی اہل نجد کے ہاتھ سے دومرتبہ منہدم ہوا ہے۔ اب ۱۳۲۵ھ میں زمین سے بالشت بھرا وپچی ایک قبر موجود ہے جس پر سلام و فاتحہ پڑھتے ہیں۔

## (۱۶) مقبرہ ابی سعید الخدری

(۴۰)

حضرت حلیمہ کے مزار کے قریب جاتے مشرق حضرت ابی سعید الخدری کا مزار ہے۔ یہ صحابی رسول اللہ ہیں۔ ان کا نام جابر بن عبد اللہ ہے۔ اہل سنت کی کتب میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ آثار ان کی روایت کی ہوئی موجود ہیں۔ انکو والد عبد اللہ اصحاب بدر میں سے تھے جو غزوہ احد میں ۳۰ھ میں شہید ہوئے تھے۔ ابی سعید الخدری جب بہت بڑھے ہو گئے تو اپنے فرزند عبد الرحمن سے ایک دن فرمایا کہ بیٹا میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے چلے اب میری باری ہے۔ تو میرا ہاتھ پکڑ کر بقیع میں مجھ لے چلے۔ عبد الرحمن ان کو لگے۔ جب بقیع میں آخری حد کے قریب پہنچے تو ایک جگہ دکھا کر جہاں کوئی دفن نہ تھا فرمایا کہ ”جب میں مر جاؤں تو میرے لیے یہیں قبر کھودنا۔ کسی کو میرے انتقال کی خبر نہ کرنا۔ کوئی چہ غمقہ سے کہ اُدھر سے آدمیوں کا گزر کم ہے میرا جنازہ نکالتا اور جنازہ جلدی جلدی لے چلنا تاکہ اُس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔“

پھر کسی کو روئے اور توجہ نہ کرنے دینا۔ اور میری قبر پر خیمہ بھی نہ لگانا۔“ جب ان کی رحلت ہوئی تو باوجودیکہ عبد الرحمن نے کسی کو اطلاع نہ کی تھی پھر بھی سب آدمی ان کے گھر کو گھیر کر اس غرض سے کھڑے ہو گئے کہ جنازہ باہر نکلے تو ساتھ ہو جائیں۔ اگرچہ عبد الرحمن نے لیکو جنازہ لیجانے کے وقت سے مطلع نہ کیا تھا اور خاموشی کیساتھ بہت سویرے بقیع میں بیٹ لگی تھی مگر وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ سب لوگ آپ سے آپ پہلے ہی سے جنازے کے آنے کے منتظر کھڑے ہیں۔ مورخین مدینہ جنت البقیع میں ان کا دفن ہونا بیان کرتے ہیں مگر حکم کا تعین نہیں کر سکتے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب تالیف ۱۰۸۰ھ میں انکے قبے کا ذکر نہیں کیا۔

جعفر برزنجی نزہۃ الناظرین تالیف ۱۳۸۷ھ ہجری میں اس قبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”یہ جدید مقابر سے ہے جو سہودی کے بعد بنائے گئے۔ سہودی کے وقت

۱۳۸۷ھ میں موجود نہ تھا بعد میں عوام میں مشہور ہو گیا ہے۔“

(نزہۃ الناظرین مطبوعہ معر ۱۱۳)

بہر حال اگر بارہویں صدی ہجری میں بھی یہ قبہ تعمیر ہوا ہو تو دود فہ یہ بھی منہدم ہو چکا ہے۔  
میں نے ۱۳۸۵ھ میں شرعی وضع کی ایک قبر دیکھی جو ابی سعید الخدری کے نام سے موسوم ہے۔

## (۱۷) مقبرہ سعد بن معاذ

(❖)

سعد بن معاذ الاشہلی آنحضرتؐ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ خندق میں شہید  
میں ان کے ایک زخم لگا تھا جس کے مدھے سے جاں بردہ ہو سکے اور رحلت فرمائی آنحضرتؐ  
ان کے جنازے کی نماز پڑھائی اور حضرت مقداد بن الاسود کے احاطے کے پاس سے جو  
گلی گئی تھی اُس کے ایک طرف بقیع کی آخری حد میں مقداد کے مکان کے پاس دفن فرمایا۔  
علامہ سہودی کہتے ہیں کہ سعد بن معاذ کی قبر کی جو کیفیت تقدیر میں بیان کی ہے اور جو مقام  
وقوع اسکا ظاہر کیا ہے اسکی تعریف قبر فاطمہ بنت اسد پر صادق آتی ہے۔ شاید کہ یہ قبر سعد  
بن معاذ کی ہوگی مگر شبہ سے فاطمہ بنت اسد کی مشہور ہوگئی۔ (مزید تفصیل کے لیے حالات  
مقبرہ فاطمہ بنت اسد ملاحظہ ہوں۔)

## (۱۸) مقبرہ خبابہ فاطمہ بنت اسد

(❖)

مقبرہ ابی سعید الخدری سے جانب مشرق کوئی بیس پچیس گز چلکر حضرت عثمان بن عفان



خلیفہ سوم کے مزار کے قریب حضرت علی کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد کا مقبرہ ہے۔ اس بزرگ خاتون کی مفصلیت میں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ حضرت علی و حضرت عقیل و حضرت جعفر طیار کی والدہ ماجدہ اور آنحضرت کی شفیق چچی ہیں۔ انھوں نے حضرت علی کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ مکہ میں ان کا انتقال ہوا۔ جب آنحضرت کو اسکی خبر ہوئی تو ان کے مکان پر تشریف لگے اور ان کے سر حانے بیٹھ کر فرمایا ”یا اُمّی بَعْدَ اُمّی“ (اے میری ماں کے بعد میری ماں) ان کی بہت کچھ تعریف کی اور اپنا پیراہن کفن کیلئے دیا۔ جب جنازہ باہر نکلا تو رستے بھر کبھی سر حانے کی طرف اور کبھی پائنتی کی جانب کندھا دیتے ہوئے قبرستان تک گئے۔ قریب ہونے کے بعد اس کے اندر اتر کر اپنے ہاتھ سے لحد بنائی اور مٹی اپنے ہاتھ سے باہر پھینکی۔ اسکو بعد لحد کے اندر لیٹ گئے۔ کچھ آیات قرآنی پڑھیں اور یہ دعا کی۔

”یا اللہ تو ہی مارتا ہے اور تو ہی جلاتا ہے۔ تو ہی وہ زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا۔  
 لطفیل اپنے اس نبی کے اور لطفیل اُن نبیوں کے جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں میری  
 ماں فاطمہ بنت اسد کو بخشدے اور ان کی قبر کو وسیع فرما۔ تو سب رحم کرنے  
 والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

پھر قبر سے باہر آ کر فرمایا ”بسم اللہ و علی اسم رسول اللہ“ اس کے بعد نو تکبیروں سے  
 یا شتر تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھی۔ دفن کیا اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:-  
 ”اے ماں اور پرورش کرنے والی اللہ تجھ کو جزائے خیر دے۔ کیا اچھی ماں اور

کیا اچھی پالنے والی تھی۔“

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہم نے دو باتیں ایسی دیکھیں جو اس سے قبل کبھی  
 نہیں دیکھی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ نے اپنی قمیص ان کے کفن کیلئے دی۔ دوسری یہ کہ آپ انکی  
 قبر میں لیٹے۔ فرمایا کہ قمیص دینے سے غرض یہ تھی کہ حلقہ ہائے بہشت ان کو نصیب ہوں اور  
 قبر میں لیٹنے سے یہ مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو وسیع فرمائے۔ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا کہ  
 ”ابو طالب کے بعد میرے ساتھ دل سے نیکی کرنیوالا سوائے فاطمہ بنت اسد کوئی نہ تھا۔“

سلف۔ اللہ کے نام سے اور رسول اللہ کے نام پر۔

امام محمد غزالی نے (رحمۃ اللہ علیہ) احوال العلوم میں فاطمہ بنت اسد کا شمار مدفونین بقیع میں نہ معلوم کس وجہ سے نہ کیا واللہ عالم اس وقت انکی قبر موجود تھی یا نہ تھی۔ ابن جبیر نے سنہ ۵۸۰ھ میں انکے مزار کی زیارت اسی جگہ کی تھی یعنی حضرت عثمان بن عفان کے مقبرے کے نزدیک۔ اس وقت ان کے مزار پر یہ عبارت کندہ تھی۔

”ما ضمم قبر احد کفاطمہ بنت اسد (رضی اللہ عنہا وعن بنیہا)“

جس کا مطلب ہے کہ کوئی قبر فاطمہ بنت اسد کی قبر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اللہ ان سے اور ان کے فرزندوں سے راضی ہو۔

سنہ ۲۶۰ھ میں ابن بطوطہ نے بھی اسی جگہ اس قبر کی زیارت کی تھی۔ سنہ ۱۰۸۰ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں اس مزار کے قبے کا ذکر کیا ہے۔ بعض دوسری قبروں کی طرح اس قبے کی ابتدا بھی نہیں معلوم ہوتی۔ ممکن ہے کہ قبۃ اہلبیت کے ساتھ ساتھ اس کی تعمیر بھی اولاً سنہ ۱۹۰ھ میں ہوئی ہو۔ یہ قبہ ۱۲۰۰ھ تک رہا اور اہل نجد نے جب اسکو منہدم کر دیا تو سنہ ۱۲۳۳ھ میں ترکوں کا جواز پر تسلط ہو جانیکے بعد سلطان محمود خاں کے حکم سے محمد علی پاشا والی مصر نے دوبارہ اسے تعمیر کرایا۔ اس کے سو برس بعد اہل نجد نے حجاز فتح کر کے دوبارہ قبر قبۃ کو منہدم کیا اور اب سنہ ۱۳۵۰ھ میں یہاں زمین سے بالشت بھراونچی ایک قبر زیارت گاہ ہے جس کے گرد بندش کے طور پر معمولی پتھر جمادیلے گئے ہیں اور ایک ناتراشیدہ پتھر بلا کسی کتبہ کے قبر کے سر جانے نصب ہے۔ اگرچہ تقریباً آٹھ سو برس سے آج تک حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کی زیارت اسی جگہ اور اسی قبر پر ہوتی رہی ہے مگر علامہ سمہودی اس قبر کو حضرت فاطمہ بنت اسد کی اصلی قبر نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

”آنحضرت نے عثمان بن مظعون کی قبر کی لمحۃ زمین کو اپنے خاندان کی ہڑوا طہ قرار دیا تھا اور ان کے دفن کے وقت یہ فرمایا تھا کہ آئندہ میرے عزیزوں میں سے جو مرے گا اس کو یہیں دفن کرونگا۔ پس باوجود اس محبت و خصوصیت کے جو آنحضرت کو جابۃ فاطمہ بنت اسد سے تھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو آنحضرت نے بقیع کے سب سے آخری حصے میں (جہاں اس وقت نہ کوئی دفن ہوتا تھا)۔

اور نہ جو داخل لقیع تھا) دفن فرمایا ہو۔“

بہ دلائل مذکورہ اور بعض دوسری روایات کی بنا پر علامہ موصوف انکی قبر حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کے مقبرے میں تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ سعد بن معاذ اشہلی کی قبر کے ذکر میں علامہ موصوف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:-

”مستفہدین نے سعد بن معاذ کی قبر کی جو تعریف کی ہے وہ اُس قبے پر صادق آتی ہے جو فاطمہ بنت اسد کے نام سے منسوب ہے۔ شاید یہ قبر سعد بن معاذ کی ہوگی مگر شبہ سے اسکو قبر فاطمہ بنت اسد کہہ لو گے در نہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر متبعہ الجہت رسالت میں ابراہیم ابن رسول اللہ کی قبر کے پاس یعنی مقام روحا واقع لقیع میں جم بنی قلیفہ کے نزدیک ہے۔“

ایک روایت یہ ہے کہ لقیع کی فصیل کے پاس جانب مغرب جو مسجد ہے اور جسے مسجد ابی بن کعب کہتے ہیں یہ وہاں دفن ہیں۔

اس گنہگار کی رائے میں ان کی قبر فی الحقیقت عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ہوگی۔ جب اگر دشمن زمانہ سے وہ قبر مٹ گئی تو دوبارہ قبر بناتے وقت یا قبہ تیار کرتے وقت مغالطہ ہو گیا اور عثمان بن مظعون کے پاس ان کی قبر تیار کر نیکی بجائے عثمان بن عفان کے پاس قبہ تعمیر ہو گیا اور پھر اس کی اصلاح کسی زمانہ میں نہ کی گئی۔

بعض اہل کشف نے بذریعہ مکاشفہ حضرت علی کو اپنی والدہ کے پاس اسی موجودہ مقبرے میں دیکھا ہے اور اس قسم کے درویش یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی کا جسد مبارک بھی کونے سے لاکر یہاں سپرد خاک کیا گیا ہے۔

ایک روایت سے حضرت امام حسن علیہ السلام کا مرقہ بھی اس مقبرے میں معلوم ہوتا ہے جس کی صراحت قبر امام حسن علیہ السلام کے ذکر میں کی جا چکی ہے۔



## (۱۹) مقبرہ حضرت عثمان ابن عفان خلیفہ سوم

(\*)

بقیع کے کنارہ مشرقی میں سب کے سچے حضرت عثمان بن عفان خلیفہ سوم کا مقبرہ ہے۔  
۲۵ھ میں جب مصریوں اور اہل مدینہ کے ہاتھ سے حضرت عثمان قتل کیے گئے تو لوگوں نے چاہا کہ  
ان کو آنحضرتؐ کے روضہ مطہرہ میں دفن کریں مگر مخالف ملے ہوئے اور نماز جنازہ پڑھنے اور دفن  
کرنے سے روکا۔ بالآخر ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے سمجھانے سے یورش کم ہو گئی اور انکی لاش کو  
دفن کرنے کیلئے بقیع میں لیگے وہاں بھی مخالفوں نے مزاحمت کی ناچار بقیع کے مشرق میں حدود بقیع کو  
باہران کے فرزند حضرت آبان کے ایک باغ میں جسے حش کوکب کہتے تھے دفن کر دیا اور قبر پر  
ایک دیوار گرا دی تاکہ مدفن کا نشان نہ ملے۔

بعض مورخوں نے اس مقام کو حش کوکب لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ حش کے معنی  
کھجور کے خود رو درخت کے ہیں اور کوکب کے معنی بڑے کے ہیں۔ کھجور کے کسی خود رو بڑے  
درخت کی وجہ سے اس جگہ کا یہ نام پڑ گیا ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کے دفن ہونے سے قبل اہل مدینہ اس جگہ دفن ہونا مکروہ سمجھتے تھے اس کے  
بعد سے وہ کراہت جاتی رہی۔

حضرت عثمان کی قبر کچھ عرصہ تک جس کی مدت تخمیناً سولہ سال ہوگی عام نگاہوں سے پوشیدہ  
رہی۔ ۱۳۵ھ میں جب امیر موادیہ کی جانب سے مروان مدینہ کا عامل مقرر ہوا تو اس نے حش کوکب کو  
بھی حصار کھینچ کر بقیع میں داخل کر لیا اور عثمان بن مظعون کی قبر کا پتھر جو آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر کہ  
”ہم نے تجھ کو پرھیزگاروں کا امام قرار دیا“

اپنے ہاتھ سے نصب فرمایا تھا اکھاڑ کر حضرت عثمان کی قبر پر نصب کر دیا اور اب یہ قبر پوری  
طرح نمودار ہو گئی۔ اس کے قبے کی نسبت صحت کیساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پہلے پہل کب بنا  
سمہودی کہتے ہیں کہ ابن نجار نے (شکلی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی) اس قبے کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ  
موصوف بعض دوسرے مورخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ قبہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے



کسی امیر اسامہ بن سنان الصالحی نے یا عزی الدین سلمہ نے ۶۱۰ھ میں تعمیر کرایا ہے ممکن ہو کہ سمہودی زمانہ کا قبر ۶۱۰ھ میں بنا ہو مگر ۵۸۰ھ میں ابن جبیر نے لکھا ہے کہ مزار پر ایک چھوٹا سا قبر ہی۔ قبر کی شکل کی کوئی صراحت نہیں کرتا۔ غرض کہ اس مزار پر چھٹی صدی ہجری سے تیرھویں صدی کا اوائل تک قبراں ممکن ہے اس درمیان میں کچھ رد و بدل ہوا ہو۔ ۱۲۱۹ھ میں اہل نجد نے اسے منہدم کر دیا۔ پھر ۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا دہلی مصر نے حبس الحکم سلطان محمود خاں تعمیر کرایا۔ جسے ۱۳۲۳ھ میں اہل نجد نے دوبارہ منہدم کر دیا اور سابقہ قبر کو مٹا دیا۔ میں نے ۱۳۵۸ھ میں دیکھا کہ ایک کچا چوترہ زمین سے بالشت بھر ادنچا بنا دیا گیا ہے اور بندش کے طور پر اس کے گرد پتھر جمادیے ہیں ایک معمولی ناتراشیدہ پتھر علامت قبر کیلئے سر جانے نصب ہے۔

## (۲۰) بقیع میں سب سے پہلے کسکی زیارت کیجائے

(\*)

علماء کو اس بارہ میں اختلاف ہے کہ پہلے کس کی زیارت کیجائے اور کس ترتیب سے زیارت کیجائے۔ وفاء الوفاء اور جذب القلوب وغیرہ میں یہ مباحث بصراحت درج ہیں اہل بقیع کے مدارج و مراتب کے اعتبار سے کوئی کہتا ہے کہ فلاں قبے پر پہلے صلوٰۃ و سلام دفاتحہ پڑھی جائے۔ کوئی کہتا ہے فلاں پر مختلف زمانوں میں ترتیب زیارت مختلف رہی ہے۔ اس وقت بھی مختلف مذاہب کے لوگ جدا جدا اعلیٰ کرتے ہیں اور مزور بھی عموماً اپنے مذہب یا اپنے زائرین کے مذہب کے اعتبار سے سلام و دفاتحہ پڑاتے ہیں۔ اہل سنت و الجماعت اکثر حضرت عثمان بن عفان کے مزار سے زیارت شروع کر کے مقبرۃ اہلبیت پر ختم کرتے ہیں۔ لیکن ان باتوں کا تعلق بقول شخصے زائر کے مراتب فوق و شوق و مدارج عشق و محبت پر منحصر ہے۔ ترتیب زیارت کے باب میں علما کا قیاس۔ فقہاء کی رائے۔ مجتہدین کا اجتہاد اور مولویوں کا فتویٰ چاہے کچھ بھی ہو مگر ایک مجدد و بقیع کی بڑی ہے کہ زائر سب سے پہلے سیدۃ النساء العالمین خاتون جنت جنابہ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے مزار مقدس پر حاضر ہو کہ یہ ہمارے مولا اور ہمارے آقا کی تخت جگہ ہیں

ان کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد قبۃ اہلبیت کے دوسرے مدفونین پر سلام پڑھے کہ  
 ان میں رسول اللہ کا ایک وہ فرزند بھی ہے جس کا پاس خاطر حضور سرور عالم رکوع و سجود میں  
 بھی فرماتے تھے۔ اس طرح فی الجملہ اس حکم کی بھی تعمیل ہو جاتی ہے کہ۔

”نماز میں محمد کے بعد آل محمد پر درود پڑھا جائے“

اس کے بعد اگر عقل و ہوش اجازت دے تو آگے پیچھے دائیں بائیں جو قبر جہاں نظر پڑے  
 اسپر فاتحہ پڑھتا ہوا اس سرے سے اُس سرے تک چلا جائے اور ایک ہی مرتبہ پر قناعت  
 نہ کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہو اسل ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گزرتا رہے۔

## (۲۱) مزارات جنت البقیع کی عدم صحت

(\*)

جو لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جنت البقیع کے مزار ابتدا سے فتوحات و ہار بیسہ تک  
 جوں کے توں مغیر ٹھیس لگے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ انہیں لوج و کتبہ و تنوید موجود تھے۔ عالیشان  
 قبے بنے ہوئے تھے۔ فترتیں نصب تھیں۔ زیریں غلات پڑے رہتے تھے۔ پھولوں کی چادریں  
 چڑھائی جاتی تھیں۔ پنکھے لٹکائے جاتے تھے۔ عود بتیوں کی لپیٹیں آتی تھیں۔ روشنی ہوتی تھی  
 عرضیاں ٹانگی جاتی تھیں۔ منیں مرادیں مانتے تھے۔ صندل و چراغاں ہوتا تھا۔ عرس منائے  
 جاتے تھے۔ ان کو یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہو گا کہ قبرستان جنت البقیع میں تین سو برس تک  
 اہلبیت و ائمہ اطہار جیسی مقدس ہستیوں کی قبروں کا پتہ بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہ تھا کہ کس طرف ہیں  
 اور کس گوشہ میں۔ پان سو برس تک بقیع کے مشہور ترین بزرگوں کی قبریں بلا کسی نمود و نمائش  
 اور قبروں کے محض مٹی کے ڈھیر رہے اور ابتداء اسلام سے تقریباً پان سو برس تک عرب کے  
 مسلمان اور حجاز کے بادشاہ تحفظ قبور و تعظیم قبور کے بارہ میں وہابیوں سے کچھ بہتر نہ تھے۔

یہاں کے مزاروں کے متعلق ان مسلمانوں کی غفلت صرف اسی حد تک نہ تھی کہ انھوں نے انہیں  
 عمارتیں اور قبے وغیرہ تعمیر نہ کرائے بلکہ وہ ان قبروں کے مقام وقوع کو بھی بھول گئے۔ ان کو

اتنا بھی یاد نہ رہا کہ اس امام کی قبر کہاں ہے اور اُس صحابی کی کدھر۔ یہاں تک کہ ایک ہی قبر میں متعدد اشخاص دفن ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے ایک ہی جگہ کئی کئی آدمیوں کی قبریں سمجھی جائیگی اور ایک ایک شخص کا مدفن کئی کئی مقامات پر تصور ہونیکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محض دو چار قبروں کے حقیقہ کے تمام مزاروں کی صحت میں شک ہونیکا۔ یہ شک و شبہ کچھ اس زمانہ کے بال کی کھال نکالنے والے لوگوں نے نہیں کیا بلکہ آج سے ایک ہزار برس پہلے ابوالحسن علی بن حسین مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذهب تالیف ۳۳۰ھ میں حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی قبر کی عدم صحت کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا:۔

”اگلے زمانہ میں قبروں پر عمارت نہیں بنائی جاتی تھی اور چونکہ کبھی بھی نہیں ہوتی تھی اس وجہ سے قدیم و جدید والیان مدینہ کو اہلبیت کی قبریں مٹا کر اظہار عداوت کا موقع مل جاتا تھا“

(وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ اعظمی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۹)

اب سے کوئی ساڑھے چار سو برس پیشتر مدینہ منورہ کے سب سے زیادہ مستند مورخ سید نور الدین علی سمہودی نے یہاں کی قبروں کی عدم صحت کی نسبت یہ تحریر کیا:۔

”اس میں شک نہیں کہ بقیع میں صحابہ و سادات دائم بکثرت دفن ہیں مگر زمانہ قدیم کے مسلمان قبروں کی تعلیم میں مبالغہ کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور قبریں بچتے نہیں بناتے تھے اس وجہ سے ان کے آثار بالکل مٹ گئے اور اب بجز معدود چند قبروں کے باقی قبروں کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔“

(وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ اعظمی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۱۰)

سید موصوف نے اپنی دوسری کتاب خلاصۃ الوفا میں اسی بارہ میں یہ رائے ظاہر فرمائی ہے:۔

”اگلے لوگ چونکہ قبروں پر نہ تو عمارت بناتے تھے اور نہ کتبے نصب کرتے تھے اس لئے مدفونین بقیع کی بہت بڑی تعداد کی نہ تو قبریں معلوم ہیں اور نہ اس کا پتہ کہ کس سمت ان کی قبریں ہیں۔“

(خلاصۃ الوفا باخبار دارالمصطفیٰ اعظمی مطبوعہ مکہ معظمہ ص ۲۰۱)

اب سے ساڑھے تین سو برس قبل اساتذہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ لکھ گئے ہیں:-  
گمان غالب یہ ہے کہ اہل بقیع کی قبریں صحیح طور پر معلوم نہیں۔ چند لوگوں کی قبریں  
جو معلوم ہوئی ہیں ان کی بھی سمت معلوم ہوئی ہوگی کہ فلاں صاحب فلاں  
طرف دفن ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگلے زمانہ میں قبروں پر عمارتیں نہیں بنائی جاتی  
تھیں اور نام بھی کندہ نہیں کرتے تھے اس وجہ سے نشان مٹ گئے اور  
اس زمانہ میں بعض لوگوں نے بعض قبروں اور قبول کا جو تعین کر لیا ہے وہ  
قیاس غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت تو وہی ہے جو ہم ادھر  
لکھ چکے ہیں“

(جذب القلوب الی دیار المحبوب فارسی باب ذکر جنت البقیع)

۱۲۸۷ء میں جعفر برزنجی نے بھی تقریباً یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو نزہۃ الناظرین عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱۲)

مولوی صبغتہ اللہ صاحب مہاجر ساکن مدراس کی بھی یہی رائے ہے۔ اُن کا آخری

فقہہ یہ ہے:-

”یہاں کے مدفونین کا تحقیق سے نشان نہیں ملتا۔ جن کا نشان ملا ہے

وہ گمان غالب پر ہے“

بقیع کی کثرت قبور کی نسبت مولوی خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا یہ فقرہ بھی قابل

غور ہے:-

”معلوم ہوتا ہے کہ بقیع میں ایک قبر کے اندر کئی کئی اصحاب و اہل بیت کو

دفن کیا گیا ہے۔ کیونکہ متعدد مزارات اتنی کم جگہ میں ہیں کہ ہمارے ملک میں

اتنی جگہ ایک قبر کے لیے بھی کافی نہیں ہوتی“

(سفرنامہ مصر و شام و عرب صفحہ ۱۷۶)

مزارات بقیع کی عدم صحت کے جہاں دوسرے وجوہ ہو سکتے ہیں، اُن میں مذکورہ بالا بھی

ایک وجہ ہے جس کے باعث بیشتر ایک مختصر سے قبے پر کئی کئی شخصوں کی زیارت پڑھنی جاتی تھی۔



اور اب ایک ایک قبر یا ایک چھوٹے سے چبوترے پر کئی کئی بزرگوں کی زیارت پڑھتے ہیں۔  
 سلسلہ ۳۲۳ امر تک جنت البقیع میں اہلبیت و صحابہ و تابعین کے صرف بارہ قبے تھے جن میں  
 صرف ایک قبۃ اہلبیت بہت بڑا تھا باقی قبے ایسے چھوٹے پست اور مختصر تھے کہ ان میں ایک  
 قبر کی جگہ بھی مشکل سے تھی۔ بہر حال ان بارہ قبوں میں صرف (۳۵) صاحبوں کی قبور یا جائے دفن کی  
 نشاندہی کیجاتی تھی اب اُن قبوں کی جگہ معمولی قبریں یا کئی کئی قبروں کے مشترک چبوترے بنا دیے  
 گئے ہیں مگر ان (۳۵) صاحبوں میں سے بجز تین چار کو باقی تیس تیس بزرگوں کے جائے دفن کے  
 بارہ میں مختلف اقوال و روایات وارد ہیں اور مختلف مقامات پر ان کے دفن بیان کیئے جاتے  
 ہیں۔ ان مقامات کی بقدر ضرورت تفصیل تو ہر بزرگ کی قبر کے ذکر میں کیجا چکی ہے لیکن جن  
 صاحبوں کے دفن میں اختلاف ہے اُن کی ایک مختصر فہرست بھی تو ضمیمہ یہاں درج کیجاتی ہے۔  
 ۱۔ اذروئے روایات حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کا دفن مدینہ منورہ میں دس  
 جگہ تصور کیا گیا ہے۔ چار جگہ مسجد نبوی میں اور چھ جگہ جنت البقیع میں۔

۲۔ حضرت عباس عم رسول اللہ کی قبر تین جگہ سمجھی جاتی ہے۔ ایک تو مقبرہ اہلبیت  
 میں جس کا دوسرا نام ہی قبۃ عباس مشہور ہے۔ دوسرے گوشہ دار عقیل میں۔ تیسرے  
 بقیع کے بچوں پنج میں۔

۳۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا دفن کم سے کم بارہ مقام پر بیان کیا جاتا ہے  
 ایک تو مقبرہ اہلبیت واقع بقیع میں۔ دوسرا مقبرہ فاطمہ بنت اسد واقع بقیع میں۔ دوسرے  
 کوفہ میں۔ علاقہ بنی طے میں۔ تلخ میں۔ مریخ نان واقع ترکستان میں۔ کابل میں۔ چہار جواد  
 کوپا واقع ترکستان میں۔ بیت اللہ میں اور بخت اشرف میں۔

۴۔ امام حسن علیہ السلام کا دفن دو جگہ خیال کیا جاتا ہے۔ ایک تو مقبرہ اہلبیت میں۔  
 دوسرے مقبرہ فاطمہ بنت اسد میں۔

۵۔ امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک مقبرہ اہلبیت واقع بقیع میں مدفون سمجھا جاتا ہے  
 مگر دمشق، کربلا و قاہرہ کو بھی سر مبارک کے دفن ہوئی کا شرف حاصل ہے۔

۶۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا مزار مقبرہ اہلبیت میں سمجھا گیا ہے۔ ایک مزار شہر

واقع ایران میں بھی ہے۔

۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام کی قبر مقبرہ اہلبیت میں سمجھی جاتی ہے۔ قدیم سیاحوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ سابق میں علامت قبر بھی یہاں نہ تھی۔ آج کل بھی بعض معلم عدم صحت قبر کی وجہ سے یہاں ان کی زیارت نہیں پڑھاتے۔

۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی قبر عام طور سے مقبرہ اہلبیت میں خیال کی جاتی ہے مگر اگلے زمانہ میں اسکی علامت نہ تھی۔ قدیم سیاح بھی اس کا ذکر نہیں کرتے۔ مشرقی ترکستان کے ضلع فتن کے ایک گاؤں میں بھی ان کا مزار ہے اور اُس گاؤں کا نام ہی ”مزار امام جعفر صادق“ مشہور ہے۔

۹۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کا مدفن مدینہ میں تین جگہ بیان کیا گیا ہے۔

(الف) مقبرہ ازواج النبی میں۔

(ب) دار عقیل میں۔

(ج) امام زین العابدین علیہ السلام کے مکان میں۔ اس کے علاوہ دمشق میں بھی

ان کا مزار ہے۔

۱۰۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر دو جگہ خیال کی جاتی ہے۔ ایک تو مقبرہ ازواج النبی میں۔ دوسری جنازہ سیدہ فاطمہؓ زہراؓ کی قبر کے متصل مقبرہ اہلبیت میں۔

۱۱۔ چھٹی صدی ہجری میں مقبرہ ازواج النبی واقع بقیع میں صرف چار قبریں تھیں۔ نویں

صدی میں قبروں کی کوئی علامت نہ تھی۔ قبے کے اندر زمین مسطح تھی۔ تیرھویں چودھویں صدی ہجری میں ازواج رسول اللہؐ کے نام سے اس قبے میں چھ سات قبریں نمودار ہو گئیں۔

۱۲۔ حضرت عقیل ابن ابی طالب کا مزار حنبت البقیع میں تصور کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں

شام میں ہے۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی قبر دار عقیل واقع بقیع میں بیان کی جاتی ہے۔ ایک

روایت کے بموجب اُن کا مدفن مکہ مدینہ کے درمیان مقام ابوا میں ہے۔

۱۴۔ نافع مولیٰ ابن عمر کے نام سے جو قبر بقیع میں مشہور ہے اُس کی نسبت شبہ ہے

کہ وہ ابن عمرؓ کے مولیٰ نافع کی ہے یا نافع قاری مدینہ کی۔

- ۱۵۔ سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہؐ کا مدفن بقیع میں چار جگہ بیان کیا جاتا ہے۔  
 ۱۶۔ حضرت عثمان بن مظعون صحابی بقیع کے سب سے پہلے مدفون کی قبر تین مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ ابن سعود صحابی کا مزار بقیع میں تصور کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کوٹنے میں ہے۔

۱۸۔ چھٹی صدی ہجری میں حضرت عمرؓ کے فرزند ابوشحہ کی قبر بقیع میں موجود تھی۔ نویں صدی میں معدوم ہو گئی۔ چودھویں صدی میں بھڑکا ہر ہو گئی۔

۱۹۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے مزار کا وجود سلسلہ تک بقیع میں نہ تھا اب موجود ہے۔  
 ۲۰۔ حضرت ابی سعید الخدری صحابی کے مزار کا پتہ ایک ہزار ہجری تک بقیع میں نہ تھا بعد میں یہ قبر غوردار ہو گئی اور اب بھی موجود ہے۔

۲۱۔ حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ علیؑ ابن ابی طالب کا مدفن بقیع میں تین جگہ خیال کیا جاتا ہے

(الف) گوشہ دار عقیل میں۔

(ب) مقبرہ ابراہیم ابن رسول اللہؐ میں۔

(ج) حاتم ابن ابی قطفیفہ کے متصل۔

فہرست مندرجہ بالا سے اگرچہ مزارات جنت البقیع کی عدم صحت ظاہر ہے جس کی وجہ سے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس بزرگ سے کوئی قبہ پیشتر متسوب تھا یا اب کوئی قبر موسوم ہے وہ بزرگ دراصل اُسی میں دفن ہیں اور جس قبر پر کسی بزرگ کے نام سے فاتحہ پڑھی جاتی ہے آیا وہ اُسی کی قبر ہے یا کسی اور کی۔ مگر مسلمانوں میں جو طریقہ فاتحہ و دعا و زیارت و سلام کا مانج کر وہ زمان و مکان سے متاثر نہیں ہوتا۔ فاتحہ خوانی کسی خاص شکل و وضع کی قبروں کیساتھ مشروط نہ قبہ و ضریح سے محدود۔ اگر شرعی شکل کی کوئی قبر ہے تو اُس تک بھی ہماری دعا و فاتحہ پہنچ جاتی ہے اور غیر شرعی تک بھی رسائی کر لیتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ قبر و مزار کا وجود بعض اوقات

زار کے تجلیات و تصورات پر زبردست اثر ڈال سکتا ہے اور کسی بزرگ کے مرقہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا تصفیہ نفس و تزکیہ باطن کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن فاتحہ و سلام کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ آنکھوں کے سامنے صریح مقبرہ۔ مزار یا مٹی کا ڈھیر ہو بھی فاتحہ قبول ہو۔ قبر کی عکاسی تو کیا چیز ہے اگر مدفن کا بھی صحیح علم نہ ہو تب بھی ہماری فاتحہ ہمارا سلام ہماری دعا۔ ہر جگہ اور ہر صورت میں اپنا کام کر جاتی ہے۔ مدفون بقیع کے آرام گاہ خواہ کسی وضع کے ہوں ہماری نظر میں قبرستان بقیع حجت البقیع ہے۔ یہاں علیحدہ علیحدہ قبروں کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک گنج شہیداں ہے۔ اس کی ایک ٹٹھی خاک میں ہزار صحابہ و سادات و اہلبیت کے فداات جم شامل ہیں۔ یہاں کی ہر قبر پر بلکہ یہاں کے ہر قطعہ ارض پر ان تمام بزرگواروں کی زیارت پڑھی جاسکتی ہیں جو یہاں دفن ہیں۔

## (۲۲) کیفیت زیارت قبور

(۱۰)

آنحضرت کبھی کبھی بقیع تشریف لیجاتے تھے اور وہاں کے مدفون کیلئے ان الفاظ میں دعا و مغفرت فرماتے تھے۔

السَّلامُ عَلَیْکُمْ یا دَا سِر قَوْمٍ مَّوْمِنُونَ وَا تَا کُمْ مَا تَوْعَدُونَ وَا نَا  
اَنْشَاء اللّٰہُ بِکُمْ لِحَقْوَن۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَ اَہْلِ بَقِیْعِ الْغَرَقَل۔  
اے گروہ مومنین کے مکان تجسیم سلام۔ تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ تم کو مل گیا۔  
انشاء اللہ ہم بھی اب تم سے آکر ملنے والے ہیں۔ اے میرے اللہ تو اہل بقیع کو

بخندے

ایک مرتبہ آنحضرت صبح دھویں شعبان کو آدھی رات کے وقت بھی بقیع میں تشریف لیگے تھے اور اہل بقیع کے واسطے دعا کی تھی۔ اسی اتباع میں اب تک اہل مدینہ خصوصاً شب براءت کی رات کو اور عموماً جمعرات یا جمعہ کو بقیع میں فاتحہ و زیارت کیلئے جایا کرتے ہیں۔ یہاں کے



مدفونین پر سلام و زیارت پڑھنا مستحب سمجھا جاتا ہے۔  
 بخدی حکومت سے بیشتر گورستان بقیع کے ہر قبے کی حالت ہندوستان کی درگاہوں کی سی  
 تھی۔ ہر قبر کے مجاور مقرر تھے یہ خدمت نسلاً بعد نسل چلتی تھی۔ زائرین کو بطیب خاطر یا بہ جبر کچھ نہ کچھ  
 ان کو دینا پڑتا تھا۔ شائع میں فرنگی سیاح برکھارٹ جس نے حضرت فاطمہ کی زیارت دو جگہ  
 پڑھی تھی۔ لکھتا ہے:-

”جب تک اس امر کا فیصلہ نہ ہو کہ حضرت فاطمہ کی اصلی قبر کون سی ہے؟ دو جگہ  
 زیارت پڑھوائی جاتی ہے اور ڈبل فیس وصول کی جاتی ہے۔“

بخدیوں کی حکومت سے قبل شیعوں سے قبۃ اہلبیت اور حضرت حمزہ کی قبر پر بطور خاص رقم  
 لی جاتی تھی۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین جنھوں نے ۱۳۲۹ھ میں زیارت کی تھی فرماتے ہیں:-  
 ”بعض زیارت اہل عجم سے جزیہ مانگنا اور بھی قابل نفرت حرکت ہے۔“  
 بیت الحزن کی زیارت کے موقع پر خواجہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں:-  
 ”اس میں داخلہ کیلئے جبرائیکس لینے والا ایک عرب بیٹھا ہے۔ میں نے بھی کچھ  
 دیا۔ کہتا ہے کہاں سے کھاؤں۔“

حضرت امیر حمزہ کی زیارت کے موقع پر خواجہ صاحب لکھتے ہیں:-  
 ”دروغے میں داخل ہوتے وقت ہر شیعہ سے فیس طلب کرتے ہیں۔ خاصکر ارنیل  
 جب تک ساڑھے تین آنے فی کس نہ لے لیں داخل نہیں ہونے دیتے۔ جب  
 میں دالان حضرت امیر حمزہ میں داخل ہونیکا تو ایک شخص نے روکا کہ تم سے  
 پانچ قرش (پانچ آدھ) سے کم نہ لینگے۔ میں نے کہا میں جزیہ نہ دوں گا۔ انھوں نے  
 کہا باہر جاؤ۔ میں حضرت حمزہ کو سلام کر کے لوٹا اور کہا کہ والی کے پاس جاؤں گا۔  
 اسکے بعد ان کے اور خواجہ صاحب کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔“

(روزنامہ سیاحت صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸)

زیارت کی فیس کے علاوہ اگر زائرین قبۃ اہلبیت پر روشنی کرنا چاہتے تھے تو اس کا بھی کچھ  
 دینا پڑتا تھا۔ خواجہ غلام الثقلین فرماتے ہیں:-

”آج جمعرات تھی بوجہ شب جمعہ بہت سے آدمیوں نے کچھ دے دلا کر اجازت  
 حاصل کی کہ روضہ البقیع میں مغرب کے قریب رخصتی کریں چنانچہ کی۔ بعد مغرب  
 روضہ بند کر دیا جاتا ہے۔ دو گھنٹے تک کھلنے کی اجازت کیلئے بہت روپیہ  
 چاہتے تھے مگر کوئی دے نہ سکا۔ بہت سے غریب آدمی جو اندر جانے کا  
 ٹیکس نہ دیکے انھوں نے قبے کے باہر زیارت پڑھی۔

(روزنامہ صفحہ ۸۰)

مدینہ میں چونکہ پھول بہت کم ہوتے ہیں اس لیے بیشتر زائر قبروں پر چڑھانے کیلئے ریمان کی  
 سبٹر شاخیں لیجاتے تھے۔ سابق میں بعض آدمی زائرین کی طرف سے سورہ یسین و سورہ تبارک  
 وغیرہ پڑھنے کیلئے البقیع میں بیٹھے رہا کرتے تھے اور کچھ لکریہ خدمت انجام دیدیتے تھے۔ اگلے  
 زمانہ میں فقیروں کے بھی غول کے غول یہاں موجود رہتے تھے بعض سیاحوں نے اسکا ذکر کیا ہے  
 کہ یہ لوگ بڑا تنگ کرتے ہیں۔ فاتحہ تک نہیں پڑھتے دیتے۔ سعدی کے اس مصرعہ کی تصدیق  
 یہاں ہوا کرتی تھی۔ ع

کہہ سستین کریمال بدست درویشاں

اور حیرات بانٹنے والوں کے کپڑے ان کے ہاتھ سے ثابت نہ بچتے تھے۔

اس زمانہ میں البقیع پورا شہر خاموشاں ہو گیا ہے۔ نہایت حضور طلب اور کامل توجہ کیساتھ  
 فاتحہ زیارت پڑھی جاتی ہے نہ کوئی جزیہ مانگتا ہے نہ ٹیکس۔ البقیع کے دروازے کے باہر  
 غریب عورتیں اور بچے بیٹھے رہتے ہیں جن کو کچھ نہ کچھ دینا ہر زائر کا اخلاقی و انسانی فرض ہے۔  
 اہل مدینہ پر جتنا خرچ کیا جائے کم ہے۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ جن مزارات سے توسل و  
 تشفع کی امید رکھتے ہیں ان کے خادموں کو دو چار آنے دینا بھی ناگوار گزرتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون  
 اہل نجد کی حکومت میں زیارت قبور کے واقعات گزشتہ دو برس میں مختلف رہے ہیں۔  
 مکہ میں جو حجاج کہ مدینہ گئے ان میں سے بعض کو جنھوں نے غالباً حج سے قبل زیارت  
 کرنا چاہی تھی۔ نجدی سیاحوں نے یہ کہہ کر کہ تم لوگ فاتحہ پڑھنا نہیں جانتے۔ قبروں پر مشرکانہ  
 رسوم انجام دیتے ہو فاتحہ کی اجازت نہ دی۔ یہ زمانہ نجدیوں کے ابتدائی تسلط اور انتہائی جوش کا تھا

اس کے بعد بعض زائرین نے قبروں کو زمین سے ہموار پایا اور معلولوں کی نشاندہی پر فاتحہ پڑھی یہ دوسرا دور تھا۔ بعض نے بیان کیا کہ ہم نے شاہیر کی قبروں پر دو دو تختے علامت قبر کے طور پر رکھے دیکھے معلولوں کی ہدایت کے موافق زیارت پڑھی۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ یہ تیسرا دور تھا۔ میں نے مسند امام میں جو حالت مزارات مقدسہ کی دیکھی اس کی مزاحمت البقیع کے عام حالات میں نیز دوسرے مقامات پر کر چکا ہوں اور آگے بھی مختصر عرض کروں گا۔ ان قبروں کو شرعی قبر کہتے یا گور غریباں۔ ہندوستان کے ہر قبرستان اور ہر تنگے میں ایسی بنیادیں قبریں موجود ہیں۔ مدینہ منورہ میں مجھے آٹھ دن رہنا نصیب ہوا اور الحجہ لکھنؤ کے کبھی دن میں دو مرتبہ اور کبھی ایک مرتبہ جنت البقیع میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ میں جنابہ سیدہ فاطمہ زہرا اور بعض دوسرے بزرگواروں کی قبروں پر حالت مراقبہ و معانقہ میں دیر دیر تک بیٹھا رہا۔ میرے مختلف مزدور بھی بعض اوقات میرے ساتھ رہتے تھے۔ کبھی ان کی حسب ہدایت اور کبھی جسطرح میرے دل میں آیا میں نے سلام پڑھا۔ زیارت پڑھی۔ فاتحہ پڑھی۔ بہت مرتبہ رقت ہوئی۔ آنسوؤں کی جھڑپاں لگ گئیں۔ نہ کسی نے مجھے روکا نہ ٹوکا۔ میں نے مصریوں۔ ایرانیوں اور ہندیوں کو بھی اپنے اپنے طور پر صلوات و سلام پڑھتے دیکھا ان پر بھی کوئی معترض نہ ہوا۔ غرض کہ فاتحہ و زیارت و صلوات و سلام کی عام اجازت تھی۔ ہر مذہب و ملت کے مسلمان اپنے اپنے طریق پر کسی مزدور کے ذریعہ سے یا کتاب میں دیکھ کر یا زبانی جسطرح چاہتے تھے فاتحہ وغیرہ پڑھ سکتے تھے۔ یہاں میں نے کسی کو قبر پر سجدہ کرتے۔ بوسہ دیتے۔ طوات کرتے یا قبر کے پاؤں پڑتے نہیں دیکھا واللہ عالم نجدیوں کے خوف سے ایسا نہ کیا یا میرے زمانہ کے زائرین ایسا عمل پسند نہیں کرتے تھے۔ زائرین کی حفاظت یا نگرانی کیلئے صرف ایک سپاہی جنت البقیع کے دروازے پر کھڑا رہتا تھا وہ زائرین کی نقل و حرکت کا کچھ نگران بھی نہ تھا نہ اس کی نگاہ ہمارے ساتھ ساتھ البقیع کے ہر گوشے اور ہر کونے میں پہنچ سکتی تھی۔

میرے ایک حیدر آبادی دوست۔ بنجوری مدینہ منورہ جانے کے کچھ دن بعد قافلہ کیسا تھا

مسند امام میں جو صاحب زیارت کو گئے تھے ان میں سے بعض نے کہا کہ ان کر کتاب میں نہیکہ زیارت نہ پڑھنے دی البتہ زبانی یا کسی معلم کے ساتھ زیارت پڑھنے کی اجازت تھی۔

گئے تھے مجھے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت فاطمہ کی قبر کے قدموں پر گرنے کیلئے ایک بھاری سپاہی سے اجازت مانگی تھی مگر اُس نے منع کیا اور اُس کے پیٹھ موڑتے ہی یہاں بات پر آمادہ ہو کر کہ اگر وہ دیکھ بھی لے گا تو دو چار چھڑیاں کھالوں گا۔ جناب سیدہ کے مزار کے قدموں پر گر پڑے۔

## (۲۳) منہدم شدہ قبروں کی ترمیم کی متعلق نجدیوں کی خیالات

(\*)

قبروں کی دوبارہ تعمیر کے بارے میں جو میری گفتگو حجاز کے بعض سربراہان اور وہ اہل نجد سے ہوئی اگر اُس کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ مضمون نامکمل رہ جائیگا۔ اسلئے بطور سوال و جواب اس گفتگو کا خلاصہ یہاں لکھتا ہوں۔ سوال میری طرف سے ہے اور جواب اہل نجد کی جانب سے۔

س۔ ”قبروں کے شرعی جواز و عدم جواز کے متعلق میں ایک لفظ بھی نہیں کہتا۔ اس بارے میں علماء بہت کچھ کہہ لیا ہے اور آئندہ بھی کہیں گے۔ میں صرف اتنا ہی عرض کر دوں گا کہ جس قبے کی سب سے زائد تعظیم کیجا سکتی ہے وہ گنبد خضرا ہے۔ جب اس کو قائم رکھا گیا ہے تو ایسی صورت میں اگر دوسرے قبروں کو بھی جو عظمت و منزلت میں اس کے بعد ہیں برقرار رکھا جاتا تو کیا مضائقہ تھا۔ جب زائرین کوئی حرکت قبۃ خضرا پر ایسی نہیں کرتے جو آپ کے نقطہ نظر میں خلاف شرع ہو تو دوسرے گنبدوں پر بھی کوئی بیجا حرکت کرنے کیلئے ان کی ہمت نہ پڑتی۔“

ج۔ ”گنبد خضرا سے دوسرے قبروں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ گنبد آنحضرت کے بیت الشرف کا گنبد ہے وہ قبروں کے گنبد تھے۔“

س۔ ”مکان اور مقبرے کا ایسا باریک فرق عام مسلمان نہیں سمجھ سکتے۔ جس جگہ کوئی قبر موجود ہو وہ مقبرہ ہے۔“

ج۔ ”مکان اور قبر میں فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔“

س۔ ”ہندوستان میں مشہور ہے کہ روضہ سرور کائنات پر بھی آئندہ دست درازی کی جائیگی۔“



جیسا کہ اب سے سو برس قبل امیر سعود ابن عبدالعزیز نے جرأت کی تھی مگر بعض معجزوں نے اُسکو اس ارادہ سے باز رکھا۔

ج ”محض غلط ہے۔ ہرگز ایسا ارادہ نہیں ہے۔ نہ ایسی جرأت کی بجائیگی اور نہ امیر سعود نے ایسا ارادہ کیا تھا۔“

س ”بعض مسلمان مورخوں نے اور نیز ایک فرنگی سیاح مسی برکھارٹ نے جو ۱۸۱۴ء میں حجاز آیا تھا سعود کے اس ارادہ کا ذکر کیا ہے۔“

ج ”عام مسلمان اور عیسائی دونوں ہمارے دشمن ہیں۔“

س ”اگر مسلمانوں کی تالیف قلوب کے خیال سے ان قبول کو دوبارہ تعمیر کر دیا جائے تو غالباً یہ عمل نامناسب نہ ہوگا۔ ایک مشہور حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:۔

آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی تو میں

اس کعبہ کو جو کفار قریش کا بنایا ہوا ہے ڈھا کر بنیاد براہمی پر از سر نو تیار کرتا

مگر یہ لوگ میرے اس عمل سے بھڑک کر ہائیٹلے۔“

جب آنحضرت نے کعبہ مکرمہ جیسی محترم عمارت کو باوجود کراہت کے محض جدید الاسلام مسلمانوں کی تالیف قلوب کے خیال سے قائم رکھا تو آپ بھی اگر قدیم الاسلام مسلمانوں کی تالیف قلوب کیلئے ان قبول کو برقرار رکھتے تو کیا مضائقہ تھا۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ جزیرہ نمائے سینا کے عیسائیوں نے آنحضرت سے اتحادی معاہدہ کیا تھا اتفاق سے ان عیسائیوں کا گرجا منہدم ہو گیا۔ انھوں نے آنحضرت سے اسکی تعمیر کیلئے چندہ طلب کیا۔ آنحضرت نے بیت المال سے مدد فرمائی۔ جب ایک کلیسہ کی تعمیر مسلمانوں کے بیت المال سے کر دی گئی تو ان قبول کی تعمیر بدرجہ ادلی ہونی چاہیے۔“

ج ”آنحضرت مقتدر تھے۔ ہم غیر مقتدر ہیں۔“

س ”آپ اُس مقتدر نبی کی تابع و مقلد ہیں۔ آپ کی واسطے آنحضرت کا عمل کافی دلیل ہریت ہے۔“

ج ”آپ تالیف قلوب پر بہت زور دے رہے ہیں تو اب ہم یہ کہیں گے کہ ہم نے بھی تالیف قلوب تو کی مگر ان مسلمانوں کی جو راہ اسلام میں حکومت نجد کے ہاتھ پر مرنے جینے کی بیعت

کر چکے ہیں۔ جو ہر آڑے وقت میں حکومت کا ساتھ دینگے اور جو حفاظت اسلام و حفاظت حرمین کیلئے اپنی جانیں لڑا دینگے۔ ہم پر ایسے مسلمانوں کی تالیف قلوب واجب نہیں ہے جنہوں نے ترکوں کو حرمین سے نکلوا دیا۔ جنہوں نے رگڑوٹ بھرتی کر کے ترکوں کے مقابلہ کیلئے بھیجے۔ جن کا روپیہ گولیاں بن بن کر ترکوں کے کیلئے میں داخل ہوا۔

جب یہ پکتے مسلمان پیراہن خلافت کو پارہ پارہ کر چکے تو اس وقت کفنیاء گٹھ میں ڈال کر ہائے خلیفہ! ہائے خلیفہ! کہتے دنیا بھر میں پھرے۔ ان کی یہ گریہ وزاری فرعون کی سی توبہ تھی اور ان کا یہ بے وقت کا ماتم یہود اسقر لوطی کا رونا تھا جس نے پہلے تو تیس روپیے میں حضرت عیسیٰ کو پکڑا کر صلیب پر چڑھوا دیا اور پھر شرمندگی کے مارے درخت سے اٹلا ٹک کر جان دیدی۔ حضرت عیسیٰ کے اس حواری کے گناہ کا کفارہ تو بظاہر ہو گیا مگر ان مسلمانوں کی پیشانیوں پر دین فروش کی کا جودائع لگا ہے اسکو صرف دوزخ کی آگ ہی مٹا سکیگی۔

س ”میں آپ کی اس گرم دین و تیز گفتگو کو محبت اسلامی و غیرت دینی پر محمول کر کے اس وقت اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا کہ مبادا صحبت بد مزہ ہو جائے۔ تاہم یہ عرض کر دنگا کہ اہل نجد کے سوا آپ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو بھی اپنا بھائی تصور کیجئے۔ اگر موقع ہو گا تو وہ بھی حفاظت حرمین کیلئے اپنی جانیں قربان کر دینگے اور آپ کے دوش بدوش اعدائے دین کا مقابلہ کرینگے۔“

ج ”(قہقہہ) یہ برادران یوسف مٹروں کیساتھ اسلام کی حفاظت خوب کر چکے ہیں۔ انھوں نے جب اپنے حقیقی بھائیوں کیساتھ یہ کچھ کیا تو ہم تو ان کے سوتیلے بھائی ہیں ہمارے ساتھ جو کچھ کریں بھڑا ہے۔ خدا ان سے کام ہی نہ ڈالے۔  
تو بہ خویشتن چہ کردی کہ بہ ما کنی نظیری  
بخدا کہ واجب آمد ز تو احترام کردن

یہ مسلمان مرد میدان نہیں ہیں البتہ جلسوں میں باتیں بنانا اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بٹھرنے کو خوب آتا ہے۔ بظاہر قوم کا رونما یہ روتے ہیں مگر اسل میں وہ انھیں کا رونما ہوتا ہے۔

اور انھیں ترکیبوں سے یہ اپنا دوزخ بھرتے ہیں۔ ۵

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں جُکام کیساتھ  
فکر لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

یہ اپنے تئیں خادمِ حرمین اور خدامِ کعبہ کہتے ہیں مگر ع  
ایسیج کا فر نہ کنہ را پنج مسلمانا کروند

انھوں نے حرمین کی خدمت کیا کی؟ یہی نہ! کہ ترکوں کو حرمین سے نکلوا دیا۔ یہ اپنے ہاتھ سے  
کعبہ میں روشنی اور روضہ رسول اللہ کی جا رو بکشی تو کیا کرتے انھوں نے تو حرمین کو سبے چراغ  
کر دینے کی کوشش کی۔ والبستگان حضرت بیت اللہ اور خادمانِ مرقہ رسول اللہ کو بھوکا مارا  
فتوے دیے۔ حج کو حرام ٹھہرا دیا تاکہ مسلمان ادھر کا رخ نہ کریں۔ خدا و رسول کو ٹپو سیوں کے  
تمام کاروبار بند ہو جائیں۔ فاقہ کشی کی تاب نہ لا کر وہ یہاں سے ہجرت کر جائیں۔ مکہ ویران  
مدینہ برباد ہو جائے۔ اور حجاز مقدس دام و دود کا مسکن بن جائے۔ یہی خدمت کعبہ ہے؟  
یہی لوگ خدامِ کعبہ ہیں۔ ۶ ۵

اگر حقیقت اسلام دہ جہاں ابن است  
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانانی

# فصل سوم

## مدینہ کے بعض دوسرے قبرستان

### (۱) مقبرہ عَمَّات رسول

(\*)

مدینہ منورہ کی فصیل سے باہر باب جمعہ سے نکلتے ہی احاطہ بقیع کی بائیں جانب مقبرہ عَمَّات نبیؐ واقع ہے۔ بقیع سے متصل ہونے کی وجہ سے بعض سیاحوں نے اسکا ذکر مقابر بقیع میں کیا ہے۔ اس زمانہ میں یہ مشہور ہے کہ اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پھپھیاں صفیہ بنت عبد المطلب اور عائکہ بنت عبد المطلب دفن ہیں۔ مگر ابن جبیر وابن بطوطہ۔ سید سمہودی اور شیخ عبدالحق اس مقبرے میں صرف حضرت صفیہ کا مزار بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائکہ کے حالات کا پتہ نہ لگا۔ حضرت صفیہ کا مختصر تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے۔

صفیہ حضرت امیر حمزہؑ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کے شوہرام المؤمنین خدیجہؑ کے بھائی عوام بن خویلد تھے جن سے حضرت زبیر پیدا ہوئے۔ ازروئے احادیث اہل سنت زبیر کا

۱۔ امیر حمزہ آنحضرت کے حقیقی چچا نہ تھے۔ آنحضرت کے حقیقی چچا صرف حضرت ابیطالب تھے۔

۲۔ زبیر حضرت علی کے چھوٹی زاد بھائی تھے۔ چونکہ جنگ جمل میں جو جادی اثنی سلسلہ میں ہوئی تھی حضرت علی (علیہ السلام) نے اس میں حصہ لیا تھا۔



شمار ان دس صحابہ میں ہے جن کے قطعی جنتی ہونے کی نسبت آنحضرتؐ نے بشارت دی ہے۔  
 جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کی شہادت کی خبر سُنکر صفیہ مدینہ سے میدان جنگ میں  
 تشریف لگتی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ حمزہ کی لاش کی دروناک حالتِ صفیہ سے  
 دیکھی نہ جائیگی اُن کے فرزند حضرت زبیر سے فرمایا کہ اپنی ماں کو حمزہ کی لاش پر نہ جانے دو۔  
 صفیہ نے عرض کیا مجھ کو سب معلوم ہو چکا ہے خدا کی راہ میں جو کچھ ہوا میں اُسپر صبر کرتی ہوں  
 جنگ خندق میں جو سوال سہمہ میں واقع ہوئی۔ صفیہ قلعہ رقاہ میں جو انصار مدینہ کی  
 ایک گروہی تھی سلمان عورتوں کیساتھ تھیں۔ دروازے پر حسان بن ثابتؓ شاعر پہرہ دے  
 رہے تھے۔ یہاں سے یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا علاقہ قریب تھا۔ ایک یہودی مسلمانوں کے  
 قلعہ کی تھانگ لینے کیلئے ادھر آیا۔ حضرت صفیہ نے حسان بن ثابت سے کہا کیا دیکھتے ہو  
 اس کو ٹھکانے لگا دو۔ علالت و ضعف کی وجہ سے حسان کی ہمت نہ پڑی۔ آخر صفیہ نے  
 جلدی میں کوئی ہتھیار نہ ملا تو خیمہ کی ایک چوب سے اُس یہودی کا خاتمہ کر دیا اور اُس کا سر  
 کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا جس سے یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ اس قلعہ میں مسلمانوں کی کچھ  
 فوج موجود ہے۔ حضرت صفیہ کی وفات تہتر سال کی عمر میں سنہ میں ہوئی۔  
 آٹھویں صدی ہجری تک حضرت صفیہ کے مزار پر قبہ نہ تھا۔ نویں صدی میں سید یہودی

بقیہ حاشیہ۔ خلاف ہو کر حضرت عائشہ کی طرف سے لڑے تھے اسلئے شیعہ انکے معتقد نہیں ہیں۔ جنگ جمل سے کنارہ کشی  
 بعد اسی میں جو بیٹھ برس کی عمر میں عمرو بن جرموز کے ہاتھ سے مارے گئے۔

۱۵۔ ان دس صحابیوں کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے ان کے نام ایک قلعہ میں اسطرح نظم کیے ہیں۔

دہ یار بہشتی اندمی دال      بوکر و عمر علی و عثمان

سداست و سید و بو عیدہ      طلحہ و زبیر و عبد الرحمان

۱۶۔ جنگ اُحد کے تفصیلی واقعات آگے ایک علامہ عروان کے تحت میں بیان کیے گئے ہیں۔

۱۷۔ مشرکین نے حضرت حمزہ کی لاش کی حالت ناک کان کاٹ کر اور پیٹ چاک کر کے بہت خراب کر دی تھی تفصیل کے لیے

مقبرہ شہدائے اُحد کے حالات ملاحظہ ہوں۔

۱۸۔ حضرت حسان بن ثابت سب سے پہلے فوت ہوئے شاعر و صحابی ہیں۔ اکیسویں برس کی عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں اور  
 (بقیہ پر صفحہ نمبر ۲۷۱)

ایک چھوٹے سے قبضے کی نشاندہی کرتے ہیں مگر یہ نہیں لکھا کہ وہ قبہ کس نے بنوایا تھا۔ اس قبضے کو بھی غالباً وہی حادثات پیش آئے جو جنت البقیع کے دوسرے قبوں پر گذرے جبکہ لحاظ سے یہ اولاً ۲۱۹ھ میں اہل نجد کے ہاتھ سے منہدم ہوا پھر ۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا نے بنوایا۔ پھر ۱۳۲۵ھ میں دوبارہ اہل نجد نے سمار کیا۔ ۱۳۲۵ھ میں اس فتنے نے اسے منہدم ہی پایا اور دو قبروں کا ایک مشترک چبوترہ دیکھا جسے قبر صغیہ و عاتکہ سے منسوب کرتے ہیں۔ قبروں کی شکل کی یہاں تشریح کر نیکی ضرورت نہیں ہے کی مرتبہ اس سے قبل کی جا چکی ہے۔

## (۲) مقبرہ حضرت اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام

(\*)

حضرت اسماعیل فرقہ اسماعیلیہ کے ساتویں امام ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ چونکہ امام جعفر صادقؑ کی تمام اولاد میں یہ سب سے بڑے تھے اور جناب صادقؑ کو ان سے محبت بھی بہت تھی اسوجہ سے عام طور پر لوگوں کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ امامت انھیں کو ملیگی۔ ۳۳۱ھ میں امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حضرت اسماعیل کی وفات ہو گئی مگر درود و ملازمت کے شیعوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی تو وہ یہی سمجھتے رہے کہ اسماعیل ابھی زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ پندرہ برس بعد ۳۴۶ھ میں جب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو اس وقت ان لوگوں نے قیاس کر لیا کہ اب حضرت اسماعیل ان کے جانشین و امام ہیں۔ مدینے کے گرد و اطراف میں جو لوگ رہتے تھے وہ یہ عقیدہ رکھنے لگے کہ حضرت اسماعیل چونکہ امامت کیلئے نامزد ہو چکے تھے اسلئے وہ امام برحق ہیں اور ان کے بعد امامت ان کی اولاد میں منتقل ہو گئی ہے۔ عام طور پر فرقہ اسماعیلیہ بقیہ حاشیہ۔ ساٹھ سال اسلام میں گذارے۔ باختلاف روایت ۱۳۵ھ یا ۱۳۶ھ میں وفات ہوئی۔

۱۔ ان لوگوں کے اماموں کی تعداد بائیس ہے جن میں مصر کے دس فاطمی خلیفہ بھی شامل ہیں امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کے بعد ان کے امام حضرت اسماعیل پھر محمد بن حنفیہ پھر جعید اللہ جہدی اور ان کی اولاد ہے۔ بعض لوگ اولاد اسماعیل بن جعفر صادقؑ میں اور بھی کئی صاحبوں کو امام تصور کرتے ہیں۔

پیر و امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے مگر بعض اسماعیلیہ ایسے بھی ہیں جو حضرت اسماعیل کے بعد امام موسیٰ کاظم اور ان کے بعد سلسلہ اثنا عشری کے باقی تمام اماموں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ غرض کہ حضرت اسماعیل کو امام ماننے والوں کا فرقہ جو ابتدا میں شیعہ اسماعیلیہ سے موسوم تھا۔ جزوی جزوی اختلافات کی وجہ سے اس کی بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ (توضیحاً ملاحظہ ہو کتاب مذاہب اسلام مؤلفہ مولوی نجم الغنی صاحب)

حضرت اسماعیل کی وفات بمقام عریض ہوئی تھی جو مدینہ کی نواح میں ایک سرسبز وادی و چراگاہ ہے ان کی لاش مدینہ لاکر بقیع کے متصل دفن کی گئی۔ ان کا مزار مدینہ میں جانب مشرق ہر بقیع میں داخل ہونے سے قبل زائر کے داہنی طرف پڑتا ہے۔ امام عزالی و ابن جبیر و ابن بطوطہ وغیرہ سیاحوں نے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ سمہودی کہتے ہیں کہ اس مزار پر ۵۴۳ھ میں امیر سیف الدین ابن ابی الہیچا نے قبہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کی نشاندہی کیا رہی صدی ہجری کے آغاز میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی کی ہے۔ غالباً یہ قبہ تیرہویں صدی ہجری کے بلق تک موجود تھا اور دوسرے قبوں کیساتھ ۱۲۱۹ھ میں اہل نجد نے پہلی مرتبہ اسے منہدم کیا۔ ۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا نے حجاز پر تسلط حاصل کر کے اسے پھر تعمیر کرایا۔ اس کے بعد ۱۳۴۴ھ میں اہل نجد نے پھر منہدم کر دیا۔ ۱۳۴۵ھ میں یہ گنہگار حضرت اسماعیل کی قبر کی زیارت سے مشرف ہوا۔ یہ بالشت بھراؤنی قبر تھی جس کے اطراف پتھر جمے ہوئے تھے۔ فرقہ اسماعیلیہ کے زائر اس درگاہ پر خاص عقیدت ظاہر کرتے ہیں۔

۱۔ ان کے اماموں کی تعداد تیرہ ہے عموماً بوہروں کا یہی عقیدہ ہے۔

۲۔ یہ شخص فاطمی خلفائے مصر کا جو اسماعیلیہ طریقہ رکھتے تھے وزیر تھا۔ نہایت فیاض و بخیر تھا۔

۳۔ مدینہ میں بعض مساجد مدینہ اس کی یادگار تھیں۔ اس کی وفات بھی مدینہ میں ہوئی تھی اور بقیع

میں اس کی قبر پر گنبد بنا ہوا تھا جو اہل نجد کے پہنے قبضہ حجاز کے وقت ۱۲۱۹ھ میں توڑ ڈالا گیا اس کے

بعد پھر کبھی تعمیر نہ ہوا۔

## (۳) مقبرہ حضرت عبداللہ والد ماجد آنحضرت صلی علیہ وسلم

(\*)

تایخ عرب میں حضرت عبداللہ بھی ذبیح راہِ خدا سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے والد حضرت عبدالمطلب نے یہ منّت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو وصال فرزند عنایت کریگا تو ایک لڑکے کو وہ راہِ خدا میں فوج کریں گے۔ اس قربانی کا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا مگر حضرت عبدالمطلب ان سے بیحد محبت تھے اور ان کا فوج کرنا گوارا نہ تھا یا یوں کہیے کہ ان کی پیشانی سے نور رسالت جلوہ گر دکھائی دیتا تھا اور دنیا کی کاپاپلٹ دینے والی ایک زبردست مقدس ہستی اُن سے وجود میں آنے والی تھی اس وجہ سے عبدالمطلب ان کو فوج کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے دوبارہ قرعہ والا پھر انھیں کے نام پر نکلا پھر اُلٹ پلٹ کر کوئی مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی مگر کسی اور لڑکے کے نام پر نہ نکلا مگر ہر دفعہ انھیں کے نام پر آیا۔ آخر اس زمانہ کے دانشمندان کے مشورہ سے حضرت عبدالمطلب ان کا فدیہ ایک سواونٹ ذبح کیے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے انا ابن الذبیحین یعنی میں ذبیحوں (اسماعیل و عبداللہ) کا فرزند ہوں۔

حضرت عبداللہ تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قریش کے قافلے کیساتھ حضرت عبدالمطلب نے اُن کو کھجوریں لانے کیلئے مدینے بھیجا۔ ان کی طبیعت پیشتر سے ناساز تھی اور باختلاف روایت انھوں نے مدینے میں جہاں اُن کا ذاتی مکان تھا یا مکہ و مدینہ کے رستے میں بمقام ابواہلنت فرمائی۔ وقت وفات حضرت عبداللہ کی عمر پچیس یا اٹھائیس سال تھی اور حسبِ ایت مشہورہ ہنوز سرور کائنات عالم ظہور میں نہیں آئے تھے۔

۱۔ حضرت عبدالمطلب کے دس فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ حارث۔ زبیر۔ ابوطالب۔ حمزہ۔ عیداق۔ ضرار۔ مقوم۔ ابولہب۔ عباس۔ عبداللہ۔ تمام فرزندوں میں حارث بڑے تھے اس لیے سے عبدالمطلب کی کنیت ابوحارث تھی۔ حارث چاہے زمزم کھودنے میں اپنے والد کے شریک تھے عبداللہ و ابوطالب حقیقی بھائی تھے۔ ۲۔ ایک روایت ہے کہ اس وقت آنحضرت کا سن دو مہینے کا تھا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے وقت آنحضرت اٹھائیس دن کے تھے۔



حضرت عبداللہ کے مدفن کی نسبت زیادہ قوی روایت یہ ہے کہ وہ ابوا میں دفن کیے گئے۔ ابوا کو بعض مورخ مدینے سے تیس میل بتاتے ہیں۔ سہودی اُحد کے قرب وجوار میں اسکی نشاندہی کرتے ہیں۔ اُحد مدینے سے تین میل ہے۔ ابن اثیر مؤلف تاریخ کامل بھی اس کو اُحد کے قریب ہی بتاتا ہے۔ صاحب مرآۃ المحررین کہتے ہیں کہ بجر احر کے مشہور بند گاہ رابع سی (جو جڑے سے ایک سو سیل ہے) جانب مدینہ تیرہ میل کے فاصلہ پر ابوا واقع ہے۔ سید سہودی کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ ہر سال مکہ سے اپنے شوھر عبداللہ کی قبر کی زیارت کیلئے ابوا تشریف لے جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دفع جب آنحضرت چھ برس کے تھے حضرت آمنہ ابوا تشریف لے گئیں اور وہیں وفات پائی۔ مورخین حضرت عبداللہ و حضرت آمنہ کی قبریں موضع ابوا میں بتاتے ہیں مگر ابوا کی چشم دید حالت۔ علامت قبر قبہ و مزار کی صراحت کوئی نہیں کرتا کہ کس حالت میں ہے۔ اگرچہ قدیم سیاح و مورخین نے مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ کے مزار کا ذکر مطلق نہیں کیا۔ یہاں تک کہ سید جعفر برزنجی مدنی نے بھی نزہۃ الناظرین میں جو ۱۲۹۱ھ کی تالیف ہے۔ اس مزار کا وجود ظاہر نہیں کیا مگر چودھویں صدی ہجری کے سیاح اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً مولوی صبغۃ اللہ صاحب اپنی کتاب السکینہ میں فرماتے ہیں:-

”زقاق سیدنا عبداللہ کے نام سے مدینے میں ایک محلہ ہے اس میں ایک قبے کے اندر حضرت عبداللہ کی قبر ہے۔ یہ خاص مکان اُن کا تھا اس میں دفن ہوئے سب نزلات قبر پر پڑا ہے جس میں سفید ریشم سے اُن کا نام بُنا ہوا ہے۔ یہ قبہ ۱۲۵۰ھ میں سلطان محمود خاں نے بنوایا۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ کو ابوا میں دفن کیا گیا۔“

۱۳۴۵ھ میں جب یہ فقیر مدینہ منورہ گیا تھا تو زقاق سیدنا عبداللہ میں جو مدینے کی جانب غرب شہر نیاہ کے متصل واقع ہے۔ مزار حضرت عبداللہ کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ مزار پر قبہ نہیں رہا۔ محلے کا نام جو حضرت عبداللہ کے مکان و مزار کی وجہ سے مشہور ہوا ہے وہ بدستور چلا آ رہا ہے۔



## (۴) مقبرہ حضرت مالک بن سنانؓ

(\*)

آنحضرت کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے مزار کے قریب مالک بن سنان کا مزار ہے اسپر پیشتر ایک قبہ بھی تھا۔ اس کے متعلق پہلے نہیں لگتا کہ کب بنایا گیا تھا مگر نویں صدی ہجری میں وہ مہجود تھا مالک بن سنان کے فرزند ابو سعید الخدری مشہور صحابی و راوی حدیث ہیں۔ مالک بن سنان جنگ احد میں شہید ہوئے تھے اور وہیں دفن کیے گئے تھے مگر جب امیر معاویہ کے زمانہ میں ۳۳ھ میں احد کی طرف سے نہر لائی گئی اور بعض شہیدوں کے جسم وہاں سے منتقل کیے گئے تو ان کو بھی احد کے لاکر یہاں دفن کیا گیا۔

مدینہ میں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں والے مالک بن سنان کی بڑی تنظیم کرتے ہیں ان کا نام کی جھوٹی قسم بھی نہیں کھاتے۔ مدینہ میں ان کی نسبت پیر وایت مشہور ہے کہ یہ جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی والدہ مدینہ کے دروازے پر کھڑی اُحد سے واپس آئیں والوں سے انکی خبر پوچھتی تھیں ہر ایک یہ کہہ دیتا تھا کہ معلوم نہیں۔ آخر آنحضرت سے دریافت کیا انھوں نے فرمایا نیچھے آؤ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے قول کی تصدیق کیلئے مالک بن سنان کو زندہ کر کے بھیج دیا۔ وہ اپنی ماں سے ملے چونکہ بڑی طرح زخمی تھے کچھ دن بعد وفات پائی۔ ان کے قبے کے دروازے پر یہ عبارت لکھی تھی:-

”مالک بن سنان بیرق دار رسول اللہ“

اب وہ قبہ نہیں رہا۔ قبر موجود ہے جس کے سامنے کسی شخص کی دیوار سے لمبی تین قبریں دیکھیں کہتے ہیں کہ وہ بھی شہداء کے اُحد ہیں۔

شیریں شیریں

۱۔ امیر معاویہ بن ابوسفیان کا زمانہ ۳۳ھ سے ۴۰ھ تک رہا۔

۲۔ اس نہر کی کیفیت اور بعض شہیدوں کے جسموں کی منتقلی کا ذکر شہداء کے اُحد کے حالات میں آگے کیا گیا ہے۔

## (۵) مقبرہ شہدائے اُحد

الف۔ جبل اُحد۔

جبل اُحد دینے کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ باب مجیدی سے اُحد تک کچی سڑک جاتی ہے۔ گاڑیاں وہاں تک پہنچ سکتی ہیں۔ رستے میں کہیں کہیں کھجور کے درخت ہیں۔ مینہ خوب برستا ہے تو کھیت بویے جاتے ہیں میض جگہ کنوؤں کے پانی سے زراعت ہوتی ہے۔ میں نے گرمی کے موسم میں وہاں نہایت اچھے تر بوڑے دیکھے تھے۔ اُحد اس وقت ایک چھوٹے سے گاؤں کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کوئی بچپیں تیس گھر ہونگے۔ پولس کا ایک تھانہ بھی ہے اور نجدی سپاہی متعین ہیں۔ اُحد کی بستی میں زیادہ تر وہ لوگ رہتے ہیں جو سابق میں حضرت امیر حمزہ کو مزار کے مجاور رکھتے۔ یہ لوگ اپنا سلسلہ نسب بنی عباس سے ملاتے ہیں۔ یہاں ایک کنواں ہے جس کا پانی اچھا ہے۔ اُحد کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ بالکل الگ تھلگ کھڑا ہے۔ کسی طرف کسی پہاڑ سے ملتا نہیں اس وجہ سے اسکو اُحد کہتے ہیں۔ لفظ "اُحد" تو حد سے مشتق ہے بعض کہتے ہیں کہ اہل توحید کا نصرت گاہ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ مگر پہلی وجہ زیادہ قریب قریب ہے۔ جبل اُحد مشرق سے مغرب تک کوئی چار میل لمبا ہوگا۔ اس میں کالے تیلیا اور سُرخ کئی رنگ کے پتھر ہیں۔ اس کی چوٹی زمین سے عمودی شکل میں بہت بلند ہے جس کی چڑھاہٹ کی شکل ہو گئی ہے۔ موسمِ سرما میں جب میں نے دیکھا تھا تو اسے بالکل خشک و بے گیاه پایا۔ اس پر چند پرند کا نام نہ تھا۔ اُحد کے دامن میں جنوب کی طرف وادی ہے جو نالا بنکر جاتی ہے اور مینہ کے بعد اس میں کچھ گھاس اور جھاڑی کہیں کہیں ہو جاتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے۔

۱۔ میں نے نجدی سپاہیوں کو انعام و اکرام کے معاملہ میں بہت سیر چشم پایا۔ پولیس کے عام سپاہیوں اور دفتر کے چراسیوں کی طرح لپٹ کر تو کیا مانگیں گے اشارے کنا یہ سے بھی سوال نہیں کرتے۔ میں نے ان سپاہیوں سے یہ کام لیا تھا کہ حضرت حمزہ کے مزار پر جو ساکین خیرات لینے آئے تھے اُن کو قطار بنا کر بٹھا دیں تاکہ سہولت سے اُنکو دیا جاسکے اس کے بعد ان سپاہیوں کو بھی کچھ نذر کیا مگر انہوں نے اپنی زبان سے یہ نہ کہا کہ یہ کم ہے کچھ اور دو۔ یا یہ کہ ہمارے آدمی جو موجود نہیں ہیں اُن کا بھی اس میں حصہ لے لیا گیا۔

جب تم ادھر سے گزرو تو یہاں کے پھل کھاؤ۔ اگر پھل نہ ہوں تو یہاں کی گھاس پات بھی یہی اثر رکھتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہکودوست رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ بطور استعارہ واقع ہوئے ہیں جن سے یہ مراد لیجا سکتی ہے کہ اُحد کے رہنے والے ہم سے محبت رکھتے ہیں اور ہکودوست سے محبت ہے۔

### ب۔ قبۃ ہارون

اسلام سے قبل بھی جبل اُحد غالباً تبرک پہاڑ سمجھا جاتا تھا۔ مدینہ و حوالی مدینہ میں یہودی آباد تھے۔ ان کی زیارت کیلئے اُحد پر حضرت ہارون کی قبر موجود تھی۔ اور انہیں کی یادگاریں اُحد کے ایک حصے کو دادی ہارون کہتے تھے۔ یہ نام اب تک چلا آ رہا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون حج کے بعد مدینہ تشریف لائے تو انھوں نے جبل اُحد پر قیام کیا اور اتفاقاً حضرت ہارون نے وہیں وفات پائی حضرت ہارون کی قبر کی نشاندہی سید سمہودی کے زمانہ یعنی نویں صدی ہجری سے اب تک ہو رہی ہے۔ بڑن فرنگی سیاح حجاز جو ۱۲۶۹ء میں مدینے گیا تھا اپنے سفر نامے کی جلد اول میں جبل اُحد پر قبۃ ہارون کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ اُسوقت یہ بہت ہی خستہ حالت میں تھا وہ کہتا ہے:- اس قبۃ تک چڑھنے اُترنے میں آٹھ نو گھنٹے لگتے ہیں۔ کوئی صاحب گرمی کے دنوں میں اس پر چڑھنے کا قصد نہ کریں۔ ہارون کی قبر بلند ترین چوٹی پر ہے۔ مدینے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اس پر چڑھتے چڑھتے کسی عرب کا سانس چڑھ گیا تھا اُس نے جل کر کہا:-

من طلع قبۃ ہارون ملعون ابن ملعون

یعنی قبۃ ہارون پر جو چڑھے وہ ملعون کا بچہ ملعون ہے۔

۳۲۹ء میں حاجی عبد الرحیم صاحب بنگلوری نے بھی اس قبۃ کا ذکر کیا ہے۔ میں نے ۱۳۴۵ء میں اس قبۃ کا کوئی نشان نہیں پایا۔ اہل نجد کے آئینے قبل گردش زمانہ نے اسے منہدم کر دیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر حضرت ہارون پر فاتحہ پڑھنا مجھ جیسے کمزور آدمی کا



کام نہ تھا اس لیے میں نے برٹن صاحب کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور دامن کوہ میں فاتحہ پڑھی۔

### ج۔ جنگِ اُحد

زمانہ اسلام میں اُحد کی شہرت جنگِ اُحد کے باعث ہے جس میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب آنحضرت کے چچا شہید ہوئے تھے۔ سلسلہ میں مکہ معظمہ کے کفار قریش کو بمقام بدر مسلمانوں کو مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اس کا انتقام لینے کیلئے شوال سلسلہ میں مکہ کے تین ہزار آدمیوں کے بے سر کردگی ابوسفیان مدینے پر چڑھا لی گئی۔ اس لشکر میں دو سو سوار۔ سات سو زرہ پوش اور کئی ہزار اونٹ تھے۔ قریش کو جوشن و لائیکے لیے ہندہ زوجہ ابوسفیان کی ماتحتی میں پندرہ غورتیں بھی تھیں جو دف بجایا کر اور مقتولین بدر پر نوے گاگا کر اپنے مردوں کو لڑائی کی ترغیب دلاتی تھیں۔

صحابہ سے مشورہ کے بعد آنحضرت ایک ہزار مسلمانوں کیساتھ مدافعت کیلئے مدینے سے باہر نکلے مگر عبداللہ بن ابی بن سلول منافق مع اپنے تین سو آدمیوں کے اس بنا پر رستے میں سے

سلسلہ۔ بدر مدینے سے پانچ منزل جانب جدہ واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کے گرد ٹوٹی بھوٹی فصیل اور تھوڑے سے بچتہ و نیم بچتہ مکانات ہیں۔ قصبے کے بیچ میں ایک بڑا نالا بہتا ہے۔ بدر کی آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر دامن کوہ میں جانب جنوب اُن تیرہ اصحاب کی قبریں ہیں جو جنگِ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ یہ لڑائی رمضان سلسلہ میں ہوئی تھی۔ جب آنحضرت کو معلوم ہوا کہ قریش مکہ بڑی تیاری کے ساتھ مدینے پر حملہ کرنے والے ہیں اور ابوسفیان ایک ہزار آدمیوں کے قافلے کے ساتھ شام سے آ رہا ہے تو آنحضرت تین سو تیرہ مسلمانوں کیساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ اسکی اطلاع جب اہل مکہ کو ہوئی تو انھوں نے نوسو پچاس آدمی ابوسفیان کی مدد کیلئے بھیجے۔ تاہم غیبی سے مسلمانوں کو زبردست فتح ہوئی۔ انکے مرثیہ آدھی شہید ہوئے۔ کفار کے ستر آدمی مار گئے اور ستر ہی قید ہوئے جن میں حضرت عقیل بن ابیطالب اور حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے جو فدیه لیکر چھوڑے گئے اور مسلمان ہوئے۔ اس لڑائی میں بہت سے پرانے دشمنان اسلام مارے گئے منجملہ اُن کے ابو جہل بھی تھا۔

سلسلہ۔ فتح مکہ کے بعد سلسلہ میں ہندہ بھی مسلمان ہو گئی تھی۔ حضرت حمزہ کا جگر کھانے سے ہندہ کو جگر خواہ کہتے ہیں۔ ہندہ کی لڑکی ام حبیبہ آنحضرت کی بیوی تھیں۔ ہندہ اپنی لڑکی سے ملنے کے لئے کبھی کبھی آیا کرتی تھی۔ مگر آنحضرت اسکی صورت نہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اے عبدالدار کی اولاد و الوتمیر افسوس ہے

۳۵۔ یہ اشارہ ابو جہل، عقبہ شیبہ، اور ولید بن عقبہ کثیر ہے جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مار گئے تھے۔

دو پتھر لگے جن سے سامنے سے دو دانت بڑی طرح بل گئے اور خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ اس کے علاوہ تلواروں کے بھی زخم آئے۔ خود کی کڑیاں نکالنے سے دانت ٹوٹ گئے۔ جب یہ خبر مدینے میں پہنچی تو جنابہ فاطمہؓ زہراؓ چند عورتوں کو اپنے ساتھ لیکر اُحد بنجیں۔ آنحضرتؐ کے زخموں کو دھویا اور اُن میں جلے ہوئے کپڑے کی راکھ بھری۔ حضرت طلحہؓ کا ہاتھ آنحضرتؐ کی محافظت میں کٹ گیا۔ حضرت حمزہؓ کو جبیر بن مطعم کے حبشی غلام نے شہید کیا۔ اسکو نیزہ پھینک کر مارنے میں بڑی مشق تھی۔ یہ ایک پتھر کی آڑ میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اُدھر سے حضرت حمزہؓ گذرے اُس نے پشت پر نیزہ مارا جومات میں ہو کر نکل گیا۔ ابھی کچھ جان باقی تھی کہ ابوسفیانؓ کی کنپٹی میں نیزہ چھو کر خاتمہ کر دیا۔

اس لڑائی میں کل ستر مسلمان شہید ہوئے۔ بعض نے کچھ کم وزائد تعداد بھی لکھی ہے۔ کفار کی طرف سے صرف بائیس یا تیس آدمی مارے گئے۔ ہندہ اور اسکی ہمراہی عورتوں نے مسلمان مقتولوں کے ناک کان کاٹ کر ہار بنائے اور اپنے گلوں میں پہنے۔ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر کر انکا کلیجہ چھپایا اس لڑائی میں اگرچہ کفار کو فتح ہوئی تھی مگر انکی ہمت نہ پُری کہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے۔ اس لیے وہ یہاں سے مکے چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے رات اُحد میں گزاری اور دوسرے دن اپنے مقتول ساتھیوں کو دفن کر کے مدینے واپس ہوئے۔

### ۵۔ شہدائے اُحد کے نام

(۱) حمزہ بن عبد المطلب (۲) عبد اللہ بن حبش (۳) مصعب بن عمیر (۴) شماس بن عثمان

۱۔ میدان اُحد میں جس جگہ آنحضرتؐ کے دندان مبارک دفن کیے گئے تھے وہاں شہداء میں سلطان محمود خان نے ایک قبہ بنوا دیا تھا جسے قبۃ الثنا یا کہتے تھے۔ اس سے قبل یہاں کوئی قبہ نہ تھا۔ ہندوستان کے چودھویں صدی ہجری کے سیاح اس قبہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ بعض نے اس کا نام مسجد الثنا یا بھی تحریر کیا ہے۔ ثنا یا سامنے کے دانتوں کو کہتے ہیں۔ مولوی صیغۃ اللہ صاحب نے اسی مسجد ہی لکھا ہے اور دندان مبارک کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں ”اس مسجد کی قبلہ رو دیوار میں ایک پتھر نصب ہے۔ مسجد کے مجاور نے ہمیں بتایا کہ حضورؐ کے شہید شدہ دندان اس پتھر میں نصب ہیں۔ بحر سطور نے اپنی آنکھوں سے بعض انسانی دانتوں کو اُن پتھر میں نصب پایا ہے اپنی انگلیوں سے مس کر کے بھی دیکھا۔ سیکر ساتھ جنہو لوگ ہر سب سے دیکھا۔ لیکن سیکر قائلہ والوں نے دوسرے وقت جا کر دیکھا تو وہ دانت اُنکو نظر نہ آئے۔“ (السنین ص ۱۷۸)۔

یہ چار مہاجر تھے۔ انصار میں سے (۵) عمرو بن معاذ (۶) حارث بن انس بن رافع (۷) عمارہ بن زیاد بن السکن (۸) سلمہ بن ثابت (۹) عمرو بن ثابت (۱۰) ثابت بن وقش (۱۱) رفاعہ بن وقش (۱۲) حنبل بن جابر (۱۳) صفی بن قبطی (۱۴) جناب ابن قبطی (۱۵) عباد بن سہل (۱۶) حارث بن ادس (۱۷) ایاس بن ادس (۱۸) عبید بن تیہاں (۱۹) حبیب بن زید (۲۰) یزید بن حاطب (۲۱) ابوسفیان بن حارث بن قیس (۲۲) انیس بن قناده (۲۳) حنظلہ الثقیل ابن ابی عامر (۲۴) آلوجہ بن عمرو (۲۵) عبید اللہ بن جبیر (۲۶) خفیمہ بن البوسعہ (۲۷) عبد اللہ بن مسلمہ (۲۸) سلیع بن حاطب (۲۹) عمرو بن قیس (۳۰) قیس بن عمرو (۳۱) ثابت بن عمرو بن زید (۳۲) عامر بن مغلہ (۳۳) ابوسیرہ (۳۴) عمرو بن مطرف (۳۵) ادس بن ثبث برادر حسان بن ثابت (۳۶) انس بن نضر (۳۷) قیس بن مغلہ (۳۸) کیسان مولیٰ بنی نجار (۳۹) سلم بن حارث (۴۰) نعمان بن عبد عمرو (۴۱) خارجہ ابن زید (۴۲) سعد ابن الزبیع (۴۳) ادس بن الارقم (۴۴) مالک بن ننان (۴۵) سعد بن سید (۴۶) عقبہ بن زبیع (۴۷) ثعلبہ بن سعد (۴۸) نقیب ابن فروہ (۴۹) عبد اللہ بن عمرو (۵۰) قمرۃ الجہنی (۵۱) نوفل بن عبد اللہ (۵۲) عباس بن عبادہ (۵۳) نعمان بن مالک (۵۴) المنذر بن زیاد (۵۵) عبادہ بن الحساس (۵۶) رفاعہ بن عمرو (۵۷) عبد اللہ بن عمرو بن ورم (۵۸) عمرو بن الجحوح (۵۹) الخلد (۶۰) ابوا یمن (۶۱) عبیدہ بن عمرو (۶۲) عنترہ (۶۳) سہل بن قیس (۶۴) ذکوان بن عبد قیس (۶۵) عبید بن المعلى (۶۶) مالک بن نمیلہ (۶۷) حارث بن عدی (۶۸) مالک بن ایاس (۶۹) عیاس بن عدی (۷۰) عمرو بن ایاس (دفاع الوفا جلد دوم ص ۱۱۳)

### ۸۔ شہدائے احد کا کفن و دفن۔

لڑائی ختم ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے شہید ساتھیوں کا معائنہ فرمایا مصعب بن عمیر کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی :-

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه

یعنی مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اُس وعدے کو سچ کر دکھایا جو انہوں نے خدا سے کیا تھا اسکے بعد یہ دعا کی :-



اللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ لَشَهِيدَانِ هُوَ كَلَامُ شَهِيدٍ  
(یا اللہ یہ تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں)

پھر فرمایا:-

آؤ اور شہدائے اُحد پر سلام پڑھو۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں جو شخص  
ان پر سلام پڑھیں گا یہ اس کا جواب دیں گے۔

نیز بعض دوسرے شہیدوں کی لاشوں کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا:-

”یہ میرے اصحاب ہیں قیامت کے دن میں انکی نسبت گواہی دوں گا“

جب آنحضرت اپنے چاحمزہ کی لاش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ناک اور کان کاٹے گئے  
ہیں اور ان کا پیٹ پیر کر جگر نکال لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

”اس سے بڑھکر مصیبت مجھ پر کوئی نہ پڑے گی اور میرے لیے اس سے زیادہ

درد ناک منظر کوئی نہ ہوگا۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ حمزہ کی بہن صفیہ کو بہت

رنج ہوگا اور میرے بعد سنت ہو جائیگی تو میں حمزہ کی لاش کو یوں ہی پڑا

ہوا چھوڑ دیتا تاکہ چیل کوٹے اور مہرائی درندے اس کو کھا لیتے۔

اسی اثنائے میں جبریل نے ندا دی کہ:-

”آسمانوں پر یہ لکھا گیا کہ حمزہ بن عبدالمطلب اللہ اور اس کے رسول کے

شیر ہیں“

پھر آنحضرت نے اپنی چادر حمزہ کی لاش پر اڑھا کر نماز جنازہ پڑھی اور جب دوسرے مقتول تھے

تو ان کے ساتھ ان پر بھی نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح حضرت حمزہ پر بہتر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا

آنحضرت دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ایک کپڑے میں لپیٹواتے تھے اور فرماتے تھے کہ:-

”جس جس کو علم قرآن زیادہ ہو پہلے اس کو دفن کر دو“

بعض بعض شہید دو دو تین تین ملا کر دفن کیے گئے۔ چنانچہ حضرت حمزہ کی قبر میں مصعب

بن عمیر علیہ السلام اور حضرت حمزہ کے بھانجے عبد اللہ بن جحش دفن کیے گئے۔ حضرت حمزہ

جبل رماۃ یعنی اُحد کی اُس چوٹی کے قریب شہید ہوئے تھے جہاں آنحضرت نے تیرا نوازوں کو

مامور فرمایا تھا۔ وہاں سے اُن کی لاش کو وادی میں منتقل کر نیکا حکم دیا اور وہاں انکی قبر بنائی گئی۔  
 ۹۔ شہدائے اُحد کے اجسام کی منتقلی۔

سید سمہودی کہتے ہیں کہ شہدائے اُحد کے اجسام کی منتقلی اور اُن کی قبروں کی اُلٹ پُلٹ تین دفعہ ہوئی ہے :-

(۱) پہلی مرتبہ اس وجہ سے کہ بعض بعض لاشوں کے دفن میں کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ ایک کا قرا بتدار دوسرے کے پاس دفن کر دیا گیا تھا۔ لوگوں نے آنحضرتؐ کی اجازت سے یا بطور خود اُن کی لاشوں کو نکال کر جدا جدا دفن کر دیا۔ بعض کو یہاں سے لیجا کر بقیع میں دفن کیا گیا۔ بعض کو قبا میں بعض کو کہیں اور۔

(۲) دوسری مرتبہ امیر معاویہ کی نہر کی وجہ سے منتقلی ہوئی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے ۴۳ھ یا ۴۴ھ میں اہل مدینہ کیلئے ایک نہر نکالی تھی جو اسی مشہد کی طرف سرائی تھی۔ نہر کھودتی وقت اُن کے عال نے یہ منادی کر دی تھی کہ امیر المومنین کی نہر آ رہی ہے جس کیسکا مُردہ یہاں دفن ہو وہ یہاں آئے اور اُسکو اُکھاڑ کر کہیں اور لیجائے۔ کہتے ہیں کہ اُسوقت ایک کدال حضرت حمزہ کے پاؤں میں لگی اُس سے خون جاری ہوا۔ مورخین کا بیان ہے کہ بعض شہیدوں کی قبروں کو کھولا گیا تو مع کفن کے اُن کی لاشیں بالکل تر و تازہ نکلیں۔ بعض شہیدوں کو دیکھا تو وہ اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے جب اُن کا ہاتھ ہٹایا جاتا تو زخم سے خون بہنے لگتا تھا اور جب ہاتھ چھوڑ دیتے تو پھر وہ خود بخود زخم پڑھنچ جاتا تھا۔

(۳) تیسری مرتبہ قبروں کے کھلنے کی وجہ ایک سیلاب ہوا جس کے سبب سے لاشیں منتقل کرنی پڑیں۔ یہ سیلاب تیسری صدی میں آیا تھا۔ اس کی زد میں حضرت حمزہ کی قبر بھی آ گئی تھی اور اُن کی پٹلی نظر آنے لگی تھی۔ اس کے بعد جسم مبارک یہاں سے منتقل کر کے ایکسٹیلے پر قبر بنا دی گئی جو اب تک موجود ہے۔

(خلاصۃ الوفا و مرآة المحرمین)

نہ۔ مزار حضرت حمزہ۔

شہدائے اُحد میں سب سے زیادہ بزرگ ہستی حضرت حمزہ کی ہے۔ ان کو مشہد کہتے ہیں۔

قدیم سے دو مقامات کی زیارت ہوتی رہی ہے ایک تو ان کے شہید ہو کر گرنے کی جگہ کی جسے مصرع کہتے ہیں اور جو کتب تاریخ میں قبۃ مصرع یا مسجد مصرع کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے زمانہ کے سیاح اسکو مسجد حمزہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دوسری زیارت گاہ حضرت حمزہ کی قبر ہے۔ بقول سید سمہودی مسجد مصرع غالباً پہلی مرتبہ دوسری ہجری میں تعمیر ہوئی تھی مگر امام محمد غزالی جنہوں نے ۵۸۵ھ میں مدینہ کی زیارت کی تھی اپنی کتاب احیاء العلوم میں اسکا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ ۵۸۵ھ میں ابن ابی الہیجا وزیر سلاطین عبیدہ مصر نے اس مسجد کی ترمیم کرائی اور سن تعمیر کے متعلق حسب ذیل کتبہ ایک پتھر پر کندہ کرا کے اس میں نصب کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم - انما یعمرو مساجد الله من آمن  
بالله والیوم الآخر - هذا مصرع حمزہ بن عبد المطلب  
علیہ السلام ومصلی النبی صلی الله علیہ وسلم -  
عمدۃ العبد الفقیر الی رحمتہ سیدہ حسین بن ابی الہیجا  
غفرلہ ولوالدیہ  
سن ثمانین وستمائة

مطلب اس کا یہ ہے کہ :-

”جو لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ مسجد میں تعمیر کرائے ہیں۔ یہ مقام حضرت حمزہ علیہ السلام کے زخمی ہو کر گرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے اس کو اپنے رب کی رحمت کے خواستگار بندہ فقیر حسین ابن ابی الہیجا نے اللہ اس کی اور اس کے ماں باپ کی مغفرت کرے۔“

۵۸۵ھ میں تعمیر کرایا۔“

۵۸۵ھ میں ابن جبیر نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے۔ سید سمہودی کے زمانہ تک یہ مسجد موجود تھی مگر مرمت طلب ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت جمادی الاول ۵۸۹ھ میں سلطان قاہرے مصری نے اس کی ترمیم و توسیع کرائی اور اس کے مغرب کی طرف جو کنواں تھا اسے بھی مسجد میں شامل کر لیا۔ سید ممدوح کہتے ہیں کہ بعض ناواقف لوگوں نے اس مسجد کے کتبے کو اٹھا کر حضرت حمزہ کے ذار کے

تھے میں قبر کے سرھانے لگا دیا تھا۔ اس ترمیم کے وقت شیخ الحرم شجاعی شاہین نے جس کے سپرد تعمیر کا انتظام تھا وہ پتھر قبہ مزار سے نکال کر پھر اُسی جگہ مسجد رصرع میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد ۱۲۱۹ھ میں جب بسر کردگی امیر سعود اہل نجد کا قبضہ مدینہ منورہ پر ہوا تو مزارات کے قبوں کے ساتھ شاید اس مسجد کو بھی انھوں نے منہدم کر دیا تھا۔ ۱۲۳۳ھ میں فرنگی سیاح برکھارٹ یہاں آیا تھا وہ اپنے سفر نامے میں اس مسجد کا ذکر نہیں کرتا۔ حجاز پر ترکوں کا دوبارہ تسلط ہو جانے کے بعد ۱۲۶۵ھ میں اس مسجد کی پھر تعمیر ہوئی جیسا کہ اُن اشعار سے ثابت ہے جو حضرت حمزہ کی قبر کی پائین کندہ تھے اور جن کو جنرل ابراہیم رفعت پاشا نے مراۃ الحرمین میں نقل کیا ہے۔ ۱۲۶۹ھ میں جب انگلستان کے مشہور و معروف سیاح کپتان برٹن کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے اس مسجد کو دیکھا تھا جس کا ذکر انھوں نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ یہ مسجد چودھویں صدی ہجری تک قائم تھی۔ ۱۲۳۳ھ میں جب اہل نجد کا دوبارہ حجاز پر قبضہ ہوا تو انھوں نے پھر حسب عادت قدیم اس مسجد کو بھی اس بنا پر منہدم کر دیا کہ:-

”وہ خالص خدا کے واسطے تعمیر نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت حمزہ کی یادگار تھی اور بعض

مسلمان خدا کی مسجدوں سے زیادہ اُس کی تعظیم کرتے تھے اور قبرستان میں

یا قبروں کے پاس مسجد بنانے کی بھی شرعاً ممانعت ہے۔“

اس مسجد کے انہدام سے ہندوستان کے بعض مسلمانوں کو بہت رنج ہوا کہ وہابی مسجدوں کو بھی ڈھاتے ہیں۔ میں نے اپنے ایک وہابی دوست سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس قسم کی مسجدوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل واقعہ اور اُن کی رائے قابل غور ہے:-

”ایک دفعہ حضرت عمرؓ سفر حج سے واپس آ رہے تھے راستہ میں ایک مسجد تھی

جس میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی اس خیال سے لوگ اُس کی طرف

دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب ان ہی باتوں کی

بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔“

(الفاروق مولفہ مولوی شبلی نعمانی مطبوعہ رحمانی پریس دہلی باب الامت و اجتہاد) ۲۶۹

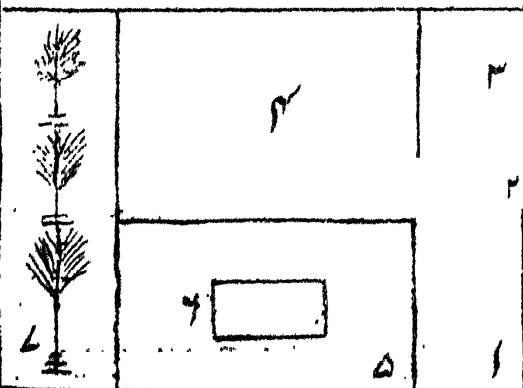


میں نے جواب دیا کہ تعظیم کا تعلق نیت سے ہے اور نیت کا علم خدا کو یا کسی قدر ہمارے مولویوں کو ہے۔  
اس لیے میں اس مسئلہ کا تصفیہ انہیں دونوں کے سپرد کرتا ہوں۔ ۱۲۴۵ھ میں جب یہ گنہگار  
مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو مسجد مصرع کی جگہ خالی دیکھی۔

حضرت حمزہ کی قبر میں ان کے بھائی عبداللہ بن جحش اور لشکر اسلام کے عہدار مصعب بن عمیر  
بھی دفن ہیں۔ اس قبر پر کوئی کچھ سو برس تک گنبد تعمیر نہیں ہوا۔ ۱۲۸۵ھ میں امام محمد غزالی نے  
شہدائے اُحد کی زیارت کے متعلق اجیار العلوم میں ہدایت کی ہے مگر حضرت حمزہ کی قبر کی کوئی  
صراحت نہیں کی۔ ۱۳۵۶ھ میں ابن جبیر نے اس قبر کو بغیر قبے کے دیکھا تھا۔ ۱۵۹۰ھ میں پہلی بار  
اس قبر کو الناصر لدین اللہ کی والدہ نے بچتہ بنوایا اور اسپر قبہ تعمیر کرایا۔ اس قبے کا دروازہ لکڑی  
کے تختوں کا تھا جس پر لوہے کے پتھر جڑے ہوئے تھے۔ قبر چوڑے کی بھٹی اور اسپر لکڑی کے تختے  
اسی طرح جمائے گئے تھے جیسے کہ جنت البقیع میں قبر ابراہیم ابن رسول اللہ و قبر عباس و قبر امام حسن  
تھے۔ قبر کے اطراف پتھر کی بندش تھی۔ ۱۵۹۰ھ میں تاریخ تعمیر کا کتبہ خط کو فی میں مشہد کی دیوار پر نصب  
کیا گیا تھا۔ ۱۸۹۳ھ تک یہ قبر و قبہ موجود تھا مگر تھوڑا سا تغیر ہو گیا تھا۔ سید سمہودی کہتے ہیں:-

”قبر میں اس قدر تغیر ہو گیا ہے کہ اسپر اب تختے نہیں رہے وہ پوری کی پوری  
چوڑے گچی کی بنادی گئی ہے۔“

یہ قبر و قبہ غالباً تیرہویں صدی کے آغاز تک بلا کسی رد و بدل کے قائم رہے یہاں تک کہ  
۱۲۱۹ھ میں اہل نجد نے بختہ قبر و قبہ کو منہدم کر کے کچی قبر بنادی۔ ۱۲۳۳ھ میں فرنگی سیاح برکھارٹ  
جب یہاں آیا تھا اس وقت قبہ نہ تھا۔ اس کا پتہ نہیں لگتا کہ محمد علی پاشا والی مصر نے دوسرے  
قبروں کیساتھ اسے بھی تعمیر کرایا یا نہیں؟ لیکن ۱۸۱۹ھ میں انگلستان کے مشہور سیاح برٹن نے یہاں  
قبہ دیکھا تھا جس کا ذکر اس نے اپنے سفر نامے کی  
جلد اول میں کیا ہے اور مسجد حمزہ و مقبرہ حمزہ کا یہ  
نقشہ کھینچا ہے:-



نمبر (۱) چوڑائی۔ نمبر (۲) دروازہ۔ نمبر (۳) مسجد کی  
مینا پر چڑھنے کا راستہ۔ (۴) صحن (۵) دالان

(۶) مقبرہ حمزہ (ؑ) زاویہ جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ برٹن صاحب کے زمانہ میں قبے کے اندر لیمپ ہانڈیاں اور شتر مرغ کے انڈے لٹاک رہے تھے۔ دیواروں پر کچھ آیات اور کچھ اشعار خوشخط تحریر تھے۔ رواق کے پیچھے حضرت حمزہ کی قبر سیاہ پتھر کی ڈھلواں بنی ہوئی تھی جس پر غلاف نہ تھا۔ قبر کے چاروں طرف لکڑی کا کٹھنہ نصب تھا۔

برٹن صاحب کی علمی قابلیت کا تذکرہ مزار اقدس رسول اللہ میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے یہاں صرف اس قدر لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برٹن صاحب حضرت حمزہ کی قبر کو سیاہ پتھر کا لکھڑا حاشیہ میں یہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

”ابن جبیر کے زمانہ میں قبر سرخ پتھر کی تھی“

(سفرنامہ برٹن انگریزی جلد اول)

اس جگہ بھی برٹن صاحب کو عربی عبارت سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ ابن جبیر کہتے ہیں:-  
”گنج شہیدان کے گرد سُرخ زمین حضرت حمزہ سے منسوب ہے اس مٹی کو لوگ تبرکاً حاصل کرتے ہیں۔“

(ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر ص ۱۷۱)

قیاس ہوتا ہے کہ ابن جبیر کے زمانہ میں اہل مدینہ اس مقام کی مٹی کے سُرخ ہونے کی وجہ یہ قرار دیتے ہوں گے کہ حضرت حمزہ کے خون کے اثر سے لال ہو گئی ہے اور لوگ اسکو تبرک سمجھ کر لیجاتے ہوں گے۔ اسکو برٹن صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ قبر کا رنگ سُرخ تھا۔ اس لئے کہ میں اس قبر و قبے کی ترمیم کی پھر ضرورت ہوئی اور زامر پاشا کسی تُرک نے اسے بنوایا اور سن تعمیر وغیرہ کی نسبت قبر کے ایک طرف کچھ اشعار وغیرہ بھی تحریر کر دیئے (مرآۃ الحرمین)

ہمارے زمانہ کے تمام سیاح قبہ حمزہ و قبر حمزہ کا ذکر کرتے ہیں۔ آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے اپنے روزنامے میں کسب قدر صراحت سے لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

”روشنی کی کُرسی قد آدم بلند ہے اور مسجد کا صحن وسیع ہے۔ گنبد جس میں قبر ہے تقریباً دس گز لمبا دس گز چوڑا ہے اور بقیع کے گنبد کی وضع کا ہے۔ قبر مبارک کے گرد لوہے اور گِلٹ کی جالی ہے۔ اندر پردہ صبر نخل کا نہایت قیمتی بڑا ہے۔“

قبر پر سے اور چاروں طرف سے کھلی ہوئی ہے اور برخلاف دیگر مقابر  
مدینہ منورہ کے صاف نظر آتی ہے۔ مقبرے کے اندر ایک بڑا قصیدہ سبز  
زمین پر سفید حرفوں میں حمزہ کی تعریف میں لکھا ہوا ہے۔

(روزنامہ)

تیرھویں صدی ہجری تک حضرت حمزہ کی قبر پر غلاف کا پتہ نہیں لگتا۔ چودھویں صدی کے  
سیاحوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف کسین میں مختلف رنگوں کا غلاف رہا ہے۔ مثلاً ۳۲۵ھ  
میں ڈاکٹر نور حسین صاحب نے زیارت کی تھی اُس وقت ارغوانی رنگ کی مچل کا زریں غلاف تھا۔  
صاحب مرآۃ المحررین نے ۳۲۵ھ میں لکھا ہے کہ اُس وقت باب کعبہ کا پردہ جمہر آیات قرآنی شہری  
حرفوں میں کڑھی ہوئی تھیں قبر پر پڑا تھا۔

۳۴۳ھ میں جب اہل نجد نے مجاز پر دوبارہ تسلط حاصل کیا تو حسب عادت قدیم انھوں نے  
قبر کو منہدم کر کے قبر کو پھر کچا بنا دیا جسکی اطراف ناتراشیدہ پتھر بطور بندش کے جمے تھے۔  
۳۴۵ھ میں جب یہ گنہگار مدینہ منورہ گیا ہے تو اس نے حضرت حمزہ کی کچی قبر اسی حالت میں  
دیکھی اس کے سر جانے ایک ناتراشیدہ پتھر بھی نصب تھا۔

ح۔ گنج شہیداں اور بعض دوسری قبریں۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت حمزہ کی قبریں ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش اور لشکر اسلام کے  
علم بردار مصعب بن عمیر بھی دفن ہیں۔ تقریباً نو سو برس تک تین شہیدوں کی یہ ایک قبر حضرت  
حمزہ کے مقبرے یا قبے میں رہی۔ ۹۳۱ھ میں اس قبے میں دو قبریں اور بن لکیں جن کی نسبت  
سید سمہودی نے یہ تحریر فرمایا ہے:-

”حضرت حمزہ کی قبر کے پاس ایک قبر سنقر ترکی کی ہے جو سلطان قایدے  
کے زمانہ میں مسجد حمزہ کی تعمیر کا متولی تھا اور دوسری قبر کسی شریف مدینہ کی ہے  
ان کو شہیدائے اہل نہ سمجھنا چاہیے۔“

مگر آخر میں چلکر لوگ ان کو شہدائے اہل نہ ہی کی قبریں سمجھنے لگے۔ ۱۳۳۳ھ میں جب برکھارٹ  
یہاں آیا تو اُس نے حضرت حمزہ کی قبر کے علاوہ تین قبریں اور دیکھی تھیں جن کو وہ عبداللہ بن جحش

مصعب بن عمیر اور جعفر بن شمس کی بیان کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سمہودی کے بعد کوئی اور ایک حنا یہاں دفن کیے گئے۔ ۲۶۹ھ میں برٹن نے یہاں قبر حمزہ کے سرہانے حضرت سفیدی کی ہوئی ایک قبر دیکھی جسے وہ عبداللہ بن جحش کی بتاتا ہے اور ایک قبر اور دیکھی جس کو وہ شناس بن عثمان کی کہتا ہے۔ گردش زمانہ نے اس وقت تیسری قبر باقی نہیں رکھی تھی۔ ۹۱۱ھ میں مولوی خواجہ حسن نظامی صاحب نے اس مقبرے میں کئی قبریں نئی دیکھیں جن کی نسبت انھوں نے صراحت نہیں فرمائی کہ کس کی تھیں۔ اس پر انھوں نے افسوس ظاہر کیا ہے اور فرماتے ہیں :-

### ”افسوسناک منظر“

”شہدائے اُحد جس مقام پر دفن ہیں وہ مختصر جگہ ہے مگر افسوس ہے کہ اس مقام پر میں نے چند تازہ قبریں دیکھیں۔ یہ بات میرے خیال میں شہدائے اُحد کے بے حرمتی ہے۔ ان نئے مردوں کو مقبرہ شہدائے اُحد کے متصل دفن کرنا لازم تھا نہ کہ خاص مقبرے کے اندر اور سابق قبروں کے اوپر“

(سفر نامہ مصر و شام و حجاز ص ۱۷۱)

شہدائے اُحد کا گنج شہیداں ابن جبیر کے زمانہ میں حضرت حمزہ کے مزار کے سامنے موجود تھا مگر اس کی صراحت نہیں کی کہ کیا شکل تھی۔ سمہودی و شیخ عبدالحی کے زمانہ میں گنج شہیداں میں علامت قبور نہ تھیں۔ برٹن کے وقت ۲۶۹ھ میں گنج شہیداں کے گرد ایک نیچی چار دیواری کھچی ہوئی تھی جس پر سفیدی کی ہوئی تھی اور اس میں کچھ قبریں بھی بنی ہوئی تھیں اور ان کے اطراف پتھر رکھے ہوئے تھے۔

میں نے ۱۳۵۲ھ میں حضرت حمزہ کی قبر کے متصل دو قبریں اور دیکھیں جن میں سے ایک دراصل کسی ترکی عہدہ دار کی اور دوسری کسی شریف مدینہ کی ہے مگر اس زمانہ کے معلم داہل مدنیہ عموماً اُن کو شہدائے اُحد کی بتاتے ہیں اور عبداللہ بن جحش و مصعب بن عمیر سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں بزرگ حضرت حمزہ ہی کی قبریں دفن ہیں۔

حضرت حمزہ کی قبر کے پاس میں نے ایک چوڑے دیکھا جو گنج شہیداں کہلاتا ہے اس پر علیہ السلام

۱۷۔ مگر شہدائے اُحد میں جعفر بن شمس کوئی بزرگ نہیں ہیں۔



قبروں کی علامتیں نہیں ہیں۔

ط۔ شہدائے اُحد کی زیارت و سلام  
کہتے ہیں کہ آنحضرت نے شہدائے اُحد کی لاشوں کے پاس جا کر صحابہ سے فرمایا تھا کہ  
”اُدا اور شہدائے اُحد پر سلام پڑھو۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں شخص  
اپنے سلام پڑھیں گے اس کو سلام کا جواب دیئے۔“

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا حضرت حمزہ کی  
زیارت کیلئے اُحد جایا کرتی تھیں اور اُن کی قبر کی درستی و مرمت کیا کرتی تھیں۔ اُنھوں نے  
اس قبر کی شناخت کیلئے اس پر ایک پتھر رکھ دیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ جنابہ سیدہ ہر جمعہ کو  
وہاں جا کر نماز پڑھا کرتی تھیں اور رویا کرتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسرے تیسرے دن  
زیارت کیلئے جایا کرتی تھیں۔

(دقائق الوفا بخار دار المصطفیٰ عزلی مطبوعہ مکتبہ جلد دوم)

اہل مدینہ عموماً جمعرات کے دن زیارت اُحد کی واسطے جایا کرتے ہیں۔ بعض اہل دل ہر جمعرات کو  
صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر اُحد جاتے ہیں اور وہاں سے واپس ہو کر نماز ظہر پھر مسجد نبوی  
میں ادا کرتے ہیں۔ امام محمد غزالی نے احیاء العلوم میں تاکید کی ہے کہ زائر کو لازم ہے کہ جمعرات  
کے دن شہدائے اُحد پر سلام پڑھنے جائے۔ عموماً شہدائے اُحد پر یہ سلام پڑھا جاتا ہے۔

”السلام علیک یا سیدنا حمزہ بن عبد المطلب السلام  
علیک یا اعم رسول اللہ۔ السلام علیک یا اعم نبی اللہ  
السلام علیک یا اعم حبیب اللہ۔ السلام علیک یا سید الشہداء  
و یا اسد اللہ و اسد رسولی۔ السلام علیکم یا شہداء  
یا سعداء۔ السلام علیکم بما صبرتم۔ فنعم عقبی الدار  
السلام علیکم یا شہداء اُحد کافۃ عامۃ و رحمتہ  
اللہ و بركاتہ۔“

یعنی اے ہمارے سردار حمزہ بن عبد المطلب آپ پر سلام اور رسول اللہ کا

اے اللہ کے نبی کے چچا۔ اے حبیبِ خدا کے عمِ بزرگوار آپ پر سلام۔ اے شہیدِ دہلی کے سردار۔ اے اللہ اور اس کے رسول کے شیرِ آپ پر سلام۔ اے شہیدِ دہلی کے خوش نصیبِ تمہارے صبر کرنے پر سلام۔ خانہٴ آخرت تم کو مبارک ہو۔ اے واحد کے مشہید و تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت۔

بعض لوگ آنحضرت پر سلام پڑھنے کے بعد سجدہ نبوی میں شام کی طرف منہ کر کے شہداء اے اُحد پر بھی ہر روز سلام پڑھتے ہیں۔

### بی۔ حضرت امیر حمزہ کا عرس

اہل مدینہ بلکہ تمام حجاز والے حضرت حمزہ سے ایک خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ چند سال قبل تک بیمار تندرست ہونیکی اور حاجتِ حاجتِ روائی کیلئے ان سے منت مانتے تھے۔ تقریباً سو برس سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہر سال ۱۲ رجب کو بڑی دھوم دھام سے عرس ہوا کرتا تھا۔ مدینے والے اور آس پاس کے عرب یہاں آتے تھے اور ان مکانوں میں جو مدینے کے مالدار لوگوں نے تبدیل آب دہوا اور تفریح طبع کیلئے یہاں بنا رکھے تھے آکر رہتے تھے۔ ہر طرف ڈیرے نصب ہو جاتے تھے اور بازار لگواتا تھا۔ یہ میلہ تین چار دن تک رہتا تھا۔ جن کی منتیں مرادیں پوری ہوتی تھیں وہ حضرت حمزہ کے نام پر بھڑ بکری فوج کرتے تھے۔ اب وہ میلہ اکھڑ گیا۔ اہل نجد ان باتوں کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔ آج کل مدینے والے چند روز کیلئے تبدیل آب دہوا کے واسطے کبھی کبھی یہاں آجاتے ہیں اور ان مکانوں میں جو زمانہ کے ہاتھ سے ثابت رہ گئے ہیں ٹھہراتے ہیں۔

### (۶) مقبرہ محمد نفس زکیہ



ان کا نام محمد ہے ان کے والد عبد اللہ معصی حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام کے فرزند تھے محمد کا لقب مہدی اور عرف نفس زکیہ ہے انھوں نے ابو جعفر منصور خلیفہ بغداد کے زمانہ میں جن کا عہد سلطنت ۳۳۵ھ سے ۳۵۸ھ تک رہا خروج کیا تھا منصور پہلا عباسی خلیفہ ہے جس نے

علویوں اور عباسیوں میں عداوت کی بنیاد ڈالی اور حضرت علیؑ کی اولاد میں سے جن جن کو جھوٹے مشین، عابد و عالم و متقی پایا جن جن کو قید و قتل کرایا۔ ڈیرہ تھا کہ مسلمان ان کی طرقت رجوع ہو کر کہیں انکو اپنا خلیفہ نہ بنالیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں کئی ننچلے ایسے گزرے ہیں جو عباسیوں کے مظالم سے تنگ آکر ان کی حکومت کو تہ و بالا کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور ان کے علم و تقدس کے لحاظ سے بعض طالبان حق ان کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ انھیں موقع طلب بزرگوں میں حضرت محمد نفس زکیہؑ بھی تھے۔ جب منصور کے مظالم کی حد باری نہیں رہی اور اس نے نفس زکیہؑ کے والد اور حقیقی بھائی موسیٰ کو قید کیا اور ان کے چچا حسن و ابراہیم جعفر و عباس کو اور ان کے کئی صاحبزادوں کو قید کر کے ان میں سے اکثر کو شہید کر دیا تو اب نفس زکیہؑ کو گرفتار کرنے کی فکر ہوئی۔ حاکم مدینہ ان کی تلاش میں رہنے لگا اور یہ جگہ جگہ چھپتے پھرتے منصور کے جاسوس ہر طرف ان کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک کنوے میں ڈول کی طرح لٹک کر جان بچائی۔ ایک دفعہ دوا دوش میں انکی زوجہ محترمہ بہا ٹریر سے گر پڑیں جس سے اسقاط حمل ہو گیا۔ غرض جب یہ چھپنے اور بھاگے بھاگے پھر نے سے تنگ آ گئے تو مجبوراً ۱۵۸ھ میں ڈیرہ سو آدمیوں کیساتھ خروج کیا اور تکبیر میں کہتے ہوئے مدینے کے قید خانہ ٹوٹ پڑے۔ قیدیوں کو رہا کیا اور مسجد نبوی میں خطبہ پڑھ کر لوگوں سے بیعت لی۔

جب ان کے خسرو ج کی خبر بغداد میں پہنچی تو وہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۸ھ امام مالکؒ کے ۹۳ برس میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ انس کے علاوہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ امام مالکؒ بچپن ہی بہت ہی فقہ و فاضل گزرا۔ اپنے مکان کی چھت کی لکڑیاں فروخت کر کے انھوں نے کتابیں خریدیں اور اس طرح علم حاصل کیا انکی کتاب موطا کتب احادیث میں مشہور ہے۔ جب بارون الرشیدؒ کو گیا تھا انسؒ نے یہ کتاب دیکھ کر ان کو تین ہزار دینار انعام دیے تھے منصور عباسی خلیفہ بغداد نے کسی مسئلہ پر اسکی خلاف مرضی فتویٰ دینے پر انکو بڑی ذلت کیساتھ قید کیا اور اس زور سے شکنیں کسوائیں کہ انکا ایک ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا اسکے بعد ستر کوڑے پڑوائے۔ کہتے ہیں کہ اس مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی کہ امام مالکؒ نے محمد نفس زکیہؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ان کے ساتھ ہو کر جہاد کرنے کیلئے مسلمانوں کو ترغیب دی تھی، امام مالکؒ ان کے مشہور چار اموں میں سے ہیں۔ انکے پیروا فریقہ میں بہت ہیں۔ ۱۵۸ھ میں جب شرف الدولہ معز دالی افریقہ ہوا تو اس نے وہاں مذہب مالکی کا رواج دیا۔ اس سے قبل افریقہ کے مسلمانوں کا طریق حنفی تھا۔ مالکی مصلیٰ کعبہ میں بھی موجود ہے (باقی صفحہ آئندہ)

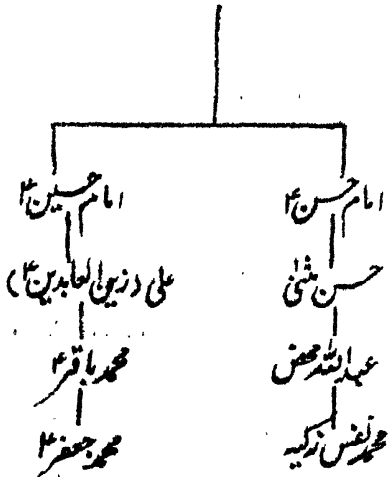
امام ابو حنیفہؒ نے مسلمانوں کو فتویٰ دیا کہ ان کے ساتھ ہو کر جہاد کریں۔ بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے مگر خاندان رسالت میں سے بعض بزرگواروں نے خیال دور اندیشی ان کا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی شروع ہی سے ان سے الگ رہے اور جناب صادقؑ کے فرزند حضرت عبداللہ نے کچھ دن بعد ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ محمد نفس زکیہؒ مدینے پر قبضہ کر نیکنے بعد کے کیطرف بڑھنا چاہتے تھے۔ اسی اشار میں منصور نے اپنے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کو چار ہزار کا لشکر دیکر ان کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ عیسیٰ نے جبل سلج پہنچ کر مدینے سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر جانب جنوب پر واقع ہے ڈیرے ڈالے۔ اس کی آمد کی خبر سن کر

بقیہ حاشیہ۔ اور یہ لوگ شیعوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر نادر پڑھتے ہیں۔ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ توضیحاً ملاحظہ ہوں حالات جنت البقیع۔

۱۵۔ امام ابو حنیفہؒ کی ولادت بمقام کوہ قنسٹر میں ہوئی۔ ان کا لقب امام اعظم ہے۔ فقہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ اہل سنت کا بہت بڑا گروہ ان کا مقلد ہے۔ عہدہ قضا قبول نہ کرنے پر دومرتبہ ان کو سونو کوڑے لگائے گئے۔ انھوں نے بھی مسلمانوں کو ترغیب دی تھی کہ محمد نفس زکیہؒ اور ان کے بھائی ابراہیم کے ہاتھ ہجرت کر کے خلفائے بغداد سے جہاد کریں۔ امام ابو حنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ وقت کے اشارہ سے کسی نے ان کو زہر دیدیا۔

۱۶۔ امام جعفر صادقؑ کے چچا زاد بھائی تھے۔ چوتھی پشت میں دونوں بزرگوں کا سلسلہ نسب ابراہیمؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ

### علی بن ابی طالبؑ



منتهی ہوتا ہے جیسا کہ شجرہ ذیل سے واضح ہوگا۔ اثنا عشری سلسلہ امامت کے لحاظ سے امام جعفر صادقؑ چھٹے امام ہیں بعض لوگ حضرت نفس زکیہ کے خروج پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام برحق امام جعفر صادقؑ کی موجودگی میں انکی خلاف مرضی ان کو حکم امامت بلند نہ کرنا چاہیے تھا۔ میں کہتا ہوں جن مصیبتوں میں یہ گرفتار تھے انکی وجہ سے ان کو تلوار پر ہاتھ ڈالنا حلال ہو گیا تھا۔ اب یہی یہ بات کہ جناب صادق علیہ السلام نے ان کا ساتھ کیوں نہ دیا اور ان کے فرزند عبداللہ ان کو چھوڑ کر کیوں الگ ہو گئے یہ عمل ان بزرگواروں کا کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔



امام جعفر صادقؑ مخفی طور پر مدینے سے کہیں باہر چلے گئے۔ عیسیٰ نے اُن کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور نفس زکیہؑ سے کہا بھیجا کہ اگر تم منصور کی بیعت کرتے ہو تو تم کو امان دیتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ بے عزتی کی زندگی سے مر جانا بہتر ہے۔ عیسیٰ نے اپنی فوجوں کو حجاز کے حکم دیا۔ محمدؐ مدینے کے گرد خندق کھودی اور مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔ تین دفعہ دشمنوں کو پسپا کیا۔ آخر عیسیٰ کی فوجوں کی کثرت دیکھ کر بہت سے لوگ نفس زکیہؑ کو چھوڑ کر چلے گئے اور صرف تین سو جاں نثار ان کے ساتھ رہ گئے۔ انھوں نے ۱۶ رمضان ۶۰ھ کو غسل کر کے عطر لگایا۔ گھوڑوں کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ تلواروں کے میان توڑ کر پھینک دیے اور اُحد اُحد کہتے ہوئے دشمن پر جا پڑے۔ اس وقت محمدؐ نفس زکیہؑ کے ہاتھ میں ذوالفقار حیدرؑ ہی تھی۔ خود انھوں نے

۱۔ فقرہ کی جمع فقار ہے۔ فقرہ ٹہرے یا ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ ذوالفقار کے معنی فقروں والی ہے۔ چونکہ اس تلوار کی ساخت ایسی تھی جیسی بیٹھ کی پڑی ہوتی ہے اور اس میں (۱۷) ٹہرے تھے اس وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا تھا۔ بعض لوگ ذوالفقار کو دو نوک والی تلوار سمجھتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ذوالفقار اس میں نیہ بن حجاج کی تلوار تھی جو تین مسلمانوں کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارا گیا تھا اس وقت ذوالفقار مال غنیمت میں آئی تھی اور آنحضرتؐ نے اسے اپنے لئے پسند فرمایا تھا۔ اسکے بعد شہہ میں جنگ احزاب میں جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں آنحضرتؐ نے یہ تلوار حضرت علیؑ کو عنایت فرمائی۔ ایک تو وہ تلوار اعلیٰ درجہ کی اسپر حیدر کرار کا ہاتھ غرض کہ اس تلوار کی وہ شہرت ہوئی کہ دنیا میں کسی تلوار کی نہ ہوئی ہوگی۔ یہاں تک کہ کوہِ صحرائیں یہ آواز گونجنے لگی

لا فتی الا علی لا یف الا اباہ

معنی کہ بلا کے بعد غالباً ذوالفقار خاندان رسالت میں کسی نہ کی طرح آگئی اور درجہٴ نبوت کے بعد منصور خلیفہ بغداد کے اسلحہ خانہ میں داخل ہوئی اور پھر نہ معلوم کہاں گئی۔ اور اب کہاں ہے۔ ذوالفقار ہمیں ابھی تک اسکے کارنامے ایسا آسمان شہرت پر برقِ یمانی بنکر چمک رہے ہیں ہندوستان کے بعض شہروں میں ماہِ محرم میں علمِ کبیطح ذوالفقار بھی بنایا جاتا ہے جس کی دو تین ترکیبیں میری نظر سے بھی گذری ہیں۔ ایک یہ کہ ایک بڑی بانس کے سرے پر کمان باندھ دیا جاتی ہے اور کمان کے دونوں سروں سے لکڑی کی دو تلواریں لٹکادی جاتی ہیں۔ منت والے اس ذوالفقار کو جگہ جگہ لیے پھرتے ہیں۔ کہیں کہیں ایک لمبے بانس پر دو نوک کی تلوار باندھ دیا جاتی ہے اور اُسے ذوالفقار کہا جاتا ہے۔ بعض جگہ ذوالفقار اس طرح بناتے ہیں کہ ایک بانس پڑچیس تیس یا کم بیش تلواریں دبا کر

اپنے ہاتھ سے سسٹر آدمی مارے ساسی درمیان میں جیسا ساسی فوج کے بعض سپاہیوں نے  
 یہ چال چلی کہ کسی عورت کی سیاہ اوڑھنی لیکر اس کا پھر در مسجد نبوی پر لٹا دیا جسے محمد کے ساتھی  
 یہ سمجھے کہ دینے پر دشمن کا قبضہ ہو گیا مگر جواب بھی استقلال کے ساتھ دشمنوں کے حملوں کا  
 جواب دیتے رہے یہاں تک کہ ایک شخص نے انکی پشت پر نیزہ مارا جب یہ زخم کے صدمے  
 جھکے تو حمید بن قحطبلہ نے سینہ میں برچھا لگا دیا اور تلوار سے ان کا سر جدا کر دیا۔ محمد کو ساتھیوں میں  
 امام زین العابدین علیہ السلام کے دو پوتے حسین و علی فرزدان حسن بن زید بن زین العابدین  
 بھی شہید ہوئے مگر ان دونوں صاحبزادوں کے والد حسن بن زید منصور کی فوج کیساتھ تھے  
 اور انھیں کے ایک فرزند قاسم بن حسن کاٹھ فتح لیکر منصور کے دربار میں گئے تھے۔ اِذَا  
 لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِہٖ رَاجِعُوْنَ۔

محمد نفس زکیہ کو دعویٰ تھا کہ وہ مہدی موعود ہیں۔ فرقہ زیدیہ میں سے بعض انکو

بقیہ حاشیہ۔ پھیلا کر باندھ دیتے ہیں۔ ہر تلوار کی نوک پر ایک ایک نیو لگا دیا جاتا ہے اور ایک ٹکڑا علم کے پتے کی طرح  
 بانس میں آویزاں کر دیتے ہیں اور سہرا باندھ دیتے ہیں مختلف اشخاص اس وزنی ذوالفقار کے اٹھانیا لے ہوتے ہیں جو طرح  
 طرح کرتب دکھاتے ہیں اور اسکی جھوک سنبھال کر کبھی کندھے پر کبھی دانتوں پر کبھی ٹھوڑی پر اور کبھی کلائی پر اسکو اٹھا کر کئی کئی  
 منٹ تک لیے رہتے ہیں۔ ذوالفقار کے نیو مختلف حاجتوں کیلئے کھائے جاتے ہیں جنکی منت پوری ہوتی ہے وہ سال آئندہ  
 چاندی کا نیو بنا کر ذوالفقار پر بیڑھا دیتے ہیں۔ ایک سیاہ پرند جسکی دم در شاخہ ہوتی ہے وہ بھی ذوالفقار کہلاتا ہے۔  
 ۱۔ فرقہ زیدیہ امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد بجائے امام باقر کے حضرت زید بن امام زین العابدین کو پانچواں  
 امام برحق جانتا ہے اور انکے بعد انکے بھائی حضرت یحییٰ کو چھٹا امام جانتا ہے پھر امامت ادا امام حسن علیہ السلام میں منتقل سمجھتا ہے نفس زکیہ  
 و اہلہم وادریس و غیرہ کی امامت کا قائل ہے۔ زیدیوں کی اذان و نماز مثل شیعہ اثنا عشری کے ہوتی ہے مگر تراویح بھی پڑھتے ہیں  
 مسئلہ خلافت میں بھی شیعوں سے پورے طور پر متفق نہیں ہیں اور بعض دوسرے مسائل میں حنفیوں سے زیادہ ملتے ہیں حضرت  
 زید نے ۱۲۱ھ میں ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں امامت کا دعویٰ کیا تھا۔ بہت سے لوگ انکے جھڈے تلے اکٹھے  
 ہو گئے تھے ہشام نے انکے مقابلہ پر فوج بھیجی ۱۲۲ھ میں نواح کوفہ میں مقابلہ ہوا حضرت زید بڑی شجاعت سے لڑ کر مر گئے  
 جنگ میں کام آئے۔ چھٹی صدی ہجری میں فرقہ زیدیہ کا مصلیٰ کوبہ میں موجود تھا اور انکے طریق کی اذان و نماز بیت اللہ میں ہو اکتی تھی۔  
 اسوقت بھی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں بہت سے زیدی موجود ہیں۔ مین میں بھی اس طریق کے مقلد پائے جاتے ہیں (باقی صفحہ آئندہ)

ساتواں امام مانتے ہیں۔ بعض امام منتظر بھی کہتے ہیں۔ فرقہ نفسیہ جو انھیں کے متبعین کا گروہ ہے ان کو عہدی جانتا ہے۔ اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نفس زکیہ طارے نہیں گئے بلکہ نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ دقت شہادت انکی عمر بنیقتا لیس سال تھی ان کا سر اور زوالفقار منصور کے پاس بغداد بھیج دی گئی اور ان کا تنہا انکی بہن حضرت فاطمہ بنت عبداللہ نے بقیع میں سپرد خاک کر دیا۔ مگر بقیع میں ان کے نام سے کوئی قبر منسوب نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ بمقام اجماع زیت جبل سلج کے مشرق میں ان کو دفن کیا گیا یہاں انکی قبر بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ انکی شہادت سہ اس حدیث کی تہدید ہو گئی تھیں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے:-

”يُقْتَلُ بِأَجْزَارِ الزَّيْتِ مَنْ وَلَدَى نَفْسٍ زَكِيَّةٍ“

یعنی اجماع زیت میں میرا ایک لڑکا نفس زکیہ قتل ہوگا۔

وفاء الوفاء تاریخ نہاد اسلام۔ تاریخ کامل۔ تاریخ الوفاء۔ نسخ التواریخ وغیرہ

نویں صدی ہجری میں انکی قبر پر ایک بڑی غارت بنی ہوئی تھی مگر قبہ نہ تھا۔ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اہل نجد کی پہلی فتوحات کی وقت ۱۹۱ھ میں انکی قبر پر قبہ موجود تھا یا نہ تھا۔ چودھویں صدی ہجری میں حنفیہ کی نشان دہی کرتے ہیں بعض سیاحوں نے حضرت نفس زکیہؑ کا نام سید زکی الدین بھی لکھا ہے میں نے مدینہ کے ساحلوں کو بھی ان کے حالات سے عموماً لاعلم پایا۔ مجھے بھی ایک شخص نے سید زکی الدین کے نام سے ہی ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو کہا تھا۔ قزوینی معمولی کچا چوترہ تھا جسکے گرد پتھروں کی ڈھیلی ڈھیلی بندش تھی اور ایک پتھر سر تھا۔ زانصب قبر کے قریب ایک کنواں اور ایک مسجد بھی ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ ہندوستان میں اُن سید دل کو زیدی کہتے ہیں جسکا سلسلہ نسب حضرت زید بن امام زین العابدینؑ تک پہنچتا ہے۔

۱۹۔ اجماع زیت۔ تیلیا پتھر۔ اجماع جمع ہے حجر کی۔ میں نے دیکھا تھا اس مقام کے پتھر سیاہی اور چمکانی کی وجہ سے تیلیا ہیں

۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ